سفرنامہ اسیر مالٹا

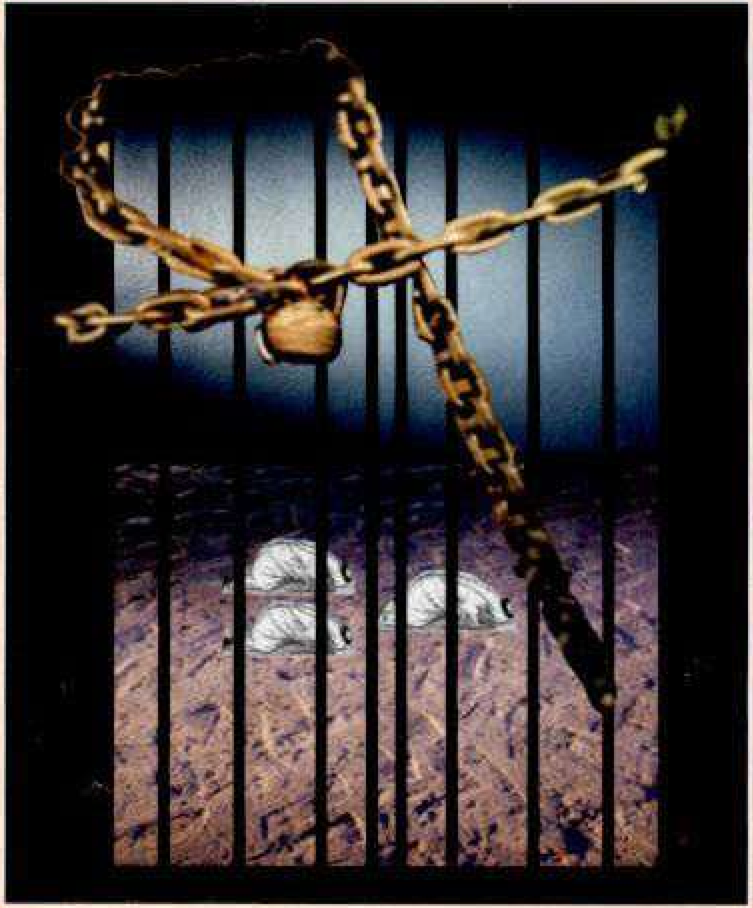

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

سفرنامہ اسیر مالٹا

مصنف

شیخ الاسلام

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ

طیب پبلشرز
33- حق سٹریٹ اُردو بازار لاہور۔
03334394686, 042-7241778, 7212714

(جملہ حقوق محفوظ ہیں)

نام کتاب	سفرنامہ اسیر مالٹا
مصنف	مولانا سید حسین احمد مدنی
مشکل الفاظ کا ترجمہ	ابوعبیداللہ چوہدری
اہتمام	محبوب الرحمٰن انور
ناشر	طیب پبلشرز، لاہور
پرنٹرز	حاجی حنیف اینڈ سنز، لاہور
قیمت	150/- روپے

لیگل ایڈوائزر
چوہدری عتیق الرحمٰن ایڈووکیٹ
ہائی کورٹ لاہور

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱	مولانا سید حسین احمد مدنیؒ افکار خدمات (پروفیسر خلیق احمد نظامی)	۱۱
۲	مولا مرحوم کے مجمل اور مختصر احوال	۲۷
۳	ابتدائی تحریک	۳۱
۴	مولانا مرحوم گی حالت ابتداء جنگ میں	۳۵
۵	مولانا مرحوم کا حجاز کو روانہ ہونا	۳۷
۶	مولانا کے رفقاء سفر	۳۸
۷	مولانا مرحوم کے سفر کی نسبت افواہ	۳۸
۸	بمبئی سے مولانا کی روانگی	۳۹
۹	خفیہ پولیس کی افواہ	۴۰
۱۰	دوسری افواہ	۴۱
۱۱	مولانا مرحوم کی جدہ سے روانگی اور مکہ معظمہ میں داخلہ	۴۱
۱۲	مولانا مرحوم کے مطوف	۴۱
۱۳	جناب مولانا خلیل احمد صاحب کا سفر	۴۲
۱۴	مکہ معظمہ سے روانگی مدینہ منورہ کو	۴۳

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱۵	راستہ کا انتظام	۴۴
۱۶	مولانا پر ایک اتہام اور اس کی غیر معقولیت	۴۴
۱۷	مولانا کا مدینہ منورہ میں داخلہ	۴۸
۱۸	مولانا کے رفقاء کا سفر	۴۹
۱۹	ترکی پولیس کے توہمات	۵۰
۲۰	انور پاشا اور جمال پاشا وغیرہ کا مدینہ منورہ میں آنا	۵۲
۲۱	شیخ الحرم	۵۵
۲۲	روضۂ مسجد	۵۶
۲۳	ہر دو حضرت کی انور پاشا اور جمال پاشا سے ملاقات	۵۸
۲۴	ترکی گورنمنٹ کی دریادلی	۵۹
۲۵	مولانا کی نسبت افواہ	۶۰
۲۶	مولانا کی مدینہ منور سے روانگی	۶۱
۲۷	طائف	۶۳
۲۸	فتنہ حجاز	۶۴
۲۹	مولانا کا رمضان طائف میں	۶۷
۳۰	طائف سے روانگی	۶۹

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۳۱	مولوی مسعود احمد صاحب پر شبہہ	۷۲
۳۲	خان بہادر مبارک علی	۷۳
۳۳	حکیم نصرت حسین صاحب کا ذکر	۷۶
۳۴	**واقعات اسارت مکہ معظمہ**	۷۹
۳۵	شیخ الاسلام سے گفتگو	۸۰
۳۶	**مصالحت کی کوشش**	۸۳
۳۷	مکہ معظمہ کے قید خانے	۸۴
۳۸	دہلی کے تاجروں کی ہمدردی	۸۵
۳۹	مولانا رحمۃ اللہ کا خواب	۸۷
۴۰	**جدہ سے روانگی**	۹۰
۴۱	سوئز کا پہنچنا	۹۱
۴۲	قاہرہ اور جیزہ	۹۲
۴۳	مصر کے سیاسی قید خانہ کی چارپائی	۹۹
۴۴	جیزہ کی قید تنہائی کے قواعد	۹۹
۴۵	ٹہلنے کی جگہ	۱۰۱
۴۶	مولانا کا فکر	۱۰۲

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۴۷	مولانا کا اپنے غلاموں کے ساتھ برتاؤ	۱۰۴
۴۸	مولانا کی توجہ اور فکر کا اثر	۱۰۵
۴۹	ہم لوگوں کے زیادہ فکر کی ایک خاص وجہ	۱۰۹
۵۰	مصر کی حالت	۱۱۱
۵۱	روانگی مالٹا	۱۱۹
۵۲	ترکی افسروں اور سپاہیوں کی آمد	۱۱۹
۵۳	جہاز میں کھانے کا انتظام	۱۲۰
۵۴	جہاز کی روانگی	۱۲۱
۵۵	جہاز میں موت کی ہر وقت تیاری	۱۲۲
۵۶	ترکی افسر	۱۲۳
۵۷	وصول مالٹا	۱۲۵
۵۸	مالٹا کی اسارت گاہ اور اس کی تفصیل	۱۲۷
۵۹	کیمپوں میں دوکانیں	۱۲۸
۶۰	آفس	۱۳۰
۶۱	شفاخانہ	۱۳۰
۶۲	مریضوں سے ملنے کا قاعدہ	۱۳۱

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۶۳	کیمپوں کا انتظام	۱۳۲
۶۴	رسد کی اشیاء	۱۳۳
۶۵	اسراء کو آپس میں ملنے کا طریق	۱۳۴
۶۶	ڈاک کا انتظام	۱۳۵
۶۷	اسراء کی تعداد اور نمبر	۱۳۶
۶۸	اسراء کی تفریح	۱۳۷
۶۹	اسراء کے لیے اخبار اور تار	۱۳۹
۷۰	ہلال احمر اور صلیب احمر کی ہمدردی	۱۳۹
۷۱	کیمپوں میں اپنے اپنے لکڑی کے مکانات	۱۴۰
۷۲	اسراء کے علمی مشاغل	۱۴۱
۷۳	اسراء کی باہم ہمدردی	۱۴۲
۷۴	عام اسراء کی تجارت	۱۴۳
۷۵	اسراء کی صناعت	۱۴۴
۷۶	اسراء کے مقدمات	۱۴۴
۷۷	قید خانہ اسارت گاہ	۱۴۵
۷۸	مولانا کا کیمپ اسارت میں داخلہ	۱۴۶

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۷۹	اس گوشت کے حلال نہ ہونے کی وجہ	۱۴۸
۸۰	کیمپ میں حلال گوشت کے طریقے	۱۵۱
۸۱	دال کی اقسام	۱۵۲
۸۲	ترکاریاں	۱۵۲
۸۳	اسارت میں کھانے کا ہمارا طریقہ	۱۵۲
۸۴	روگیٹ کیمپ کا قیام	۱۵۴
۸۵	مولانا کی جفاکشی اور استقامت	۱۵۶
۸۶	روگیٹ کیمپ سے عرب کیمپ کو انتقال	۱۵۶
۸۷	انتظام پارچہ شوئی ودیگر خدمات خارجیہ	۱۶۱
۸۸	ان صیداوی عربوں کے حالات	۱۶۱
۸۹	مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے اوقات	۱۶۳
۹۰	مالٹا میں پہنچنے پر نقد میں تنگی	۱۶۸
۹۱	میجر حسن عزت بیگ	۱۶۹
۹۲	افسروں کی تنخواہ	۱۷۰
۹۳	مسٹر سیدار اور ڈاکٹر کی علیحدگی	۱۷۳
۹۴	علی بیگ کا واقعہ	۱۷۳

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۹۵	اسلامی قبرستان	۱۷۵
۹۶	مولانا کی مراعات کا حکم	۱۷۷
۹۷	عرب کیمپ کو پسند کرنے کی وجہ	۱۷۷
۹۸	مسٹر برن کی آمد	۱۸۲
۹۹	ترکی میں اسراء کی حالت	۱۸۶
۱۰۰	حکیم نصرت حسین صاحب کی استقامت	۱۹۰
۱۰۱	نقد کی بجائے رسد مقرر ہونا	۱۹۱
۱۰۲	مسٹر برن کے لائے ہوئے خطوط	۱۹۳
۱۰۳	مولوی عزیز گل صاحب کا اشتغال	۱۹۴
۱۰۴	وحید کا اشتغال	۱۹۴
۱۰۵	کاتب الحروف کا اشتغال	۱۹۴
۱۰۶	مولوی حکیم نصرت حسین صاحب کا انتقال	۱۹۷
۱۰۷	اسراء کا چھوڑا جانا	۲۰۲
۱۰۸	مالٹا سے روانگی	۲۰۴
۱۰۹	سیدی بشر سے سوئز کو روانگی	۲۰۶
۱۱۰	سویس سے روانگی	۲۰۷

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱۱۱	عرضِ حال	۲۱۰
۱۱۲	تتمہ کرنیل اشرف بیگ کے مفصل حالات	۲۱۱
۱۱۳	حالات کرنیل اشرف بیگ	۲۱۱
۱۱۴	اشرف بیگ کی اخلاقی حالت	۲۱۲
۱۱۵	ان دونوں پارٹیوں کی مختصر کیفیت	۲۱۵
۱۱۶	اشرف بیگ کی فوج اور اڑریانوپل	۲۱۷
۱۱۷	اشرف بیگ کی گرفتاری	۲۲۳
۱۱۸	اشرف بیگ کا حسنِ انتظام	۲۲۵
۱۱۹	ترکوں کا تدین	۲۲۶

مولانا سیّد حسین احمد مدنی رحمتہ اللہ علیہ

افکار۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔خدمات

پروفیسر خلیق احمد نظامی

محدث، مجاہد، پیر طریقت جو انسانی پیکر، ان تین عظیم الشان حیثیتوں کا جامع ہو، اس کی شخصیت کی عظمت و دل آویزی الفاظ کے سہارے بیان نہیں کی جا سکتی، اس کے نام کے ساتھ کتنی ہی مختلف النوع تصویریں ہیں جو یکے بعد دیگرے پردۂ ذہن پر ابھر آتی ہیں، اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ درس و تدریس، دعوت و عزیمت، سلوک و ارشاد کی ایک دنیا نظروں کے سامنے پھیل گئی ہے اور جس منظر کو دیکھئے جی چاہتا ہے کہ دیکھتے ہی رہیے۔ کبھی اس کے درس حدیث سے دارالعلوم کے بام و در گونجتے سنائی دیتے ہیں، کبھی وطن سے ہزاروں میل دور مصر اور مالٹا کے قید خانوں میں وہ اپنے جذبات حریت اور احساسات دینی کی ایک دنیا اپنے خون دل سے سجاتا نظر آتا ہے۔ کبھی عزم و عزیمت کی راہ پر گامزن کراچی کی برطانوی عدالت میں دار و رسن کو اس طرح دعوت دیتا ہے گویا اس کے انتظار میں برسوں سے بے چین گھڑیاں گزار رہا تھا، کبھی رات کی تنہائیوں میں اپنے رب کے حضور سربسجود زار و قطار روتا ہے۔ زمانہ جس طرح مادی سرگرمیوں میں ڈوبتا جاتا ہے اس کی آنکھوں کی نمی بڑھتی جاتی ہے وہ انسان کو مقصد حیات سے آشنا کرنے کے لئے بے چین ہو جاتا ہے، جب انسانیت دم

توڑتی نظر آتی ہے تو وہ اپنے دنوں کی تپش اور راتوں کا گداز اس کی بقا کے لئے جدوجہد میں صرف کرتا ہوا جان، جان آفریں کے سپرد کر دیتا ہے۔ مولانا حسین احمد مدنی اپنی ذات میں ایک انجمن تھے، ان کے کام کی وسعت ایک ادارہ کو اپنی آغوش میں لئے ہوئے تھی۔ ان کے افکار کی گہرائی ایک تحریک کی شکل اختیار کر چکی تھی، ایسی تحریک جس نے ایک طوفانی دور میں مسلمانوں کی عظیم الشان علمی، تہذیبی اور روحانی قدروں کی پاسداری کی تھی، ان کے ساتھ تاریخ کا ایک دور ختم ہو گیا۔ اگر تاریخ کے واضح اشاروں سے چشم پوشی نہ کی جائے تو یہ حقیقت تسلیم کرنی پڑے گی کہ مولانا مدنیؒ ہماری اس بزم رفتہ کے آخری رکن رکین تھے، جس کی صدر نشینی کبھی شاہ ولی اللہؒ اور شاہ عبدالعزیزؒ نے کی تھی۔ یہ محض اتفاقی بات نہیں تھی کہ وہ جب درس بخاری شروع کرتے تو پہلے شاہ ولی اللہؒ تک اپنی سند حدیث بیان کرتے تھے۔ ان کی زندگی اس چراغ کی آخری لو تھی، مدرسہ رحیمیہ نے جب دم توڑا تو فیروز شاہ کوٹلہ کی مسند علم و درس دیوبند کو منتقل ہو گئی اور ایک ایسے دور میں جب ذہن پژمردہ، مذہبی فکر ماؤف اور دینی بصیرت عنقا تھی انہوں نے اسلاف کا چراغ علم و عرفان تیز اور تند ہواؤں کے درمیان روشن رکھا، بڑے بڑے طوفان گھر گھر آئے لیکن ان کے پائے ثبات میں لغزش نہ پیدا کر سکے، وہ عزم و عزیمت کی چٹان بنے ہوئے اپنے کام میں مصروف رہے، ان کی ذات میں حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے سوز، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی استقامت، شاہ فضل رحمٰن گنج مراد آبادیؒ کی سرشاری اور مولانا محمود حسنؒ کی بصیرت کا پرتو نظر آتا تھا۔ وہ خود کو ننگ اسلاف کہتے تھے، لیکن حقیقت میں ان کی ذات فخر اسلاف بن گئی تھی، وقت کا قافلہ جتنی تیزی سے آگے بڑھتا جا رہا ہے ان کے نقش پا اور روشن ہوتے جاتے ہیں اور ان کی ذات علم و عمل اور سلوک کا ایک روشن مینار بن کر دعوت فکر و عمل نظر آتی ہے۔

کسی شخص کی عظمت و بزرگی کو جانچنے کا پہلا پیمانہ یہ ہے کہ وہ کیسا انسان ہے؟ جس دنیا میں انسان بڑھتے اور انسانیت گھٹتی جاتی ہو‘ وہاں اس سے زیادہ اہم پیمانہ اور ہو بھی کیا سکتا ہے! پھر اگر کسی کے دینی مرتبہ کا اندازہ لگانا ہو تو گفتار و کردار میں سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جتنا زیادہ گہرا اثر ہوگا‘ اتنا ہی اس کا مرتبہ بلند اور انسانیت دل نواز ہوگی۔ سنت نبوی کے اتباع میں مولانا مدنیؒ کی استقامت اور بہ حیثیت انسان‘ دردمندی خلق اور تواضع ان کی سیرت کی وہ امتیازی خصوصیت ہیں جن کو زمانہ آسانی سے بھلا نہ سکے گا۔ تاریخ میں وہ ایک اور حیثیت سے بھی اپنا بلند مقام رکھتے ہیں‘ ان کی ذات میں وہ خصوصیات جمع ہوگئی تھیں جو قدرت شاذ و نادر ہی کسی وجود میں جمع کرتی ہے ایک ایسے زمانے میں جب علم‘ علم سے بیگانہ ہوتا جاتا تھا‘ خانقاہیں رات کے آغوش میں تسبیح و مناجات میں مصروف تھیں‘ لیکن زمانہ پکار رہا تھا‘ نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیری۔ مولانا حسین احمد مدنیؒ نے وقت کی آواز کو سنا‘ سمجھا اور اس پر لبیک کہا۔ مدرسہ کو خانقاہ سے اور خانقاہ کو مدرسہ سے قریب لائے‘ ایک ہاتھ میں جام شریعت لیا دوسرے میں سندان عشق‘ چشتیہ سلسلے کے سوز و گداز اور نقشبندیہ سلسلے کی تہذیب و احتیاط دونوں کو اپنا رہبر بنایا‘ دیوبند کا علمی رشتہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے اور روحانی رشتہ خواجہ معین الدین چشتیؒ سے اس طرح استوار کیا کہ دینی زندگی میں نئی توانائی پیدا ہوگئی پھر جب آزادی وطن کے لئے قربانی دینے اور قید و بند کے مصائب برداشت کرنے کا وقت آیا تو ایسے سرفروشانہ انداز میں سرگرم عمل ہوئے کہ شاملی کے جہاد کی صدائے بازگشت دیوبند سے مالٹا تک گونج اٹھی۔ وہ ایک کڑی ہیں اس عظیم الشان تحریک کی جو بالاکوٹ سے سید احمد شہیدؒ کی قیادت میں اٹھی اور شاملی میں نیا پیکر اختیار کر کے یاغستان کے پہاڑوں اور مالٹا کے بیابانوں تک پہنچی۔ تاریخ میں ایسی

مثالیں بہت کم ملیں گی کہ ایک شخص بیک وقت روحانی زندگی اور سیاسی زندگی کے تقاضوں کو اس طرح پورا کر سکا ہو کہ جیسے مولانا مدنیؒ۔ اس کا راز صرف ایک تھا اور وہ یہ کہ ان کی ذات میں یہ دونوں زندگیاں ایک ہی مقصد کے تابع تھیں۔ ان کا عقیدہ تھا کہ رب کائنات سے جس نے اپنا رشتہ نہیں جوڑا وہ مقصد حیات سے بیگانہ رہا، جس نے غلامی کی زنجیروں کو نہیں توڑا اس نے اپنے احساس اور خودداری کی دنیا کو ویران کر دیا۔ عبادت انسان کی تخلیق کا مقصد ہے، اور آزادی زندگی اس کا پیدائشی حق، یہ دونوں ایک ہی نوع کی جہد وسعی کے دو رخ ہیں، ان میں تضاد نہیں۔ بلکہ مقصد کا اتحاد ہے، یہ دونوں انسان کو انسان بناتے ہیں اور اس کے پیکر خاکی میں وہ قوت بیدار کرتے ہیں جس کے بغیر وہ صحیح معنی میں خلیفۃ اللہ فی الارض کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ تلاش وجستجو کی نظر جب مولانا مدنیؒ کی زندگی کی گہرائیوں تک پہنچی ہے تو انسانیت، دل نوازی خلق، اور آفاقی فکر کی ایک دنیا آباد نظر آتی ہے جس کا آب ورنگ چشتی خانقاہوں کا فیضان ہے، حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ سے پوچھا گیا کہ بہترین طاعت کیا ہے؟ فرمایا:

''درماندگان را فریاد رسیدن وحاجت بیچارگان روا کردن وگرسنگان را سیر گردانیدن'' (سیر الاولیاء، ص ۴۶) پھر فرمایا: ''خدائے تعالیٰ اس کو عزیز رکھتا ہے جس میں دریا کی سی سخاوت، آفتاب کی سی شفقت اور زمین کی سی تواضع ہوتی ہے۔ (سیر الاولیاء، ص ۴۶)۔ یہ شان ربوبیت ہے کہ جب سورج افق پر نمودار ہوتا ہے تو محلوں اور جھونپڑیوں دونوں کو یکساں سورج کی گرمی اور روشنی پہنچاتا ہے دریا کی فیض بخشیاں اپنے، پرائے کا امتیاز نہیں کرتیں، وہ امیر وغریب، عاصی وعابد سب ہی کی تشنگی کو دور کرنے کے لئے بے چین رہتی ہیں زمین کا دامن ہر ذی روح کو پناہ دینے کے لئے کھلا رہتا ہے جب تک انسان عملاً ''الخلق عیال اللہ'' کا قائل نہ ہو جائے وہ اس زمین

پر اپنی خلافت کی ذمہ داری سے عہدہ برآ نہیں ہوسکتا۔ حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ اپنی مجلسوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ بیان فرمایا کرتے تھے کہ بغیر کسی کو کھانے میں شریک کئے کبھی کھانا نہ کھاتے تھے' بعض اوقات مہمان کی تلاش میں میلوں نکل جاتے' ایک دن ایک مشرک مہمان تھا اس کو شریک طعام کرنے میں ان کو کچھ تامل ہوا۔ وحی نازل ہوئی۔ ''ابراہیم! ہم اس شخص کو جان دے سکتے ہیں اور تو کھانا نہیں دے سکتا۔'' چشتیہ سلسلے کی یہ تعلیم مولانا مدنیؒ کی رگ و پے میں سرایت کرگئی تھی انہوں نے اسی کی روشنی میں اپنی فکر و نظر کی دنیا بسائی تھی۔ ایک مرتبہ مولانا محمد الیاسؒ نے ان سے کہا کہ مولانا مسلمانوں کے لئے دعا فرمائیے' فوراً فرمایا: کیا غیر مسلم مخلوق خدا نہیں؟ یہ مرکزی نقطہ تھا اس فکر کا جو چشتیہ سلسلے سے ان کو ملی تھی' ان کا عقیدہ تھا کہ خالق کائنات کی ربوبیت' انسان کو اعلی انسانی مقاصد کی چاکری میں مصروف دیکھنا چاہتی ہیں کیوں کہ آفاقی نقطۂ نظر کے بغیر زندگی کی اعلی قدریں بے جان رہتی ہیں' ان کے سماجی روابط کی بنیادیں' ان کی اجتماعی سیاسی جدوجہد کا پس منظر یہی تصور تھا' ان کا خیال تھا کہ جس طرح انسان کو زمین پانی اور سورج سے محروم نہیں کیا جاسکتا اسی طرح اس سے آزادی نہیں چھینی جاسکتی' وہ سیاست میں اقتدار کی تمنا میں داخل نہیں ہوئے تھے' بلکہ ایک انسانی فریضہ کی بجاآوری کا جذبہ اس میدان میں لے آیا تھا' ہندوستان میں صرف دو شخصیتیں ایسی ہیں جنہوں نے آزادی کے لئے سب کچھ قربان کردینے کے باوجود اس سے فائدہ نہیں اٹھایا جب آزادی کا خواب شرمندۂ تعبیر ہوا تو گاندھی جی فرقہ واریت کی آگ کو بجھانے میں لگ گئے۔ مولانا مدنیؒ نے روحانی اور اخلاقی قدروں کو بیدار کرنے میں اپنی بقیہ زندگی صرف کردی۔ مولانا مدنیؒ کے سیاسی افکار اور ان کی سیاسی جدوجہد کے بنیادی خطوط کا مطالعہ ان کے بیانات کی

روشنی میں کیا جا سکتا ہے' پہلا ۱۹۲۱ء کا وہ بیان ہے جو کراچی کی عدالت میں انہوں دیا تھا' دوسرا بیان وہ ہے جو اکیس سال بعد ۱۹۴۲ء میں مراد آباد کی عدالت میں ہوا تھا۔ ۱۹۲۱ء میں کراچی کے مقدمے میں انہوں نے مذہبی حیثیت سے اپنی جدوجہد کا جواز پیش کیا تھا اور جب ان کے جوش قربانی نے دارورسن کو اس طرح دعوت دی تھی کہ "اگر لارڈ ریڈنگ ہندوستان اس لئے بھیجے گئے ہیں کہ قرآن کو جلا دیں' حدیث شریف کو مٹا دیں اور کتب فقہ کو برباد کر دیں تو سب سے پہلے اسلام پر جان قربان کرنے والا میں ہوں۔" تو مولانا محمد علیؒ بے اختیار ان کے قدموں پر گر پڑے تھے۔ (کراچی کا تاریخی مقدمہ ج ۱ ص ۱۲۵)۔

کراچی جیل میں ان کے ہاتھ ہتھکڑیوں اور پیر بیڑیوں سے بوجھل تھے جوار کا پتلا دلیہ کھانے کو ملتا تھا' لیکن عزم و ہمت کا یہ عالم تھا کہ ایک مضبوط چٹان کی طرح اپنے مسلک پر قائم رہے اور سامراجی قوتوں کو متنبہ کیا کہ قوت سے جسموں کو پارہ پارہ کیا جا سکتا ہے لیکن دلوں کو زنجیریں نہیں پہنائی جا سکتیں۔ فرماتے ہیں:

"مادی قوت لپٹ مارنے والے شعلہ کو دبا سکتی ہے مگر دلوں میں سلگنے والی آگ کو نہیں بجھا سکتی۔" (ج ۲ ص ۱۲۹)

ان کے ذوق سرفروشی نے ہندوستان کے مسلمانوں کو قربانی اور عزیمت کا وہ سبق پڑھایا جس سے ملک کی آزادی کی تحریک ایک اور ہی منزل پر پہنچ گئی اور ایسا محسوس ہونے لگا کہ

شورش عندلیب نے روح چمن میں پھونک دی

اپریل ۱۹۴۲ء کے بیان میں انہوں نے مسئلہ کو دوسرے ہی انداز سے دیکھا

ہے یہاں آزادی کے لئے اقوام کی جدوجہد، ہندوستانیوں کی متحدہ کوشش کی ضرورت اور تاریخ سے ہندو مسلم اتحاد کی مثالیں پیش کی ہیں۔ اگر ان محرکات ذہنی کا تجزیہ کیا جائے تو جو مولانا مدنیؒ کو سیاسی میدان میں لے گئے تو اندازہ ہوگا کہ یہ وقتی جذبات واحساسات نہیں تھے بلکہ اس کے پیچھے ایسے عوامل کام کر رہے تھے جن کی جڑیں تاریخ میں بہت دور تک چلی گئی تھیں۔

(۱) سب سے پہلا اثر ان پر اپنے باپ کا تھا۔ وہ ایک انتہائی دینی سرشاری کی حالت میں یہ شعر پڑھتے ہوئے

بصارت تیز کرتی ہے حبیب اس کوچے کی مٹی
دل و جان خانہاں سب بیچ وہ سرمہ لگاتا ہے

ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلے گئے تھے۔ اور وہاں مہینوں تک ایک وقت کھچڑی اور ایک وقت نمکین بیچ پر ان کے پورے کنبے کا گزارا ہوتا تھا۔ (نقش حیات ج ا ص ۷۳)

انہوں نے ایک بار اپنی اولاد کو جمع کر کے فرمایا تھا:

"میں نے تم سبھوں کو اس لئے پرورش کیا ہے کہ تم اللہ کے راستے میں جہاد کرو اور کچھ کر کے شہادت حاصل کرو (نقش حیات ج ا ص ۴۳)

باپ کی یہ نصیحت مولانا مدنیؒ کے دل و دماغ میں اتر گئی ان کے دنت سرفروشی کی بنیاد باپ کی یہی وصیت تھی۔

(۲) دوسرا اثر تاریخ کے مطالعے کا تھا، اسکول میں ان کو تاریخ اور جغرافیہ سے خصوصی دلچسپی پیدا ہوگئی تھی، اس مطالعے نے ان کے اندر سیاسی شعور بیدار کیا، انہوں نے انگریز مؤرخین اور مصنفین کی کتابوں کے ترجمے بغور مطالعہ کئے تھے

برطانوی تسلط سے ملک کی فارغ البالی جس طرح تباہ ہوئی اور یہاں کے عوام معاشی بدحالی کا شکار ہو گئے اس کا پورا نقشہ ان کی تاریخ بصیرت نے کھینچ لیا تھا اور اس سلسلے کے بے اندازہ اعداد و شمار ان کے حافظہ میں محفوظ ہو گئے تھے' لکھتے ہیں۔ ''ہندوستان کی پرانی تاریخی عظمتوں اور جغرافیائی قدرتی ہمہ گیر برکتوں نے نہایت گہرا اثر کیا اور اہل ہند کی موجودہ بے کسیوں کا اثر روز افزوں ہوتا رہا۔''

اس نوع کے مطالعے کی افادیت کا ان کو اتنا احساس ہو گیا تھا کہ ۱۳۳۵-۳۶ھ میں انہوں نے ہفتے میں ایک دن (روز شنبہ) عصر سے مغرب تک تاریخ' اقتصادیات و سیاسیات پر لیکچر کے لئے مقرر کر دیا تھا' تا کہ طلبہ حالات گردو پیش سے نا آشنا نہ رہیں۔

تاریخ کا علم انہیں سیاست کے میدان میں لایا' مذہبی جذبے نے ان کے قدم مضبوط کئے اور مشائخ سلسلے کے روایات نے ان کے قلب و جگر کو گرمایا۔ ۱۹۵۰ء میں جب میں نے ''شاہ ولی اللہ دہلوی کے سیاسی مکتوبات'' کا ایک نسخہ ان کے خدمت میں بھیجا تو انہوں نے اپنے مکتوب گرامی میں بڑی مسرت کا اظہار کیا اور لکھا کہ شاہ ولی اللہ کے متعلق ان واقعات کا ہم کو علم نہ تھا'' میں نے محسوس کیا کہ ان کی خوشی کا باعث یقیناً یہ بھی جذبہ تھا کہ وہ جس مسند علم پر متمکن تھے۔ اس کے روایات کا مطالعہ وہی تھا جو وہ خود کر رہے تھے شاہ ولی اللہ کا عمل بڑی سے بڑی سند تھی جو ان کو مل سکتی تھی اپنی جہد و سعی کے جواز میں۔

(۳) سید احمد شہیدؒ کی تحریک نے جس طرح سارے ملک میں احیائے دینی کی روح بیدار کرنے کے ساتھ ساتھ وقت کے تقاضوں سے آشنا کیا تھا اور قومی جذبات کو یہ کہہ کر آواز دی تھی کہ ''تاجران متاع فروش'' اور ''بیگانگان بعید الوطن'' سے ملک کو آزاد کیا جائے اور ان کی جماعت جو ''اہل فقر و مسکنت'' پر مشتمل

ہے وہ۔ ''ہرگز ہرگز از دنیا داران جاہ نیستد'' مولانا مدنیؒ کی ذات میں تحریک کی یہ روح سما گئی تھی انہوں نے پورے مجاہدانہ عزم کے ساتھ سیاسی جنگ میں حصہ لیا' اور جب وہ مقصد حاصل ہوگیا تو عملاً ''از دنیا داران جاہ نیستد'' کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی مسند درس کی طرف لوٹ گئے' کہتے ہیں کہ جب مولانا سید احمد شہیدؒ دیوبند کے علاقہ سے گزرے تھے تو فرمایا تھا:

''یہاں سے علم کی بو آتی ہے۔'' (علمائے حق حصہ اول ص ۷۲)

مولانا سید احمد شہیدؒ کی تحریک نے مولانا مدنیؒ کے بزرگوں کے قلب و جگر کو بھی گرمایا تھا حاجی امداد اللہ مکیؒ کے پیر (شیخ نور محمد جھنجھانوی) کے پیر شاہ عبدالرحیم شہیدؒ سید احمد شہیدؒ کی جماعت مجاہدین کے اہم رکن تھے حاجی صاحبؒ کے مرشد اول مولانا سید نصیر الدین دہلویؒ کا بھی جماعت سے گہرا تعلق تھا' بالاکوٹ کی چنگاری سے شاملی کا شعلہ بھڑکا شاملی ہماری تحریک آزادی میں ایک منزل ہے جہاں ہمارے قافلے نے بظاہر شکست لیکن حقیقتاً فتح پائی تھی میاں جی نور محمد جھنجھانویؒ کے خلیفہ حافظ ضامن شہیدؒ نے یہاں خدمت دار و رسن انجام دی تھی۔ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سب سے انگریزی تسلط کے خلاف عملاً حصہ لیا تھا یہ سب روایات مولانا مدنیؒ کو نہ صرف عزیز تھیں بلکہ ان کی شخصیت کا جزو بن گئی تھیں۔

(۴) چوتھا اہم محرک جس نے مولانا مدنیؒ میں سیاسی جدوجہد کی ضرورت کا احساس بیدار کیا اور ان کے ذہنی افق میں وسعت پیدا کی وہ ممالک اسلامیہ' عرب' مصر اور شام وغیرہ کے حالات کا جائزہ تھا' خود لکھتے ہیں:

''میں نے دیکھا کہ یورپین ایشیاٹک افریقن آزاد اقوام کی طرح اپنی آزادی کے گیت گاتی ہے اور اس کے لئے ہر قربانی کو ضروری سمجھتی ہیں ان امور کے

مشاہدہ کی بنا مجھ میں وہ قومی جذبات پیدا ہونے ضروری تھے کہ جن کے ہوتے ہوئے میں ہندوستان کی محبت اور اسکی آزادی میں بیش از بیش سعی اور جدوجہد میں کوتاہی کو روا نہ رکھوں۔

(۵) پانچواں سبب ایک مہینہ مصر میں جیزہ کے سیاسی قید خانہ میں شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کے ساتھ قیام تھا' اس قید خانہ میں مصریوں کا آزادی پسند طبقہ مقید تھا' ان کی صحبت میں جذبہ آزادی کی پرورش کا سامان فراہم ہوگیا۔ (٦) چھٹا محرک مالٹا کی اسارت تھی' اس نے ان جذبات کو تیز تر کردیا جب مالٹا میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کررہے تھے تو وہاں بھی اتفاق سے یورپ اور ایشیا کے چوٹی کے سیاسی اور فوجی لوگ مقید تھے' ڈیڑھ ہزار جرمن' ڈیڑھ ہزار اسٹرین' بلگیرین' ترک' عرب وہاں تھے چار سال (۱۹۱٦ تا ۱۹۱۹ء) تک ان لوگوں سے صحبت رہی اور ان کے جذبات حریت میں ایک مستقل حرکت اور بے چینی پیدا ہوگئی۔ (۷) ساتواں سبب شیخ الہندؒ کی صحبت کا اثر تھا' خود مولانا مدنیؒ نے اپنی عملی اور سیاسی زندگی کا حقیقی سرچشمہ ان ہی کو قرار دیا ہے شیخ الہندؒ نے جب ملک کی آزادی کے لئے افغانستان میں اپنی خفیہ سیاسی سرگرمیوں کا مرکز بنایا اور ریشمی خطوط' غالب نامہ وغیرہ کے واقعات پیش آئے' اس وقت مولانا مدنیؒ نے انور پاشا اور جمال پاشا سے ملاقاتیں کیں اور تقریر بھی کی' ۱۹۲۰ء میں جب علی گڑھ کے طلبہ نے شیخ الہند سے ترک موالات کا فتویٰ حاصل کیا تھا تو انہوں نے فرمایا تھا۔ ''جو فرض شرعی قومی اور وطنی حیثیت سے کسی شخص پر عائد ہوتا ہے تو اس کے ادا کرنے میں ذرہ بھر تاخیر کرنا ایک خطرناک جرم ہے۔'' انہوں نے تعاون وموالات کو ''اعتقاداً'' وعملاً ترک کرنے اور سرکاری اسکولوں سے تعلق منقطع کرنے اور صرف ملکی اشیاء ومصنوعات کے استعمال کرنے کا مذہبی جواز پیش کیا تھا' شیخ

الہندؒ کی یہ آواز جب انگریزی تعلیم یافتہ طبقہ میں ایک آگ کی طرح پھیل گئی تھی تو ناممکن تھا کہ مولانا مدنیؒ کے لئے جہد وسعی کا ایک نیا میدان نہ پیدا کر دے۔

یہ تھے وہ محرکات جنہوں نے مولانا مدنیؒ میں سیاسی احساس بیدار کیا اور جذبات حریت کو بھڑکایا، جب ۱۹۰۲ء میں وہ مالٹا سے ہندوستان واپس آئے تو رولٹ ایکٹ اور جلیانوالہ باغ کے واقعات پیش آ چکے تھے، برطانوی سامراج نے اپنی پوری قوت جذبات آزادی کو کچلنے میں لگا دی تھی، تحریک خلافت اور ترک موالات میں مولانا مدنیؒ نے عزم وہمت کے ساتھ حصہ لیا، اور پکارا۔ ''تمام افراد کو اسی مطالبہ اور اسی مقصد پر ثابت قدم رہنا چاہیئے، خلافت آزاد ہو، جزیرہ عرب آزاد ہو، ہندوستان آزاد ہو، پنجاب کے مظالم کی تلافی ہو۔ مولانا مدنیؒ کا یہ محکم خیال تھا کہ آزادی کی جنگ ہندو مسلمان دونوں کو شانہ بشانہ لڑنی چاہیئے، شیخ الہند نے جمعیتہ العلماء کے اجلاس ۱۹۲۰ء منعقدہ دہلی کے خطبے میں فرمایا تھا: ''استخلاص وطن (ملکی آزادی) کے لئے برادران وطن (قومی بھائیوں) سے اشتراک عمل جائز ہے مگر اس طرح کہ مذہبی حقوق میں رخنہ واقع نہ ہو۔'' اسی پر مولانا مدنیؒ نے اپنی سیاسی زندگی کی بنیاد رکھی ۱۹۴۲ء میں مراد آباد کی عدالت میں بیان دیتے ہوئے انہوں نے فرمایا تھا: ''میرا عقیدہ یہ ہو گیا تھا کہ فرقہ واریت کی تنگ وادیوں سے نکل کر تمام ہندوستانی قوم اور جملہ باشندگان ہند کو آزاد ہونا ازبس ضروری ہے۔ میں نے بیرونی ممالک میں مشاہدہ کیا تھا کہ دوسرے ممالک میں ہندوستانی خواہ مسلمان ہوں یا ہندو یا سکھ یا پارسی وغیرہ ایک ہی نظر حقارت سے دیکھے جاتے ہیں اور سب کو نہایت ذلیل غلام کہا جاتا ہے۔'' اپنے اس سیاسی مسلک پر جو انہوں نے اپنی زندگی کے بہت ہی ابتدائی سالوں میں طے کر لیا تھا وہ آخر دم تک مضبوطی سے قائم رہے۔ مولانا مدنیؒ کی سیاسی جدوجہد، تحریک آزادی

میں ان قربانیوں، مالٹا، مصر، یاغستان میں ان کی مجاہدانہ سرگرمیوں کی پوری تفصیل اب تک سامنے نہیں آئی، ''نقش حیات'' میں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کی منکسرانہ فطرت اور اخفائے راز کے جذبے نے ان کا قلم روک لیا ہے اور اپنے کارناموں کی تفصیل بیان کرنے پر اپنی طبعیت کو آمادہ نہیں کر پائے، ضرورت ہے کہ اس موضوع پر مستقل تحقیق کے بعد ایسی تصنیف تیار کی جائے جس میں ان کی تقریروں کے علاوہ ان کے خطوط اور وہ نوٹس بھی شامل ہوں جو انہوں نے برطانوی عہد کی پیدا کی ہوئی اقتصادی بدحالی کے متعلق جمع کیے تھے، برطانوی اقتدار کے خلاف جذبات ابھارنے میں ان معلومات کا بڑا حصہ تھا۔ مولانا سید محمد میاں صاحب کے بیان کے مطابق انہوں نے اخبارات سے جو یادداشتیں جمع کی تھیں (ان کا) بیش بہا ذخیرہ ہزارہا صفحات کا اس وقت حضرت موصوف کے پاس موجود ہے'' (علمائے حق ص ۲۹۱) مدینہ منورہ میں قیام کے زمانے میں انہوں نے جس طرح لارنس (آف عربیہ) کی تحریک سے باشندگان دیار نبی کو محفوظ رکھا اس کی تفصیل بھی ان کی سیاسی جدوجہد کا ایک اہم حصہ ہے ان تمام کارناموں کو اب تفصیل کے ساتھ آنا چاہیئے۔

◆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد اللّٰہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نومن بہ ونتو کل علیہ و نعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئآت اعمالنامن یھدہ اللّٰہ فلامضل لہ ومن یضدللّٰہ فلاھادی لہ ونشھد ان سیّدنا و مولانا محمدً اعبدہ ورسُولہ صلی اللّٰہ علیہ وعلےٰ آلہ وصحبہ وسلّم

امابعدُ حسب ارشاد احباب واکابر مدت دراز سے قصد تھا کہ حضرت مولانا و مقتدانا وسلیتنا وذریعتنا فی الدارین حضرت خاتم المحدثین امام المفسرین مولانا محمود حسن صاحب شیخ الہند قدس اللہ سرہ العزیز کے احوال سفر حجاز ومصر و مالٹا وغیرہ قلم بند کروں لیکن بدقسمتی سے اس قدر گوناگوں موانع خلاف امید پیش آتے رہے جنکی وجہ سے اب تک یہ آرزو میدان ظہور پر جلوہ نما نہ ہوسکی۔ چونکہ جن بزرگوں نے مجھ کو اس کے تحریر کا حکم فرمایا تھا ان میں زیادہ برگزیدہ اور میرے لئے واجب الاطاعت اور جن کی تابعداری میرے لئے سعادت دارین ہے۔ میرے وسیلہ دنیا و آخرت میرے ہادی اور رہنما میرے ماوا و ملجا مجھ کو اللہ ورسول سے ملانے والے قطب العالم شمس العالمین امام الفقہا والمحدثین مرکز دائرہ الحقیقت منطقہ سموات الطریقت فخر الاکابر ملاذ الاصاغر مرشدی ومولائی مولانا رشید احمد صاحب قدس اللہ اسرارہ العلّیہ وامدنا لفیوضاتہ البہتیہ الانصاری الگنگوہی کی صاجزادی اور محترمی و معظمی جناب حافظ محمد یعقوب صاحب گنگوہی دام مجدہم کی والدہ ماجدہ دام مجدہا ہیں اسلیئے امتثالاً لدامر میں اس کو تحریر کرتا

ہوں اور ان کی خدمت اقدس میں نذر کر کے انکی دعوات صالحہ (نیک دعاؤں) کا امیدوار ہوتا ہے۔

مولانا مرحوم کے جملہ احوال وسوانح کا قلمبند کرنا ان اوراق میں نامنظور (ناکافی) ہے اور نہ ہی مجھ میں اتنی قابلیت اور واقفیت ہے۔ مجھ کو بے شک ایک عرصہ دراز اپنی عمر کا حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کرنیکا موقعہ ملا اور اسمیں حضرت کے گہربار (موتی برسانے والے بادل کے) فیض سے اپنی استعداد گنگ (گونگی طاقت) اور اپنی قسمت لنگ (لنگڑی نصیب) کے موافق کچھ نہ کچھ استفادہ ضرور رہا مگر نہ تو وہ مدت حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے احوال زندگی کو احاطہ (گھیراؤ) کرسکتی تھی اور نہ اپنی معلومات اس مدت کی قابل وقعت (باعزت) شمار ہوسکتی ہیں۔

میں ۱۳۰۹ھ ہجری کے ابتداء میں جبکہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی عمر بیالیس ۴۲ برس کی تھی۔ دیوبند حاضر ہوا۔ چونکہ میرا وہ زمانہ طفولیت (بچپن کا زمانہ) اور صغرسنی (کم عمری) کا تھا یعنی بارہواں یا تیرھواں سال تھا' کتابیں بھی بالکل ابتدائی پڑھتا تھا۔ عقل وفراست تو نہ جب تھی نہ اب ہے اسلئے مجامع اکابر (بزرگوں کے مجمع) میں حاضر ہونا اور ہر قسم کے احوال روحیہ وعلمیہ سے فیض یاب ہونا کوئی مناسبت نہ رکھتا تھا۔

اس میں شک نہیں کہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی نظر عنایت (جسکا انکار کرنا سراسر کفران نعمت (ناشکری) ہے) مجھ نالائق کے حال پر اس زمانہ میں بھی نہایت زیادہ متوجہ رہی اور اسی وجہ سے ابتدائی کتابیں صرف منطق ادب وغیرہ کی حضرتؒ سے پڑھنے کی نوبت آتی رہی حالانکہ بڑی کتابیں کے پڑھنے کے شائق (شوق) وقت تک نہیں پاتے تھے مگر مولانا مرحوم کے لطف وکرم نے اپنے ناچیز نام لیوا کو خارج از وقت مدرسہ کے بے بہا گوہر سے محروم نہ کرنے دیا۔ رفتہ رفتہ جب عقل

وشعور کچھ آیا اور ۱۳۱۶ھ میں کتابوں کے ختم کرنے کی نوبت آئی تو سفر حجاز پیش آیا اور بمعیت حضرت والد صاحب مرحوم وہاں مقیم ہونا پڑا جس کی وجہ سے مولانا مرحوم کی حضوری ایک گونہ محرومی رہی ۱۹۲۰ء میں جبکہ پہلے سفر ہند میں احقر حاضر ہوا تو اکثر مدت اقامت گنگوہ شریف اور مختلف سفروں میں گزری۔ حالانکہ اس سفر میں تقریباً سات ماہ ہندوستان میں قیام ہوا تھا اس لیے حضرت مولانا مرحوم کی خدمت فیض درجات سے اس مرتبہ بھی تقریباً محرومی ہی رہی۔ ۱۳۲۰ھ میں جب دوسری مرتبہ حاضر ہوا تو بیشک تقریباً تین برس خدمت اقدس میں حاضر رہا۔ اگرچہ حسب قول مشہور

تہید ستان قسمت راچہ سود از رہبر کامل
کہ خضر از آب حیواں تشنہ می آرد سکندر را

محرومی اور ناکامی نے اپنے کرشموں کے دکھانے میں کوئی کمی نہ کی۔ مادی افکار دنیاوی خیالات سفلی (کم) ہمتوں اخلاقی کمزوریوں نے کبھی بام ترقی اور استفادہ کمالات کی پرواز پر قدرت اور توجہ نہ کرنے دی۔

تیسرا سفر ۱۳۳۰ھ میں واقع ہوا جس میں فقط چند ماہ قیام ہوا مگر وہ بھی مختلف افکار و اسفار ہی کے نذر ہونے کی وجہ سے باعث محرومی رہا۔

الحاصل میں ہرگز اتنی علمیت اور واقفیت نہیں رکھتا کہ مولانا قدس اللہ سرہ العزیز کے جملہ احوال قلمبند کرسکوں ہاں اپنی کوتاہ نظر اور سرسری واقفیت کی حیثیت سے اس سفر حجاز اور اس کے بعض احوال کے متعلق کچھ ضرور عرض کروں گا۔

لیکن قبل از عرض اتنا ضرور پیشکش کرنا چاہتا ہوں کہ حسب مسلمہ اکابر ”قدر جوہر شاہ داند یا کہ داند جوہری“ (جوہر کی قدر بادشاہ جانتا ہے یا کہ جوہری جانتا ہے)

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے کمالات باطنیہ اور فواضل علمیہ (چھپے ہوئے کمالات اور علمی فضیلتوں) کی اطلاع حقیقۃً یا تو خود جناب باری عزّ اسمہ (پیدا کرنے والے خدا جس کا نام غالب ہے) اس کو ہو سکتی ہے یا ان اہل اللہ اور علماء فحول (اللہ والوں اور نامور جید علماء) کو جن کو خداوند کریم نے چشم تحقیق (تحقیق کی آنکھ) اور بصیرت کاملہ عطا فرمائی ہے ہم جیسے مادرزاد اندھے (پیدائشی اندھے) کیا پہچان سکتے ہیں۔

نیز یہ بھی جتلا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ مجھ کو سلیقہ عبارت آرائی اور مضامین کو نئی قالب (نئے سانچے) اور عام پسند طرز میں لانے کا نہیں، اگر بتکلف اس کو لانا بھی چاہوں تو چونکہ وہ نہ تو طبعی ہے نہ اس قدر مشق ہے کہ طبیعت ثانیہ کا حکم لے چکا ہو۔ اس لیے عاجز رہ جاتا ہوں۔ میرے معزز ناظرین مجھ کو ایسی ہفوات (کوتاہیوں) اور عبارت کی غلطیوں پر معاف فرمائیں۔

حسین احمد مہاجر مدنی

* * *

مولانا مرحوم کے مجمل اور مختصر احوال

جن حضرات نے مولانا مرحوم کو دیکھ ہوگا اور ان کی اخلاقی لائف پر نظر ڈالی ہوگی وہ بخوبی جانتے ہیں کہ مولانا کو قدرت کی فیاضیوں نے ایک ایسا دل دیا تھا جس کی وسعت سات سمندروں سے کہیں زیادہ تھی، اقالیم سبعہ اس کے ایک زاویہ میں بھی اپنا پتہ بتلا نہ سکتی تھیں۔

اس نے بحر امدادی (حاجی امداد اللہ مہاجر مکی) سے فیوضات حاصل کیے مگر ڈکار نہ لی، اس نے قاسمی نہریں پی ڈالیں مگر ہضم کر گیا، اس نے رشید گھٹاؤں اور دھواں دھار بادلوں کو چوس لیا مگر کبھی بے اختیار نہ ہوا۔ دعویٰ نہ کیا، سطحیات نہ سنائیں، استقامت سے نہ ہٹا، شریعت کو نہ چھوڑا، عشق میں گھل کر لکڑی ہو گیا مگر دم نہ مارا

در کفے جام شریعت در کفے سندان عشق

ہر ہوسنا کے نداند جام وسندان باختن

روحانیت کی بھینی بھینی باد صبا اس کے سویدا اور دماغ میں گونجتی ہوئی مخمور کرتی رہتی تھیں مگر وہ دائرہ تمکین (قدرت) سے باہر نہ ہوتا تھا، نسبت چشتیہ صابریہ کی روشن اور اغیار سوز بجلی (جلانے والی اجنبی بجلی) اس کے اطراف و جوانب اور اعضاء رئیسہ کو سوخت کرتی (تکلیف دیتی) رہتی تھی مگر مثل شمع سوزاں کبھی اُف نہ کرتا تھا، طریقت کے خوش آئند احوال اس پر متجلیٰ (ظاہر) ہوتے رہتے تھے۔ مگر کبھی آواز ادنیٰ لوگوں کو سننے نہ دیتا تھا۔

اس نے فقط باطنی فیوضات کے لیے ہر قسم کے ضبط سے کام نہیں لیا بلکہ علوم ظاہریہ میں بھی باوجود مجدد حدیث وفقہ وامام تفسیر وکلام وغیرہ ہونیکے کبھی اپنے آپ کو دفتر علماء میں شمار نہ ہونے دیا آپ کی کسی حالت اور کسی عملی کاروائی سے کوئی یہ نہیں سمجھ سکتا تھا کہ آپ کو عالم اور ہادی خلق یکتائے زمانہ شمار کرتا ہے اس نے جس فروتنی (انکساری) اور کسر نفسی (عاجزی) سے اپنی زندگانی گزاری ہے وہ اہل اللہ میں بھی خاص خاص لوگوں کو نصیب ہوتی ہے۔ ہم نے مولانا کے معاصرین (ہم زمانہ) اور اساتذہ کو دیکھا ہے بلکہ خود ان کے ان معاصرین کو جنہوں نے مولانا کے اکثر بلکہ جملہ اساتذہ اور مشائخ کو دیکھا تھا کہتے ہوئے سنا کہ فروتنی اور کسر نفسی میں تو مولانا اپنے زمانہ کے جملہ علماء تو درکنار (تمام علماء تو ایک طرف) اپنے جملہ اساتذہ سے بھی سبقت لے گئے پھر جبکہ کوئی فرد بشر اس کا انکار نہیں کرسکتا کہ مولانا مرحوم کی جملہ حرکات و سکنات للّٰہیت اور اخلاص پر مبنی تھیں، اغراض ونفسانیت (خودغرضی اور اپنی نفسانی خواہشات) کا ان میں نام ونشان بھی نہ تھا تو حسب قاعدہ نبویہ:۔

حدیث مبارکہ:

﴿من تواضع للّٰہ رفعه اللّٰه.﴾

جس نے اللہ کیلئے فروتنی اختیار کی اس کو اللہ تعالیٰ بلند کرے گا۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی کیسی اور کتنی علوشان (بلند مرتبہ) کا بارگاہ رب العزت میں پتہ چلتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جو کچھ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو حاصل ہوا وہ سب کچھ حضرت مولانا نانوتوی اور مولانا گنگوہی قدس اللہ اسرارہما کا فیض تھا مگر حسن قابلیت اور مبدأ فیاض کے کرم نے نہایت ہی عجیب عدیم النظیر شگوفہ (بے مثال

پھول) بنادیا تھا۔

﴿اللھم ارض عنه وارضه و امدنا بامداده﴾ (آمین)

ترجمہ: اے اللہ تو اس سے راضی ہو جا اور اس کو راضی رکھ اور ہماری مدد فرما اس کی مدد فرمانے کے ساتھ

اس قلب کو جس طرح خداوند کریم نے وسعت عطا فرمائی تھی۔ اسی طرح تحمل اور حوصلہ اس قدر عطا فرمایا تھا کہ واقف احوال دنگ رہ جاتا تھا لوگوں کے وہ عیوب واخلاق جن کو بڑا حلیم الطبع (بردباد طبیعت والا) دیکھ کر آپے سے باہر ہو جائے مولانا کی جبیں پر تغیر (ماتھے پر تبدیلی) بھی پیدا نہیں ہونے دیتے تھے۔ معصیت خداوندی (خدا کی نافرمانی) میں تو دوسری حالت تھی مگر غیر معصیت اور اصلاح خلق میں اور علی ہذا القیاس تکالیف و آزار کے برداشت کرنے میں تو وہ ایک نہایت بلند پہاڑ تھے کہ جن کو نہ زلزلہ ہلا سکتا تھا نہ بجلی گرا سکتی تھی۔

اسی تحمل اور قصد اصلاح (برداشت اور درستگی کے ارادہ) کی بنا پر بسا اوقات کوتاہ نظروں اور ضعیف الحوصلہ لوگوں کو مولانا مرحوم کی نسبت لفظ مداہنت (خلافت حقیقت الفاظ) وغیرہ کے کہہ دینے کی بھی نوبت آئی مگر جبکہ انجام اور مولانا کے دیگر احوال پر ان کی نظر پڑی تو دم بخود رہ گئے اور اپنی خطا پر مقر ہوئے۔

فطرت نے مولانا رحمتہ اللہ علیہ کے دل و دماغ کو ذہانت اور حفظ کا بھی وہ اعلی درجہ عنایت فرمایا تھا جس کی نظیر وہ اپنے آپ ہی تھے۔ جن لوگوں نے مولانا کے حلقہ درس میں کچھ زمانہ گزارا ہوگا پھر دوسرے علماء زمانہ کی تحقیقاتیں اور علمی قابلیتوں کی سیر کی ہوگی وہ بخوبی جانتے ہیں کہ یہاں پر بے شبہ یہ شعر صادق آتا ہے۔

ماشبه علماء البریته منکمو　الا کشبه الهر من اسد الشری

خداوند کریم کے کمالات کی جس طرح کوئی حد ونہایت نہیں اسی طرح اس کی فیاضیوں کی بھی کوئی حد ونہایت نہیں۔

ليس على الله بمستنكر ان يجمع العالم فى واحد

جب کبھی کسی نے شعر وسخن میں مولانا سے مذاکرہ کیا ہے تو اس قدر اردو فارسی عربی کے اشعار اس کو سننے پڑے ہیں کہ اس کو سوائے حیرانی اور کوئی چیز ہاتھ نہیں آتی ' پھر اس پر طرہ (انوکھی بات) یہ کہ قدرت نے موزونیت طبع (طبیعتوں کی مناسبت) وہ عطا فرمائی تھی کہ کھرے اور کھوٹے کو خوب پہچانتے اور اس میں تمیز کامل فرماتے تھے وہ اعلی درجے کے اشعار تالیف فرماتے تھے کہ طبقہ علماء تو درکنار حذاق شعراء (ماہر شعراء) بھی عش عش کر جاتے تھے۔

قدرت کی فیاضیوں میں سے ایک یہ بھی بڑی فیاضی تھی کہ مولانا کے قلب و دماغ میں اسلامی ہمدردی اور انسانی غیرت ' مذہبی حمیت ' قومی جذبات کوٹ کوٹ کر بھر دیے گئے تھے وہ فقط مدرسہ نشین یا خانقاہی بزرگ حضرات کی سی ہمت پر اکتفانہ کر سکتے تھے ' ان کی ہمت مردانہ ان کو چین نہ لینے دیتی تھی ان کو قومی جذبات ہر وقت بیقرار رکھتے تھے ' ان کی مذہبی حمیت (مذہبی غیرت) ان کیلئے تمام مصائب سہل (آسان) کر دیتی تھی ان کی انسانی غیرت اغیار سے جوڑتی اور نااہل اپنوں سے توڑتی رہتی تھی ان کی اسلامی اور وطنی ہمدردی ان کو کبھی اپنے سن و سال ضعیف العمری اور امراض مزمنہ (کمزور عمری اور قدیم مرضوں) کا خیال بھی نہ لانے دیتی تھی ان کو اس راہ میں نہ عزت کا خیال تھا نہ راحت کا نہ عزیز واقارب کی فکر تھی نہ مال و دولت کی۔

* * *

ابتدائی تحریک

بلقان کے خونخوار اور طرابلس کے سنگین واقعہ نے مولانا کے دل و دماغ پر نہایت عجیب مگر بے چین کنندہ اثر ڈالا چنانچہ اس وقت حسب طریقہ اُستاد اکبر مولانا محمد قاسم صاحب رحمتہ اللہ علیہ (در جنگ روس) مولانا نے پوری جان توڑ کوشش امداد اسلام میں فرمائی، فتوے چھپوائے، مدرسہ کو بند کرایا، طلبہ کے وفود بھجوائے، خود بھی ایک وفد کے ساتھ نکلے، چندے کیے اور ہر طرح سے مدد کی ترغیب دے کر ایک اچھی مقدار بھجوائی، مگر اس پر بھی چین نہ پڑا کیونکہ جنگ بلقان کے نتیجہ نے دُوربینوں کو بالکل غیر مطمئن کر دیا تھا کہ یورپ کے سفید عفاریت (سفید بھوت) اسلام کے ٹمٹماتے چراغ کو گل کرنے کی فکر میں ہیں۔ پھر ذمہ داران برطانیہ مسٹر اسکوتیہہ وغیرہ کی روبارہ بازیاں خرس رُوس کی جفاکاریاں تو یقین دلاتی تھیں کہ تقسیم ٹرکی اور اجراء وصایائے گلیڈن سٹون کا زمانہ سر پر آ ہی گیا ہے، جو مقاصد مسیحی دنیا کے زمانہ دراز سے چلے آتے تھے اور جن چالوں سے اسلامی دنیا اور خلافت مقدسہ کے بوٹی تکے کیے جا رہے تھے۔ اب ان کے انتہا کا زمانہ آ گیا ہے اب کوئی دن اسلامی وجود دنیا سے اسی طرح مٹا دیا جائے گا جس طرح یہودیت تمام عالم اور اسلامیت اسپین اور پرتگال سے۔ مولانا مرحوم کو اس فکر نے سخت بے چین کر دیا، زندگی بھاری ہوگئی نیند اوچٹ گئی مگر زمانہ کی تاریکیاں، موسم کی کالی کالی گھٹائیں، احوال کی نزاکتیں، مسلمانوں اور اہل ہند کی ناگفتہ بہ کمزوریاں ہر طرح اس میدان میں قدم رکھنے سے مانع ہوتی رہیں۔ چونکہ

اس مقدس ہستی کو فقط اپنے خدائے قدوس پر بھروسا تھا اس لیے اس نے تمام خیالات اور اوہام پر لاحول پڑھا اور مردانہ وار گامزن ہوا اس کو مشکلوں کا سامنا ہوا' اس کو سخت اور تند آندھیوں کا مقابلہ کرنا پڑا اس پر بادسموم (زہریلی ہوا) کے جھلسانے والے تھپیڑوں نے طمانچے مارے اس کے لیے احباب و اقارب مار آستین بن گئے ہر شخص ناصح بن کر سدراہ (خیر خواہ بن کر راستہ میں رکاوٹ) ہوا مگر اس کے استقلال کے مضبوط قدموں نے ذرا بھی جنبش (حرکت) نہ کی سب کو چھوڑ دیا مگر اپنے خدا پر بھروسہ کر کے دن رات کام میں لگا رہا' چونکہ کوشش کا نتیجہ کامیابی ضروری ہے اس کو کچھ عرصہ کے بعد معلوم ہو گیا کہ ابھی تک دنیا میں کام کرنے والے لوگ بھی موجود ہیں مگر کام لینے والے بہت کم ہیں' مسلمانوں میں قابلیت ہے مگر ان کو جمع کرنے والا نہیں۔

چونکہ میں اس زمانہ میں مدینہ منورہ میں تھا اس لیے تفصیلی احوال پبلک کے سامنے پیش کرنے سے عاجز ہوں مگر اتنا ضرور کہہ سکتا ہوں کہ اس نے ایسے تیرہ و تاریک زمانہ میں بہت سا کام کر ڈالا' میرے معزز ناظرین کہیں بے سوچے سمجھے یہ نہ کہہ بیٹھیں کہ کونسا ملک فتح کر لیا یا کون سی حکومت قائم کر لی یا کونسا کارنمایاں دکھلا دیا۔

میرے پیارے ناظرین یہ وہ زمانہ تھا کہ سیاست کی طرف آنکھ اٹھانا ۵۷ء کا سماں باندھتی تھی آزادی کا خواب بھی اگر کسی کو دکھائی دیتا تھا تو اس کا پتہ پانی ہو جاتا تھا' خودمختار حکومت کی خواہش زبان پر لانا برق جہاں سوز سے زیادہ تباہ کن شمار ہوتی تھی۔ برطانوی ہوّے نے عالم کے دل و دماغ پر اپنا کانسہ جما رکھا تھا' اگر میں یہ کہوں کہ لوگوں کے دلوں پر جس قدر موجودہ حکومت کا خوف تھا اس قدر بلکہ اس کا عشر عشیر بھی خدائے قہار کا اثر نہ تھا جیسا کہ اب بھی بہت سی ہستیاں اسی خیال میں ہیں تو غالباً میں

دروغ گوشمار نہ کیا جاؤں گا' ایسے نازک وقت میں ایک شخص کا بھی ہم خیال بنالینا بڑی کامیابی ہے۔

حضرت بابنیاد کا پڑ جانا ہی سخت مشکل کام ہے پھر تو مکان کی تعمیر کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ الحال مولانا نے اسی تھوڑی سی مدت میں بہت کچھ کامیابی حاصل کر لی اور کام کرنے والوں کے لیے جن کو مدت سے تحیر (حیرانگی) اور مدہوشی تھی مگر طریق کار ہاتھ نہ آتا تھا شاہراہ عمل قائم کر دی' اصحاب دل اور ارباب درد خوشی خوشی مولانا کے ہمراز ہو گئے اور علاوہ اس کے اور بھی بہت سے کام ہوگے جن کو ان مختصر اوراق میں لانا مشکل بلکہ غیر ممکن ہے۔ اسی اثناء میں فلک نے نیا گل کھلایا اور جنگ عمومی کی تیرہ و تاریک بنیاد پڑ گئی سارے عالم میں خون کے فوارے پھوٹ پڑے' بستیاں کی بستیاں برباد ہونے لگیں' برو بحر (خشکی و تری) میں فتنہ وفساد پھیل گیا مظلوم و بیمار ٹرکی پر بھی جور و جفا کی آندھیوں نے اندھیرا پھیلایا' ابھی تک اس نے بلقان کے تباہ کرنیوالے صدموں سے سنبھالا نہ لیا تھا کہ ایک خونخوار بلا ناگاہ اس کے سر پر آ دھمکی دشمن جو کہ مدتوں سے تقسیم ٹرکی کی فکر میں تھے موقع مناسب دیکھ کر وقت کو غنیمت سمجھنے لگے۔ عراق میں مدتوں کی سازشیں' سوریہ میں سالہا سال کی ریشہ دوانیاں حجاز میں برسوں کی خفیہ کوششیں' آرمینیہ میں قرنوں کی ظاہر اور پوشیدہ کارروائیاں' پیٹر اعظم کی قدیم وصیتیں فرانس اور گلیڈ سٹون کی قلبی خواہشیں پھول اور پھل لانے کے لیے تیار ہو گئیں۔ اس ایک زبان اسلام پر بتیس ۳۲ مسیحی دانتوں نے خوب زور آزمائی کی۔ ہر ایک نے طرح طرح کی دھمکیوں اور قسم قسم کی قوتوں سے اسکو دبانا شروع کیا اس کے بنے بنائے مکمل وہ دوڈریڈنات جن کو اس نے اپنے خون سے بنوایا تھا اپنی قوم پر فاقے گوارا کر کے جیبوں سے کروڑہا پونڈ نکلوا کر تیار کرائے تھے۔ برطانیہ نے عمداً (جان بوجھ کر) چھین

لیے ہر ہر محاذ پر قوت جنگی جمع کر دی گئی۔ الحاصل ایسے گوناگوں معاملات کیے گئے جن کی وجہ سے مجبوراً خلافت کو بھی ایک ایسے فریق کا ساتھ دینا پڑا جس کا ضرر (نقصان) گزشتہ زمانہ میں عالم اسلام پر بہ نسبت فریق ثانی نہایت ہی کم تھا اور جس سے بہت زیادہ اُمید کی جاسکتی تھی کہ وہ استقبال میں عالم اسلام کے لیے مفید اور ان کی آزادی کا ہمدرد ہوگا۔

◆

مولانا مرحوم کی حالت ابتداء جنگ میں

اور گورنمنٹ کی بدظنی کی وجہ

اس حالت نے مولانا مرحومؒ کے قلب حزین (غمزدہ دل) پر نہایت زہریلا اثر ڈالا ان کو ناانصافیوں نے بیحد بے چین کر دیا۔ ہر وقت اس جنگ کی فکر لگی رہتی تھی چونکہ عالم اسلامی کی حامی فقط ایک خلافت ٹرکی باقی رہ گئی تھی اس لیے جملہ اہل ایمان کو اسی سے لگاؤ اور تعلق تھا اسی لیے قلباً اور قالباً اسی کی طرف آنکھیں لگی ہوئی تھیں۔ اگر اس جنگ کے زمانہ میں بھی مثل بلقان ہلال احمر وغیرہ کے چندوں کی اجازت ہو جاتی تو غالباً مسلمانوں کے جوش دینی کی کسی قدر صورت ظاہر ہو جاتی مگر اس زمانہ میں تو یہ امداد بھی جو کہ محض انسانی امداد تھی جنگ سے اس کو کوئی علاقہ نہ تھا جرم خیال کیا جانے لگا، خلافت کی ہمدردی گناہ شمار ہونے لگی، یہاں تک کہ بعض مقامات میں خلافت کے لیے دُعا کرنا بھی جرم شمار کیا گیا، ہر ہر ضلع میں معزز لوگ جمع کیے گئے اور خلافت اسلامیہ کے تعلقات کو پوچھا گیا۔ عموماً ایمان فروشوں نے ٹرکی سے اپنی بے تعلقی اور برطانیہ سے ہر طرح ہمدردی کا اظہار کیا، بہت سے علماء سوء نے خلافت ٹرکی کے متعلق فتاویٰ میں زہر اُگلنا شروع کر دیا بہتوں نے خوف زدہ ہو کر سکوت یا ذو وجہین (خاموشی یا منافقانہ پالیسی) بیان کو ترجیح دیا۔ عام پبلک نے ہر طرح خلاف اسلام داد دی پھر جبکہ گورنمنٹ نے عام اعلان شائع کر دیا کہ یہ جنگ ٹرکی سے سیاسی ہے مذہبی نہیں تب تو کھلے ہاتھوں منافقین کو میدان میں کھیلنے کا موقع ہاتھ آ گیا، ان واقعات

نے اہل دل کے جوش اور غیرت کو بے حد بھڑکا دیا چونکہ مولانا کی غیرت دینی بیحد تھی ان احوال کو دیکھ کر اپنے آپے میں نہیں رہ سکتے تھے اس لیے بسا اوقات بعض کلمات مخالف مصلحت اور مغایر سیاست جوش مذہبی میں نکل جاتے تھے جن کی وجہ سے گورنمنٹ کے ہواخواہوں‘ دشمنان اسلام‘ خواہشات نفسانی کے بندوں کو گورنمنٹ کے کان بھر دینے کا اچھا موقع ہاتھ آ گیا۔ وہ دشمنان مولانا مرحوم جن کو مدتوں سے آرزو تھی کہ وقت ہاتھ آئے کہ مولانا کی تذلیل وتوہین کا سامان ہو ان کی آرزو پوری ہوگئی (دنیا میں کوئی کتنا ہی صلح جو کیوں نہ ہو دشمن اور دوست سے خالی نہیں رہ سکتا خصوصاً وہ ہستی جو کہ مرجع انام (لوگوں کی جائے پناہ) ہو جاتی ہے اس کے دشمن بھی ضرور بہت ہوتے ہیں) ادھر وہ فتاوی جو درباره عدم استحقاق خلافت ٹرکی تھے دو مرتبہ پیش کیے گئے دونوں مرتبہ مولانا نے رد کر دیے اور جن لوگوں نے اس پر لکھا تھا سخت کلمات استعمال کیے مجمع عام میں ان کو پھینک دیا۔ چونکہ یہ فتوے باشارہ یا بامر گورنمنٹ تھے اس لیے ان کی وجہ سے گورنمنٹ کو اور بھی بدظنی کا موقع ہاتھ لگا (چنانچہ مولانا سے ان فتووں کی نسبت مصر میں سوال کیا گیا۔ مولوی عبدالحق حقانی وغیرہ ان فتووں کے محرر اور موجد تھے۔ سرحد افغانستان میں بھی ان ایام میں واقعات پیش آئے اور گورنمنٹ کا جانی اور مالی نقصان ہوا‘ چونکہ عام طور پر قبائل میں اس قسم کی تحریکات وہاں کے مولویوں کے ذریعہ سے ہوا کرتی ہیں اور اکثر مولوی یاغستان‘ یا افغانستان وغیرہ کے مولانا مرحوم کے شاگرد یا ان کے معتقد ہیں اس لیے دشمنوں کو گورنمنٹ کے کان بھر دینے کا اور بھی زیادہ موقع ہاتھ آیا اور یہ سمجھایا گیا کہ جو تحریکات جہاد قبائل یاغستان میں ہو رہی ہیں وہ سب مولانا کے اشارہ سے ہیں‘ اس موقع پر بدخواہوں نے مولانا مرحوم کے جوش زمانہ جنگ بلقان وطرابلس نے بھی گورنمنٹ کے بدظن کرنے

میں نفع اٹھایا۔ خلاصہ کلام یہ کہ ادھر تو جنگ کے واقعات مولانا مرحوم پر اثر ڈال رہے تھے ادھر گورنمنٹ کو بدظنی بڑھتی جاتی تھی، دشمنوں کو بھی برابر موقع ہاتھ آ رہا تھا، آخر نوبت بانیجا رسید (نوبت اس جگہ پہنچی) کہ گورنمنٹ کو بہت زیادہ بدگمانی مولانا سے ہوگئی، بعض باخبر احباب نے مولانا کو عرض کیا کہ ان دنوں زیر قانون تحفظ ہند گورنمنٹ لوگوں کے اسیر (قید) کر رہی ہے۔ چنانچہ مولوی ظفر علی خاں صاحب اڈیٹر اخبار زمیندار مولانا محمد علی صاحب اڈیٹر کامریڈ اور ان کے بھائی مولوی شوکت علی صاحب وغیرہ نظر بند ہو چکے ہیں آپ کی نسبت بھی یہی فکر ہے اس لیے مناسب ہے کہ اس زمانہ فتنہ میں جبکہ کوئی تحقیق واقعی طور پر نہیں ہوتی آپ اپنی حفاظت کا کوئی سامان کریں۔ مولانا مرحوم کا قصد عرصہ سے حجاز کا تھا اس لیے مناسب معلوم ہوا کہ ان دنوں حجاز کا سفر کیا جاوے اور کم از کم مدت جنگ عمومی میں وہیں امن وامان کے ساتھ یاد الٰہی میں مشغولیت رہے یہ آخری زمانہ عمر کا ایسے مسعود مبارک (نیک بخت) سرزمین میں صرف ہونا (گزارنا) نہایت افضل اور انسب (بہتر اور مناسب) ہوگا اس لیے وہاں کی تیاری شروع کر دی جو کہ یکبارگی وقوع میں آئی۔

مولانا مرحوم کا حجاز کو روانہ ہونا

ماہ شوال ۱۳۳۳ھ میں قصد فرمایا چونکہ مولوی عزیز گل صاحب خادم خاص کو اپنے وطن کی طرف جانا اور اپنے اکابر سے ملنا اور اجازت چاہنا ضروری تھا اس لیے ان کی واپسی کا انتظار فرمایا اس مدت میں سامان سفر قدرے مہیا ہوگیا۔ عالی جناب حکیم عبدالرزاق صاحب غازی پوری برادر بزرگ جناب ڈاکٹر انصاری نے اس سفر میں نہایت زیادہ مدد دی جس کے حضرت مولانا مرحوم ہمیشہ ممنون منت (احسان مند)

ہے' حکیم صاحب موصوف مولانا سے پہلے بمبئی پہنچ گئے اور ہر قسم کا ضروری سامان سفر نہایت فراخدلی کے ساتھ مہیا دیا بلکہ جائے قیام اور ٹکٹ وغیرہ کا بھی انتظام کافی طور پر کردیا۔

مولانا کے رفقاء سفر:

مولانا کی روانگی ایک معمولی شخص کی روانگی نہ تھی بہت سے ارباب عقیدت استفاضہ (فیض حاصل کرنے) یا خدمت کے لیے ساتھ ہو لیے جن میں سے خاص خاص حضرات حسب ذیل ہیں۔ مولانا مرتضیٰ حسن صاحب چاند پوری۔ مولانا سہول صاحب بھاگپوری۔ مولوی محمد میاں صاحب انبیہٹوی۔ مولوی عزیز گل صاحب ساکن زیارت کاکا صاحب۔ حاجی خان محمد صاحب مرحوم مولوی مطلوب الرحمٰن صاحب دیوبندی۔ حاجی محبوب خان صاحب سہارنپوری حاجی عبدالکریم صاحب سرونجی۔ وحید احمد وغیرہ۔

مولانا کے سفر کی نسبت افواہ:

عام لوگوں میں مشہور ہو گیا کہ مولانا دیوبند سے ہجرت کر کے جا رہے ہیں اور اب ہمیشہ حرمین شریفین میں عمر بسر فرمائیں گے اور چونکہ مولانا مرحوم نے بخوف وفات اپنی جائداد شرعی طریقہ پر ورثہ میں تقسیم کر دی تھی اسلیے اور بھی لوگوں کو اس خیال میں تقویت ہوئی۔ مولانا نے ایک عرصہ تک کیلئے اپنے گھر کے مصاریف (اخراجات) کا بھی انتظام کر دیا تھا اس خاص افواہ کی وجہ سے ہر اسٹیشن پر لوگوں کا بہت بڑا مجمع زیارت کے لیے موجود رہتا تھا۔ طلباء مدرسہ نے اپنے اپنے اعزہ (عزیزوں) کو تاریخ روانگی سے تار کے ذریعہ سے مطلع کر دیا تھا' غرضیکہ ہر اسٹیشن پر ہزاروں کا مجمع ہوتا تھا

جس کی وجہ سے مصافحہ کرنا بھی سخت دشوار تھا، تشیع (اشاعت) کرنے والے بھی بہت سے ساتھ ہو گئے تھے۔ دہلی میں مولانا مرحوم نے گاڑی میں قدرے تاخیر ہونے کی وجہ سے ڈاکٹر صاحب انصاری کی کوٹھی پر جا کر چائے بھی نوش فرمائی اور بہت تھوڑی دیر قیام فرما کر گاڑی کے وقت اسٹیشن پر آ گئے۔ ناگدہ ریلوے سے روانہ ہوئے، راستہ میں رتلام راندیر میں بھی قدرے قیام فرمایا کیونکہ ان مقامات پر حضرت رحمتہ اللہ علیہ کے خاص خاص لوگ تھے۔ جنہوں نے سخت اصرار فرمایا تھا۔ راندیر سے روانہ ہو کر بمبئی پہنچے اور انجمن محافظ حجاج کے آفس میں جس کو حکیم عبدالرزاق صاحب نے پہلے سے آراستہ کر رکھا تھا قیام فرمایا وہاں پر بھی مولانا کے زائرین کا ایک بڑا مجمع رہتا تھا اگر انجمن کے کارکن انتظام کافی نہ کرتے تو غالباً مولانا کو آرام کی صُورت ممکن ہی نہ ہوتی۔

بمبئی سے مولانا کی روانگی:

وہ تاریخیں اکبر جہاز کی روانگی کی تھیں اسی کے ٹکٹ مولانا مرحوم اور ان کے ساتھیوں کے لیے گئے تھے، مولانا اور ان کے خاص بعض خدام کے ٹکٹ سیکنڈ کلاس کمرہ کے تھے باقی ماندہ کے چھتری یا تتق کے تھے۔ چنانچہ بروز شنبہ ۷ ذی القعدہ ۱۳۳۳ھ کو جہاز پر سوار ہو کر جدہ کو روانہ ہو گئے چونکہ اکثر ہمراہیوں کی طبیعت دریائی سفر سے مانوس نہ تھی۔ اس لیے عموماً ان کو بدمزگی اور چکر وغیرہ کی شکایت پیش آئی جس کی وجہ سے میوہ جات اور عمدہ غذائیں اپنے موقع پر صرف (خرچ) نہ ہوئی جن کی بڑی مقدار حکیم صاحب مولانا اور ان کے رفقاء کے لیے مہیا کی تھی بلکہ بہت سی چیزیں ضائع ہوئیں بوجہ ظہور جنگ ان دنوں قرنطینہ جزیرہ کامران سے اٹھا لیا گیا تھا اور قریب جدہ کے مقام سعد میں ہوتا تھا چنانچہ جہاز نے وہاں لنگر ڈالا اور بخیر وخوبی مولانا مع رفقاء

کے اترے اور ایام قرنطینہ نہایت عافیت سے انجام دے کر جدہ پہنچے۔

خفیہ پولیس کی افواہ:

بمبئی میں سوار ہوتے وقت بعض لوگوں نے مولانا کے رفقاء سے یہ کہا کہ تقریباً آٹھ دس آدمی تمہارے ساتھ خفیہ پولیس کے ہیں ان سے احتیاط رکھنا (ہم نہیں کہہ سکتے کہ یہ بیان صحیح تھا یا غلط) چونکہ یہ بات اہل جہاز کو معلوم ہو چکی تھی۔ کسی شخص نے جو کہ غالباً جدہ یا مکہ معظمہ کا رہنے والا تھا اس کو ٹرکی پولیس تک پہنچا دیا اور جو لوگ مشتبہ تھے ان کے نام ونشاں بتادئے اور کہہ دیا کہ یہ لوگ مولانا پر مسلط ہو کر آئے ہیں حالانکہ اس قسم کا خیال نہ مولانا کو تھا اور نہ ان کے رفقاء کو۔ ٹرکی پولیس نے فوراً ان لوگوں کو گرفتار کر لیا اور مولانا مرحوم کی خدمت میں پولیس کا افسر تصدیق کرانے کے لیے حاضر ہوا۔ مولانا خود تو آفس میں نہ گئے مگر مولانا مرتضیٰ حسن صاحب وغیرہ کو بھیج دیا، چونکہ واقعی طور پر کوئی یقینی بات تھی ہی نہیں۔ اس لیے مولانا صاحب موصوف نے یہی بیان دیا کہ ہم کو کوئی یقین ان لوگوں کے سی، آئی ڈی ہونے یا مولانا پر مسلط کئے جانے کا نہیں ہے۔ ہم کوئی شہادت ایسی نہیں دے سکتے جس کا ہم کو علم نہیں مگر پولیس ٹرکی نے اس بات کو اس پر حمل کیا کہ چونکہ ان لوگوں کو پھر ہندوستان جانا ہے اس لیے صریح طور پر اپنی معلومات کو ظاہر نہیں کر سکتے۔ الحاصل ٹرکی پولیس نے ان لوگوں کو زیر حراست رکھا اور اسی طرح ان کو حج کرا کر یہ کہا کہ اگر تم اپنے محافظ سپاہیوں کا خرچ دو تو تم کو مدینہ منورہ کی زیارت کی اجازت مل سکتی ہے ورنہ تم کو ہندوستان واپس ہونا پڑے گا، چونکہ ان لوگوں کے پاس اس قدر خرچ نہ تھا اس لیے وہ بمبئی واپس کر دیے گئے۔

دوسری افواہ:

بعض خفیہ کے افسروں کا بیان ہے کہ جب مولانا مرحوم بمبئی پہنچے تو وہاں کے افسر پولیس کے پاس تار آیا کہ مولانا کو بمبئی میں گرفتار کرلیا جائے اور آگے جانے نہ دیا جائے مگر چونکہ مولانا کے پاس بہت بڑا مجمع رہتا تھا اس لیے بمبئی کے مقامی حکام کو بلوہ کا خوف ہوا اور اس وجہ سے انہوں نے عمل درآمد سے پہلو تہی کی۔ پھر دوسرا حکم روانگی کے بعد جہاز کے کپتان کے پاس پہنچا کہ مولانا کو جدہ میں اُترنے نہ دیا جائے بلکہ جہاز ہیں گرفتار کرلیا جائے مگر یہ حکم اس کے پاس اس وقت پہنچا جبکہ مولانا جزیرہ سعد میں برائے قرنطیہ اتر چکے تھے اس لیے اس میں معذوری رہی (ہم نہیں کہہ سکتے کہ یہ دونوں بیان کہاں تک صحیح ہیں) مگر ہم کو معتبر ذرائع سے معلوم ہوئے۔

مولانا مرحوم کی جدہ سے روانگی اور مکہ معظّمہ میں داخلہ

۲۷ ذیقعدہ ۱۳۳۳ھ کو مولانا رحمۃ اللہ علیہ اونٹوں کی سواری پر مکہ معظّمہ کو روانہ ہوئے اور اٹھائیسویں کو مکہ معظّمہ میں شب بحرہ گزار کر شام کو داخل ہوئے۔ وہ زمانہ طبعی طور پر حجاج کے ہجوم کا ہوتا ہے مگر چونکہ جنگ کی وجہ سے بہت ملکوں سے حجاج کی آمدرفت بند یا کمی پر تھی اس وجہ سے حسب دستور ہجوم میں کمی ضرور تھی مگر تاہم مکہ معظّمہ کی گلیاں اور مکانات مسافرین سے لبریز تھے۔ حرم محترم میں بھی لوگوں کی کثرت تھی۔ مولانا مرحوم طواف قدوم وسعی وغیرہ ادا کرنے کے بعد احباب سے ملنے اور اداء عبادات میں بدل وجان مشغول ہوئے۔

مولانا مرحوم کے مطوف:

مولانا مرحوم نے حسب مشورہ مولانا مرتضیٰ صاحب و دیگر حضرات سید امین

عاصم صاحب کو مطوف بنایا تھا سید صاحب موصوف حقیقت میں ایک نہایت شریف الطبع خوش خلق آدمی ہیں۔ ہر شخص کے ساتھ معاملہ اس کی حیثیت اور قابلیت کے مطابق کرتے ہیں حجاج کو عموماً ان کی ذات سے راحت پہنچتی رہی اور چونکہ خود بھی صاحب علم ہیں اداء مناسک (حج کے ارکان ادا کرنے) میں حتیٰ الوسع احکام شرعیہ کا لحاظ رکھتے ہیں۔ عام مطوفوں (طواف کرانے والوں) کی طرح ان کے معاملات پیچیدہ نہیں۔ سید صاحب موصوف میں مروت بہت زیادہ ہے۔ شریف سابق یعنی شریف علی کے زمانہ میں انکو نہایت وسعت اور دولت حاصل تھی۔ زمانہ کے انقلابات نے ان پر اس زمانہ میں بہت زیادہ گرانباری (مفلسی) کر دی ہے جس کی وجہ سے مقروض رہتے ہیں اور اسی وجہ سے سال گذشتہ میں مجبور ہو کر ہندوستان آئے تھے اس میں شک نہیں کہ سید صاحب ممدوح نے مولانا اور ان کے رفقاء کے ساتھ نہایت آدمیت اور شرافت کا معاملہ رکھا۔ ہم جملہ متوسلین مولانا مرحوم کے ان کے خاص طور سے شکر گزار ہیں۔

سید صاحب موصوف نے سفر حج کا حسب عادت انتظام کیا اور آٹھویں کو قافلہ روانہ ہو کر شب کو منیٰ میں اور صبح کو عرفات میں پہنچا اور پھر تمام مناسک بفضلہ تعالیٰ نہایت کمال کے ساتھ ادا کیے گئے۔

جناب مولانا خلیل احمد صاحب کا سفر

اسی سال جناب مولانا خلیل احمد صاحب نے بھی سفر حجاز کا قصد فرمایا تھا اور مولانا موصوف کا ضرور یہ خیال تھا کہ اگر ممکن ہوا تو ایک مدت دراز تک سرزمین حجاز خصوصاً طیبہ مبارکہ سے استفادہ حاصل کریں اور اشغال باطنیہ اور فیوضات ظاہریہ

سے خلق اللہ کی ہدایت میں حسب استطاعت (اپنی طاقت کے مطابق) دلچسپی لیں لیکن چونکہ یہ خیال مولانا صاحب کا مدت سے پختہ ہو کر تعیین تاریخ وغیرہ تک کرا چکا تھا اور اس وقت تک مولانا شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا قصد مصمم (پختہ ارادہ) نہ کیا تھا اس لیے سفر میں رفاقت نہ ہو سکی بلکہ مولانا خلیل احمد صاحب کچھ عرصہ پہلے ہندوستان سے روانہ ہو کر مکہ معظمہ پہنچ چکے تھے ان کے ساتھ کوئی مجمع کثیر بھی نہ تھا فقط ان کی اہلیہ صاحبہ اور حاجی مقبول احمد صاحب اور بعض حضرات دیگر ہمراہ تھے چونکہ مطوف (طواف کرانے والا) مولانا موصوف کا سید مرتضیٰ تھا اس لیے حج میں بھی دونوں حضرات کی رفاقت نہ ہو سکی کیونکہ ہر اک کے شتربان مغائر (اونٹ چلانے والے جدا جدا) تھے اور وہ سب علیحدہ علیحدہ رہتے تھے، مدینہ منورہ کے سفر میں بھی اگر چہ قافلہ ایک ہی تھا مگر اتحاد کلی نہ ہو سکا شتربان دُور دُور رہتے تھے۔

مکہ معظمہ سے روانگی مدینہ منورہ کو:

تیرھویں تاریخ کی شام کو حسب عادت منیٰ سے واپس ہوئے، اب مدینہ منورہ کی روانگی کی فکریں شروع ہوئیں انہی ایام میں حاجی خان محمد مرحوم نے ملک عدم کا قصد فرما دیا اونٹوں کے کرایہ، شغادف کی درستگی، سامان سفر کی فراہمی، تبریز وغیرہ میں سات آٹھ دن لگ گئے۔ الحاصل ۲۱ ذی الحجہ بروز دوشنبہ ۱۳۳۳ھ کو قافلہ مدینہ منورہ کو روانہ ہوا، سید امین عاصم صاحب نے اپنے شتربانوں کے سردار کو مولانا مرحوم اور ان کے رفقاء کیلئے منتخب کیا اور اس کو مولانا کی راحت رسانی کی بہت زیادہ تاکید فرمائی۔ اس میں شک نہیں کہ اس نے تمام راستہ میں بہت ہی زیادہ آدمیت اور شرافت سے کام لیا، نماز ہمیشہ مولانا مرحوم اور ان کی جماعت اُتر کر با جماعت ادا فرماتے تھے۔ یہ شتربان یا تو اس وقت تک اونٹوں کو روکے رکھتا تھا یا قافلہ چلنے دیتا اور خود مع دو ایک

آدمی کے بندوق لیے ہوئے حفاظت کرتا تھا یہاں تک کہ نماز سے فراغت ہو جاتی اور پھر سب اپنے اپنے اونٹوں پر سوار ہو جاتے۔

راستہ کا انتظام:

موجودہ رفقاء میں سے مولوی مطلوب الرحمٰن صاحب تو مکہ معظمہ ہی سے ہندوستان واپس ہو گئے تھے کیونکہ ان کی ملازمت سرکاری تھی اور رخصت اس قدر نہ تھی کہ وہ مدینہ منورہ سے لوٹ کر موقع ملازمت پر وقت سے پہلے پہنچ سکیں اور شاید خرچ میں بھی کچھ کمی تھی باقی ماندہ حضرات سب ساتھ تھے مولانا مرحوم نے حسن انتظام کے لیے ابتدائی ہی سے مولانا مرتضیٰ حسن صاحب کو امیر قافلہ بنا دیا تھا کیونکہ مولوی صاحب موصوف کو انتظام سے خاص دلچسپی ہے اور منجملہ دیگر کمالات کے اس میں بھی ان کو خاص کمال ہے۔ مولوی صاحب موصوف نے ہر قسم کا انتظام اپنے ہاتھ میں رکھا تھا اور جملہ خدمات تو نوبت بنوبت انجام پائی تھیں چونکہ تمام رفقاء اہل علم اور ایک مذاق کے تھے اس لیے نہایت خوش اسلوبی سے یہ سفر فرحت و سرور کے ساتھ طے ہوا۔

مولانا پر ایک اتہام اور اس کی غیر معقولیت:

اس مقام پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس خبر کی قلعی (ملمع سازی) بھی کھول دی جائے جس کو دشمنوں نے گورنمنٹ کے کانوں تک پہنچائی تھیں اور جس سے سوال ہم سبھوں سے بار ہا کیا گیا، گورنمنٹ کے کانوں تک یہ خبر پہنچائی گئی کہ مولانا مرحوم نے مدت قیام مکہ معظمہ میں غالب پاشا گورنر حجاز سے ملاقات کی اور ایک تحریر اہل ہند کے ورغلانے اور ترکوں کے ہر طرح مدد و معاون ہونے وغیرہ کیلئے حاصل کی جس کو مولوی محمد میاں صاحب مدینہ منورہ سے اپنے ساتھ لائے تھے اور ہندوستان میں اس کو

لوگوں نے دیکھا میں نہیں سمجھ سکتا کہ ایسی غیر واقعی افواہوں پر گورنمنٹ کیونکر کان دھرتی ہے اور ہر کس و ناکس کے غیر معقول بیان پر اعتبار کرلیتی ہے۔

مولانا کا ملنا غالب پاشا سے یا تو قبل از حج ممکن تھا یا بعد از حج مگر چونکہ تمام عالم کو معلوم ہے کہ غالب پاشا طائف میں رہتا تھا خصوصاً ایام گرما میں اس لیے اس سے ملاقات قبل از حج مکہ میں ممکن ہی نہ تھی۔ غالب پاشا اس سال بھی طائف سے سیدھے روانہ ہو کر عرفات میں آکر شریک حج ہوا تھا‘ مولانا مرحوم بھی حج سے پہلے مکہ معظمہ سے باہر کہیں تشریف نہیں لے گئے‘ البتہ حج کے بعد وہ مکہ معظمہ آیا مگر چونکہ محمل شامی آیا ہوا تھا اور اس کے مہتمم وزیر جنگ انور پاشا کے والد ماجد تھے اس لیے گورنر موصوف کو اپنے رسمی کاروبار سے اتنی بھی مہلت نہ تھی کہ کسی سے بات تک کرسکتے‘ تمام محمل کے انتظامات‘ خزانہ کی افکار‘ انور پاشا کے والد ماجد کی تکریمات‘ حج کے انتظامات‘ شہر کی کاروائیاں‘ دور دراز سے آنے والے ترکی افسروں سے ملاقات وغیرہ وغیرہ اس قدر کاروبار تھے جن کی بنا پر اس کی اتنی مہلت کہاں تھی کہ مولانا سے ابتدائی ملاقات اور ربط و ضبط کی نوبت آئے اور پھر وہ روابط اس درجہ کے قابل اعتماد ہو جائیں کہ شاہی عہدنامے اور وثائق کے تنظیم و تسطیر (منظم کرنے اور لکھنے) کی نوبت آئے۔ ایسے معاملات میں تو مہینے گزر جاتے ہیں‘ ادھر مولانا کو افکار سفر مدینہ منورہ اور اس کے انتظامات مختلف طبقات کے ہندوستانی حجاج کی ہر وقت آمد و رفت جن کا ہجوم ہمیشہ مولانا کے پاس لگا رہتا تھا شوق ادائے عبادات و درحرم محترم جو کہ مدتہائے دراز کے بعد نصیب ہوا تھا کہاں ایسی باتوں کی مہلت لینے دیتے تھے پھر اس پر طرہ یہ کہ غالب پاشا محمل کے روانہ ہوتے ہی طائف کو لوٹ گیا نہ وہ ترکی زبان کے سوا اردو فارسی وغیرہ جانتا تھا (عربی میں دو چار ضروری الفاظ کے علاوہ گفت و شنید (بولنے اور

سننے) سے بھی واقف نہ تھا) نہ مولانا کو ترکی زبان سے واقفیت مولانا کے لیے وہاں کوئی وسیلہ بھی ایسا نہ تھا جس کی وجہ سے ایسے بڑے حکام کے یہاں تک کی رسائی ہوتی اور نہ ہی مولانا کو مدت العمر حکام اور اہل دینا سے قلبی میلان تھا پھر باوجود ان امور کے نہ معلوم گورنمنٹ نے کہاں سے اس غالب پاشا کے وثیقہ کے خواب پریشان دیکھے اور ان پر یقین کرلیا' اسی طرح گورنمنٹ کو لوگوں نے جو کہ حقیقۃً گورنمنٹ کے دوست نما دشمن ہیں۔ بہت سے غلط سلط دھوکے دیے ہیں جن کی غلطی واقعات نے آفتاب کی طرح روشن کردی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ مولانا کو اسلام کی ہمدردی اور دینی حمیت (غیرت) بہت زیادہ تھی اور بایں ہمہ اپنے ملک اور قوم کی آزادی کا نہایت زیادہ خیال تھا اس میں وہ ہمیشہ پیچاں رہا کرتے تھے طرح طرح کی تدبیریں اور کاروائیاں بھی عمل میں لاتے رہتے تھے مگر گفتگو اس میں ہے کہ مولانا ان مقاصد کے لیے کسی خارجی حکومت سے مدد لینا اور اس سے گورنمنٹ کو ضرر پہنچانا چاہتے ہوئے کوئی ایسی عملی کاروائی کر رہے تھے یا نہیں' دشمنوں نے تو گورنمنٹ کو اسی کا ہوا دکھا کر مولانا سے بدظن بنا دیا تھا' گورنمنٹ اندرون ملک آزادی کی کوشش اور قانونی حدود میں ہمدردی اسلام کے اعمال کو جبکہ وہ امن و سکون سے ہوں نہیں روکتی اور نہ بُرا سمجھتی ہے وہ آزادی کے پروپگینڈے کو ہندوستانی قابلیت کا معیار خیال کرتی ہوئی مدتوں سے اسی کی خواہش مند ہے اس کے ذمہ دار وزراء اور پادشاہوں کے صاف الفاظ میں وعدے اور عہود (عہد) ہیں اور جملہ . . عقلاء. انگلستان اس کے گویا ہیں کہ ہم ہندوستان کو بوقت قابلیت و استعداد پوری آزادی دیں گے۔ چونکہ فطرت نے قابلیت کا معیار طلب صادق رکھ دیا ہے اس لیے جب ہندوستان میں قابلیت پیدا ہوگی۔ تو طلب

صادق ضرور بالضرور ہوگی اور جب طلب صادق ظہور پذیر ہوگی۔ جب ہی قابلیت کا علم ہوگا۔ معدہ میں جب ہضم غذا کی استعداد پیدا ہوتی ہے جب ہی بھوک معلوم ہوتی ہے اسی وجہ سے ظہور بھوک سے حکیم حاذق معدہ کی قابلیت کو پہنچانتا ہے۔ نوجوان مرد اور عورت میں جب کہ قابلیت تولید پیدا ہوتی ہے اس وقت ایک کو دوسرے کی طلب ہوتی ہے۔ فطرت کے قوانین پر اگر جابجا دیکھا جائے تو اس کی سینکڑوں نظریں (مثالیں) مل سکیں گی۔

غرضیکہ جو اسباب وجوہ طلب صادق کی عوام وخواص میں ہونی چاہئیں ان کے لیے کوشش کرنا گورنمنٹ کے مقصد میں مدد دینا ہے اسی لیے گورنمنٹ کے نزدیک یہ امر نہایت محبوب اور پسندیدہ ہے وہاں دول خارجیہ کے تعلقات کو البتہ اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا جس کی بہت سی افترا پردازیاں (جھوٹ بازیاں) دشمنوں نے کیں مگر الحمدللہ کوئی بھی پایۂ ثبوت کو نہ پہنچ سکی اور نہ ان میں واقعیت کی جھلک تھی۔

لوگوں نے گورنمنٹ کے کانوں تک یہ بھی پہنچایا کہ مولانا نے انور پاشا اور جمال پاشا سے تحریری وثائق اور عہود حاصل کر کے مولوی ہادی حسن صاحب کے ذریعہ سے فلاں صندوق میں جس میں فلاں فلاں کپڑے رکھے ہوئے ہیں، بھیجے ہیں اس خبر پر فوراً دوڑ اور گارد مولوی ہادی حسن صاحب کے مکان پر ان کی غیبت میں پہنچی اور مکان کی تلاشی لے کر صندوق کو دیکھا اور پھر ہر تختہ کو توڑا مگر کچھ بھی نہ نکلا اور نکلتا کیسے جبکہ کوئی شے ہو ہی نہیں تو کہاں سے نکلے، مگر دشمنوں نے گورنمنٹ کو دھوکہ دینے میں کوئی فروگذاشت نہ کی (کوئی کسر نہ چھوڑی) ایسے اعمال سے غالباً اتنا تو نفع ضرور ہوگا کہ گورنمنٹ کو بھی پتہ چل گیا کہ اکثر باتیں لوگوں کو مولانا کے حق میں خلاف واقع ہیں بلکہ شخصی اغراض پر ان کا دارومدار ہے۔

مولانا کا مدینہ منورہ میں داخلہ:

اہل مدینہ منورہ جو کہ بذریعہ سانڈنیوں کے حج کو ہمیشہ جایا کرتے ہیں اور سب سے پہلے واپس آ جاتے ہیں وہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے مکہ معظمہ میں مل چکے تھے ادھر خطوط سے مولانا کی روانگی کا حال معلوم ہو چکا تھا اس لیے ماہ محرم الحرام کی ابتدائی ان تاریخوں میں جن میں قافلہ کی آمد آمد تھی ایک بڑی جماعت اہل علم و فضل کی مدینہ منورہ سے باہر مولانا کے استقبال کو بیر عروہ تک جو کہ شہر پناہ کے دروازہ باب الجزیہ سے تقریباً دو ڈھائی میل ہے نکلا کرتی تھی۔ اور دن بھر وہاں قیام کرتی کھانا اور چائے وغیرہ کا انتظام کر کے وہاں انتظام کرتی اور بالآخر جب مولانا کو نہ پاتی شام کو لوٹ آتی۔ چار اور پانچ محرم کو ایسا ہی واقعہ ہوا' چونکہ قاعدہ ہے کہ قافلہ مکہ معظمہ سے نکلتا تو ایک ہی دن ہے مگر راستہ میں چند منزلوں کے بعد متفرق ہو جاتا ہے۔ جس کے اسباب مختلف ہیں۔ اوّل تو یہ کہ اگر پورا قافلہ ایک جگہ ٹھہرے تو بسا اوقات کنویں کا پانی سب کو کافی نہیں ہوتا۔ دوسرے یہ کہ اکثر شتربان مدینہ منورہ کے اطراف و جوانب کے قبائل میں سے ہوتے ہیں۔ وہ اپنے مکانوں پر جانے کی غرض سے اپنے گاؤں کی طرف سے گزرتے ہیں قریب کے راستے کو اختیار کرتے ہوئے ایک دو دن وہاں ٹھہرتے ہیں۔ تیسرے یہ کہ بعض مختصر راستے ہیں وہ ان کو مرغوب ہوتے ہیں۔

الحاصل مکہ معظمہ کا قافلہ مولانا کی تشریف آوری سے دو تین دن پہلے سے داخل ہو رہا تھا بالآخر ۶ محرم بروز دوشنبہ صبح کو قریب ۹ یا ۱۰ بجے مولانا بیر عروہ پر پہنچے' استقبالیہ جماعت موجود تھی لوگوں کو خبر ہوئی جوق در جوق جماعت اہل علم اور فضل کی نکلی اور مولانا مرحوم و مولانا خلیل احمد صاحب کی قدم بوسی سے مستفیض ہوئی۔ ہر دو حضرات مع جملہ رفقاء راقم الحروف کے مکان پر فروکش ہوئے اہل شہر' ائمہ و خطباء رؤساء وغیرہ

وغیرہ میں دھوم مچ گئی کہ ہندوستان کے آفتاب نے بارگاہ نبوت کی خاک روبی کا قصد کر کے عتبہ عالیہ پر جبہ سائی کی ہے‘ چنانچہ تمام دن لوگ قدم بوسی کے لیے آتے رہے اور شہ نشین میں جو کہ اسی واسطے مزین کی گئی تھی مشرف ہوتے رہے۔ تقریباً تین چار دن تک ہجوم رؤ اور مسافرین سے نہایت ہی زیادہ چہل پہل رہی۔

مولانا کے رفقاء کا سفر:

بالآخر مولانا کے رفقاء کے سفر کا وقت آ گیا‘ مولانا ہر ایک کی وطنی ضرورتوں اور ملازمت اور قرابت کے علائق (تعلقات) سے بخوبی واقفیت تھے۔ سبھوں کو حکم دیا کہ اب تم لوگ حج و زیارت سے فارغ ہو چکے ہو وطن کو واپس چلے جاؤ میں یہاں قیام کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ جملہ رفقاء بجز مولانا عزیز گل صاحب‘ مولوی ہادی حسن صاحب اور وحید احمد سب روانہ ہو گئے جن میں مولانا مرتضیٰ حسن صاحب و مولوی محمد میاں صاحب‘ حاجی عبدالکریم صاحب‘ حاجی محبوب خاں صاحب مولوی محمد سہول صاحب وغیرہ حضرات تھے‘ ادھر مولانا خلیل احمد صاحب کے رفقاء بھی روانہ ہو گئے‘ فقط مولانا صاحب مع اہلیہ و حاجی مقبول احمد صاحب باقی رہ گئے۔ اس زمانہ میں طلبہ و مدرسین مدینہ منورہ نے ہر دو حضرات سے اصرار کیا کہ ہمارے استفادہ کے لیے بعض کتابیں شروع کرا دیجیے۔ علاوہ اس کے بہت سے علماء اور طلباء نے حسب قاعدہ اسلاف اوائل (پہلے بزرگوں کے اصول کے مطابق) کتب حدیث سنا کر اجازت بھی لی خلاصہ یہ کہ مولانا نے بخاری شریف اور بعض دیگر کتب حدیث لوگوں کے اصرار پر شروع کرا دی۔ تقریر عربی میں فرماتے تھے۔ طلبہ اور مستفیدین کا جو کہ اکثر وہاں کے مدرس اور معتبر عالم تھے اس قدر مجمع ہوتا تھا کہ مکان میں جگہ بمشکل ملتی تھی۔ مولانا نے حلقہ درس حرم محترم میں اپنی کسر نفسی (عاجزی) کی وجہ سے مناسب نہ سمجھا بلکہ مکان

ہی پر پڑھاتے تھے۔ دوسری بعض کتابوں کا درس مولانا خلیل احمد صاحب نے بھی اسی مزید اصرار کی بنا پر شروع کر دیا۔

ترکی پولس کے توہمات:

چونکہ زمانہ جنگ کا تھا اس لیے گورنمنٹ اپنے یہاں جواسیس (جاسوسوں) کی فکریں زیادہ رکھتی تھیں ترکی پولیس کو بھی اس کا خیال تھا جو لوگ زائرین کی واپسی کے بعد مدینہ منورہ میں رہ گئے تھے ان کی خفیہ طور پر اُس نے نگرانی شروع کر دی اور جن لوگوں پر کسی قسم کا شبہ ظاہر ہوا ان سے معمولی طور پر اظہار و تفتیش کی نوبت آئی اور پھر مشتبہ لوگ نظر ہو کر سوریا (شام) کو روانہ کر دیے گئے اور وہاں سے بعد از تفتیش ایشیاء کوچک وغیرہ میں تا اختتام جنگ نظر بند ہو گئے۔ رضائیہ فرقہ کے لوگ جن کو سوائے فساد اور نفسانی خواہشات کے دنیا میں کوئی مقصد نہیں۔ نہ ان کو اسلامی ہمدردی ہے نہ حقانیت کی تلاش نہ ان کو خوف آخرت ہے نہ پاس ملامت اہل بصیرت پر ان کے نمایاں کارنامے اس وقت بھی ظاہر و باہر ہیں انہوں نے اپنے پرانے حقد اور عداوت کا موقع پایا اور پولیس کمشنر فخری آفندی حلبی تک رسائی پیدا کر کے اس کے کانوں کو بھرا کہ یہ دونوں حضرات انگریزوں کے خفیہ اور سی آئی ڈی ہیں اور اسی وجہ سے یہاں مقیم ہوئے ہیں، ورنہ ایسے پرآشوب زمانہ میں ان کے یہاں آنے اور قیام کرنے کے کیا معنیٰ غرضیکہ اس قسم کی بہت سی باتیں خلاف واقع اس کو پہنچا کر بدظن کر دیا اور پھر موقع پا کر عقائد کے متعلق (جو پرانا رویہ اس طائفہ کا ہے) بھی نیش زنی کر کے اس کو اور بھی برانگیختہ کیا اس لیے خوش اسلوبی سے اس کے تصفیہ خیالات کی کوشش کی گئی اور اس میں ابتداء میں کامیابی بھی ایک درجہ تک ہو گئی تھی مگر شدنی (ہونی) بات ہو کر رہتی ہے۔ ادھر جدہ سے مولوی مرتضیٰ حسن صاحب کے اردو کے طویل طویل خطوط خلاف

قانون[1] بلاواسطہ پوسٹ آفس آئے اور وہ بالا بالا پولس کے ہاتھ لگ گئے ادھر محض حسن ظن پر دو غیر معلوم شخصوں کے لیے بعض اکابر کا سعی فرمانا اور ان کی برات کی کوشش کرنی جن کی نسبت پولیس نے اپنے خیالات جما لیے تھے پھر بعض بے عنوانیوں کے ظہور نے پولیس کمشنر اور اس کے ہواخواہوں کے خیالات میں سخت تغیرات پیدا کر دیے جن کے بناء پر اس نے گورنر مدینہ منورہ بصری پاشا کو بھی دونوں حضرات سے بدظن کر دیا، خود پولیس کمشنر بھی ایک بدطینت (بدکردار) شخص تھا اس کو بھی رضائیوں کے سمجھانے بجھانے کی وجہ سے کچھ ہٹ ہوگئی اس نے دونوں حضرات سے کچہری میں بلا کر کچھ کچھ اظہارات لیے اور کاغذات مرتب کر کے شام (دمشق) جہاں پر کمیٹی تحقیقات تھی بھیجے اس زمانہ میں شام میں قوانین مارشل لاء جاری تھے جس کی بنا پر ہمیشہ یہ خیال تھا کہ دیکھیے پردہ غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے۔ مدینہ منورہ کے عموماً عہدہ دار اور بڑے بڑے روساء اور علماء اور خطباء و ائمہ وغیرہ اگر حضرت کے جان نثار اور معتقد نہ ہوتے تو وہ کمبخت ضرور دست درازی کر بیٹھتا مگر اس خوف نے اس کو مجبور کیا کہ اوپر سے حکم منگائے۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اس درمیان میں شام کی طرف سفر کرنا چاہا اور اجازت چاہی جس کی وجہ بیت المقدس جیسے مبارک مقام اور انبیاء و صلحاء شام کے مزاروں کی زیارت کے سوا اور کیا ہو سکتی تھی مگر اس نے اس کو بھی وجوہ اشتباہ قرار دیا۔ اکابر مدینہ منورہ مثل مفتی احناف وغیرہ اس کی اس سبک حرکتی (گھٹیا حرکت) اور شرارت سے سخت بیزار تھے مگر بوجہ زمانہ جنگ و اجراء قوانین مارشل لاء دم نہیں مار سکتے تھے اور یہی خاص وجہ رضائیوں کے سر اٹھانے کی واقع ہوئی ورنہ ان

---

[1] کیوں کہ اس وقت میں سوائے عربی اور ترکی زبان کے دوسری زبانوں میں خط بھیجنا قانوناً منع کر دیا گیا تھا اور اسی طرح بغیر واسطہ ڈاک خانہ دوسری زبانوں میں منع تھا۔

کے تو پہلے مچلکے عرصہ دراز سے ہو چکے تھے انہی احوال میں یکبارگی خبر آئی کہ وزیر جنگ جناب دولتلو انور پاشا حضرتاری اور جناب دولتلو جمال پاشا حضرتلی وزیر بحریہ و قوماندان فیلق رابع مع دیگر جرنیلوں وغیرہ کے مدینہ منورہ تشریف لا رہے ہیں۔ حکومت کے جملہ ارکان انتظام اور استقبال کی طرف متوجہ ہو گئے۔ یہ موقع نہایت مناسب معلوم ہوا کہ اس وقت میں پولیس کی شرارتیں کھولی جائیں جس سے فقط اپنا تحفظ مقصود تھا۔ کسی دوسرے کو ضرر پہنچانا مطلوب نہ تھا' جو جماعت انور پاشا کے ساتھ آئی تھی اس میں دمشق کے نقیب الاشراف بھی تھے جو کہ وہاں کے سادات کے رئیس اور ٹرکی حکومت کے بہت بڑے معتمد تھے اور چونکہ پہلے بھی یہ ماہ ربیع الاول میں بمعیت علماء شام وسوریہ مدینہ منورہ میں آ چکے تھے اور بواسطہ آفندی اسعد صاحب خالدی ان سے ملاقات دونوں حضرات کی ہو چکی تھی اور ان کو دونوں حضرات سے بہت زیادہ خوش عقیدگی اور محبت پیدا ہوگئی تھی ان کو اس وقت میں پولیس کی بعض شرارتوں کی بھی اطلاع مل چکی تھی اس لیے انہوں نے اس سفر میں جناب جرنیل جمال پاشا سے مولانا کے تعارف کی کوشش کی ادھر مفتی احناف جناب مامون آفندی بری شیخ علماء مدینہ منورہ نے بھی اس طرف خاص توجہ دی۔

انور پاشا اور جمال پاشا وغیرہ کا مدینہ منورہ میں آنا

چونکہ امور جنگ کا انتظام سب انور پاشا کے ہاتھ میں تھا اور نیز محاذ جنوبی اور غربی یعنی میدان سویز' سینا' حجاز' یہ جمال پاشا کے متعلق اور ان کی کمانداری میں تھا اس لیے جمال پاشا تو فقط اپنے محاذ پر مقیم تھے اور بضرورت دوسری جانب کو بھی جاتے تھے مگر پھر وہیں لوٹ آتے اور فوجی کمانداری کرتے تھے مگر انور پاشا مرکز کی محافظت

کرتے ہوئے ہر میدان میں جو کہ تقریباً گیارہ یا بارہ تھے اپنے آپ کو پہچانتے تھے اور جنگی احوال اور ضروریات کو ملاحظہ کرتے تھے۔ جب وہ سوریہ میں آئے اور سویز وغیرہ کے میدانوں کے دیکھنے سے فارغ ہوئے تو قصد کیا کہ بادشاہ دو جہاں وسیلہ دنیا و آخرت حضرت رسول اعظمؐ کی زیارت سے مشرف ہو جائیں اس لئے بمعیت جماعت عظیم (بڑی جماعت کے ساتھ) روانہ ہوئے ایک خاص اسپیشل میں روانگی کی خبر آئی اور اگلے دن بروز جمعہ تقریباً دس بجے دن کے اسپیشل مدینہ منورہ پہنچی چونکہ یہ ایک پہلا موقع تھا کہ ایسے دو بڑے بڑے وزیر معہ بہت سے جرنیلوں اور افسروں کے آتے ہوں اس لیے بہت بڑا ہجوم اسٹیشن پر تھا اور ہر طائفہ (گروہ) نہایت انتظام سے استقبال اور سلامی کے لیے وہاں موجود تھا۔ حکومت کا جو کچھ انتظام تھا وہ تو تھا ہی مگر اہل شہر نے جو جو انتظامات اپنی عقیدت واخلاص ومحبت کے لیے کیے تھے وہ بھی نہایت دلچسپ تھے جس وقت گاڑی اسٹیشن پر پہنچی تو حدود اسٹیشن اندر اور باہر لوگوں سے بھرا ہوا تھا ہر ایک کی آنکھیں انور پاشا کے دیکھنے کو اٹھیں مگر ایسے ہجوم میں دیکھنا کوئی آسان بات نہ تھی' انور پاشا نے مدینہ منورہ کا سفر کرتے وقت اپنے افسری کے کپڑے اور نشانات وغیرہ فقط اس خیال سے کہ بادشاہ دو جہاں کی بارگاہ میں حاضری ہے غلام بن کر جانا چاہیے اتار دیے تھے نہایت سادہ اور اُس لباس میں تھے جس میں ایک معمولی سپاہی رہتا ہے البتہ جمال پاشا کے لباس پر بعض نشانات وعلامات افسری نمایاں تھے ٹرین سے جس وقت دونوں وزیر معہ ہمراہیوں کے اُترے تو اسٹیشن کی بڑی ہال میں مینوسپلٹی (بلدیہ) کی طرف سے چائے کی دعوت پیش کی گئی اور ایڈریس بھی اہل شہر کی طرف سے پیش کیا گیا جس پر اظہار شکریہ ومسرت طرف ثانی (دوسری جانب) سے عمل میں آئی' چونکہ جمعہ کا دن تھا اس لیے مسجد نبوی میں پہنچنے کی تعجیل

(جلدی) کی گئی۔ اسٹیشن کے دروازہ پر فٹن وغیرہ سواریاں موجود تھیں گورنر مدینہ منورہ اور دیگر حکام نے سواری کرنے کے لیے آرزو ظاہر کی مگر انور پاشا نے انکار کر دیا۔ اور کہا کہ ہم پیدل بارگاہ نبوت تک غلامانہ طریق سے چلیں گے اہل شہر نے عجب طرح جلوس نکالا جو کہ قابل دید تھا، جتنے اہل تصوف کے مختلف حلقے مدینہ منورہ میں تھے سب کے سب علیحدہ علیحدہ مع اپنے مردوں کے زرین جھنڈوں کے آگے آگے ذکر کرتے ہوئے اشعار مدحیہ (تعریفی اشعار) اور دعائیہ پڑھتے ہوئے جاتے تھے جن کی بڑی بڑی جماعتیں تقریباً آٹھ دس ہوں گی اس کے بعد حرم محترم نبویؐ کے مختلف خدام کی جماعتیں تھیں، مؤذنوں کی جماعت جو کہ تقریباً ڈیڑھ سو یا زیادہ آدمی تھے علیحدہ تھی۔ حرم کے جاروب کشوں کی علیحدہ اماموں کی علیحدہ خطیبوں کی علیحدہ، حجرہ مطہرہ نبویہ کے خاص خدام خواجہ سراؤں کی علیحدہ یہ سب کے سب درجہ بدرجہ یکے بعد دیگرے حمد و صلوۃ دعا و ثناء پڑھتے ہوئے اپنے رسمی لباس پہنے ہوئے چل رہے تھے ان کے بعد دونوں وزیر برابر چل رہے تھے ان کے پیچھے ان کے رفقاء اور دیگر حکام تھے ان کے بعد اہل شہر، دائیں اور بائیں ترکی فوجیوں کی زنجیریں (قطاریں) تھیں جو کہ تمام ہتھیار اور سامان سے مکمل تھے اور دونوں طرف قطار باندھے ہوئے خراماں خراماں چل رہے تھے ان دونوں قطاروں کے باہر دائیں اور بائیں اور پیچھے اور مکانوں پر خلقت (مخلوق) کا ہجوم تھا۔ جمال پاشا اور دیگر جرنیلوں وغیرہ کی نظریں کبھی کبھی دائیں یا بائیں بھی پڑ جاتی تھیں مگر انور پاشا کی آنکھ زمین سے لگی ہوئی تھی نہایت ادب اور احترام سے جا رہے تھے۔ جیسے کہ ایک شہنشاہ والا تبار کے سامنے کھڑے ہوں اسی طرح یہ مجمع باب السلام تک پہنچا باب السلام سے جب دست بستہ حرم نبویؐ میں داخل ہوئے ہیں اور مزوّر (زیارت کرانے والے) نے دعاء دخول پڑھانی شروع کی

ہے تو انور پاشا کی آنکھیں آنسوؤں کی لڑیاں بہا رہی تھیں اسی طرح گریہ کناں بادشاہ دو جہاں کے سامنے دونوں وزیر ایستادہ ہوئے اور حسب اوامر شریعت (شریعت کے حکموں کے مطابق) بہ تلقین جناب شیخ الحرم حضرت سعید پاشا صلوٰۃ وسلام کی رسم کو پورا کیا۔

شیخ الحرم:

بادشاہان روم اور خلفاء ترک نے جب سے کہ حرمین کا انتظام اپنے ہاتھ میں لیا ہے ہمیشہ دونوں حرم محترم کا اپنے آپ کو خادم سمجھتے رہے ہیں اسی لفظ کو اپنے لیے باعث نجات تصور کرتے ہوئے خطبہ میں بھی داخل کیا گیا یہی نہیں کہ فقط زبانی جمع خرچ تھا دو روز کے بعد جاتا رہا یا عمل میں نہ لایا گیا بلکہ آخر دم تک یہ عمل جاری رہا اسی بنا پر ہزاروں پونڈ ماہوار خالص خزینہ اور اوقاف سے دونوں مقدس مقامات میں صرف ہوتا تھا، یہاں کہ باشندے گورنمنٹ ترکی کو کسی قسم کا خراج یا عشر یا مالگذاری نہیں دیتے تھے البتہ کچھ فی اونٹ شتربانوں سے لیا جاتا تھا اور کچھ بندروں میں کسٹم تاجروں سے لیا جاتا تھا جو کہ فیصدی دس تک تھا آخیر میں کچھ زیادتی بھی ہو گئی تھی مکانوں یا باغوں یا مزارع (کاشت کاروں) وغیرہ پر دونوں مقدس مقامات میں کچھ نہ تھا بلکہ الٹے ہزاروں باشندے مختلف عنوانوں سے تنخواہ اور وظائف پاتے تھے جن سے مقصد اصلی اہل حرمین شریفین کی پرورش تھی، مجھ کو صحیح طریقہ سے معلوم ہوا ہے کہ قبل از جنگ حرمین شریفین کا خرچ گورنمنٹ ترکی پر تیس ہزار پونڈ ماہوار پڑتا تھا، فقط حرم محترم مدینہ کے ائمہ دو سو سے زائد تھے، موذنوں کی تعداد سو سے زیادہ تھی، جھاڑو دینے والے ساٹھ سے زیادہ تھے خطبہ پڑھنے والے پچپن سے زیادہ تھے، خواجہ سرا یعنی آغاوات خادمین روضۂ مطہرہ ساٹھ ستر آدمی تھے جن کی کم سے کم تنخواہ دو پونڈ ماہوار اور زیادہ سے زیادہ

تیس پونڈ ماہوار تھی، یہ مقدار خاص طور سے مقرر تھی اس کے علاوہ اور بھی طریقے ان کو عطا کرنے کے بہت سے تھے۔ خلاصہ کلام یہ کہ اکثر اہل مدینہ خصوصاً اور بعض اہل مکہ عموماً (دولت علیہ) گورنمنٹ کی پرورش سے جیتے تھے۔

شاہان روم نے روزانہ خدمت روضہ اقدس کے لیے اور علی ہذا القیاس خدمت بیت اللہ کے لیے ایک ایک خاص شخص مقرر کر رکھا تھا جس کے ہاتھ میں ہر دو حرم کے کاروبار کا انتظام تو تھا ہی مگر اصلی وظیفہ یہ تھا کہ ہر روز خدمت جاروب کشی اور روشنی قندیل خادمانہ لباس پہن کر سلطان کی طرف سے اولاً یہ ادا کریں یہ شیخ الحرم استنبول کے بڑے خاندان کا اور بڑے رتبہ کا آدمی ہوتا تھا اس کی تنخواہ بھی بہت زیادہ ہوتی تھی، صبح کی نماز کے بعد اس پر لازم تھا کہ حجرہ شریفہ یعنی روضہ مطہرہ کی جاروب کشی کے لیے ان کا معینہ لباس زیب بدن کرتا اور حجرہ شریفہ میں داخل ہو کر سلطان اور اپنی طرف سے صلوۃ وسلام عرض کر کے دعا کرتا اور پھر جاروب کشی کرتا اور اسی طرح شام کے وقت مغرب سے کچھ پہلے داخل ہوتا اور چند قندیلیں (چراغ) خدام کے ساتھ روشن کرتا اور یہ سب فعل اس کا سلطان کی قائم مقامی میں شمار ہوتا تھا، اس زمانہ میں شیخ الحرم سعید آفندی تھے جو کہ باعلم نہایت سمجھدار اور پرہیز گار شخص تھے۔ مولانا سے بھی ان کو خاص تعلق تھا تصوف کی طرف ان کی طبیعت بہت مائل تھی۔

روضہ مسجد:

انور پاشا زیارت کرنے کے بعد روضہ شریف میں جا بیٹھے۔ مسجد شریف کا وہ حصہ جو کہ منبر اور حجرہ مطہرہ کے درمیان میں واقع ہے اسکو روضہ یا ریاض الجنۃ کہتے ہیں کیونکہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! مابین بیتی و منبری روضتہ من ریاض الجنتہ (میرے حجرے اور منبر

کے درمیان میں جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے) یہ مقام تمام مسجد شریف میں بہت زیادہ مقدس شمار کیا جاتا ہے اور احادیث میں اس کے فضائل بہت زیادہ ہیں کچھ عرصہ کے بعد جمعہ کی اذان ہوئی۔ خطبہ اور نماز کو حسب معمول ادا کیا گیا' پھر دونوں وزیر مع ہمراہیوں کے جاء استراحت (آرام کرنے کی جگہ) پر تشریف لے گئے' بیرون باب المجیدی سید مدنی کا ہوٹل (دارالسرور) ان کے قیام کیلئے تیار کیا گیا تھا' میونسپلٹی کی طرف سے ہر قسم کا انتظام خورد و نوش وغیرہ کا تھا الغرض وہاں جا کر بعد از جمعہ کھانا کھایا اور استراحت فرمائی (آرام فرمایا) عصر کے وقت نماز کے لیے حاضر ہوئے اور باجماعت نماز ادا کی شام کے وقت حجرۂ مطہرہ میں خادمانہ لباس پہن کر قندیل روشن کرنے کیلئے بھی داخل ہوئے پھر نماز مغرب کی باجماعت ادا کر کے قیامگاہ پر تشریف لے گئے چونکہ پولیس کو ہمارے دونوں حضرات کی طرف سے بدظنی تھی جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ اس لیے جناب نقیب الاشرافت صاحب موصوف نے چاہا کہ اگر ایسے میں حضرت مولانا سے جمال پاشا سے ملاقات ہو جاتی تو میں ایک اچھا موقعہ پولیس کے خطرہ کے دفعہ کرنے کا پاتا چنانچہ انہوں نے کہا کہ قیامگاہ پر بعد از مغرب دونوں حضرات تشریف لائیں میں ملاقات کراؤں گا مگر بدقسمتی سے جب ہم سب پہنچے تو وہ ہوٹل میں داخل ہو چکے تھے اور چونکہ ہوٹل کے دروازہ پر نہایت سخت پہرہ تھا اس لیے ہم کو داخل ہونا ممکن نہ ہوا اور نہ کسی سے ملاقات ہو سکی۔

حکام مدینہ منورہ نے سخت پہرہ اس لیے بٹھا رکھا تھا کہ لوگ مخالف اخبار ان دنوں دور دراز تک نہ پہنچائیں جس کی وجہ سے ان کی پوزیشن میں نقصان واقع ہوگا۔ علی ہذا القیاس اہل حاجت کے ہجوم کا بھی زیادہ خیال تھا۔

ہر دو حضرات کی انور پاشا اور جمال پاشا سے ملاقات

مفتی مدینہ منورہ اور شیخ العلماء یعنی مفتی مامون بری حضرت شیخ المشائخ شاہ عبدالغنی صاحب دہلوی مرحوم ومغفور کے شاگرد تھے ان کو ہمارے اکابر سے خاص تعلق تھا وہ بھی اس کوشش میں تھے کہ کسی طرح ان حضرات کی عزت پر کوئی دھبہ نہ آئے اور کسی قسم کی تکلیف ان بزرگوں کو پیش نہ آوے اگر زمانہ جنگ کا نہ ہوتا تو اس قدر فکر نہ تھا مگر زمانہ جنگ کی وجہ سے حکم فوجی تھا اہل سیاست کا زور نہایت کمزوری پر تھا اس لیے زیادہ فکر تھی۔

شب کو انور پاشا نے ان کے پاس حکم بھیجا کہ میں چاہتا ہوں کہ صبح کو اشراق کے بعد علماء شہر کا مسجد شریف میں اجتماع ہو اور سب اپنی اپنی تقریریں سنائیں چونکہ میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے کہ ہر ایک کے حلقۂ درس میں جا کر تقریریں سنوں اس لیے اس ایک مجلس میں مشرف ہونا چاہتا ہوں۔ علی الصباح (صبح کے وقت) مفتی صاحب نے کاتب الحروف سے کہا کہ بہت زیادہ مناسب ہے کہ دونوں حضرات اس مجلس میں تشریف لا دیں تا کہ مجھ کو تعارف کرانے کا موقع ہاتھ آوے اور پھر میں مناسبت پا کر صفائی کر دوں گا' چنانچہ ہر دو حضرات تشریف لائے صفت اول میں مفتی صاحب موصوف بیچ میں بیٹھے ان کی بائیں طرف حضرت مولانا مرحوم تھے ان کے بائیں مولانا خلیل احمد صاحب ان کے بائیں کاتب الحروف تھا اور اسی طرح دوسرے علماء تھے۔ مفتی صاحب کے دائیں بھی بہت سے علماء تھے۔ شیخ الحرم صاحب خاص طور سے منتظم تھے۔ انہوں نے ہر دو حضرات سے خواہش کی کہ اگر دونوں وزراء میں سے کوئی صاحب آپ سے تقریر کی خواہش کریں تو آپ انکار نہ فرمائیں۔ جب کہ مجمع

پورا ہو گیا اور دونوں وزراء تشریف لے آئے تو اولاً انہوں نے مفتی صاحب سے تقریر کی خواہش کی انہوں نے تھوڑی دیر تقریر فرمائی اس کے بعد انور پاشا نے مولانا مرحوم سے خواہش کی مگر مولانا مرحوم نے انکار فرمایا۔ پھر انہوں نے مولانا خلیل احمد صاحب سے درخواست کی مگر دونوں حضرات نے یہ عذر پیش کیا کہ ہماری آواز نہایت کمزور ہے ہم تقریر نہیں کر سکتے اس کے بعد کاتب الحروف کی طرف اشارہ ہوا میں نے حسب لیاقت ایک عرصہ تک عربی میں تقریر کی اس کے بعد دوسرے علماء نے تقریریں کیں اختتام جلسہ پر مفتی صاحب اور شیخ الحرم نے اسی جلسہ میں مولانا مرحوم اور مولانا خلیل احمد صاحب کا تعارف کرایا آپس میں مصافحہ ہوا اور مزاج پرسی کی نوبت آئی اس سے زیادہ نہ وہاں موقع تھا اور نہ وقت تھا مجمع بہت ہی زیادہ تھا ہر دو وزراء اسی وقت اٹھے اور اپنی قیام گاہ پر چلے گئے اور کھانا کھا کر ظہر کی نماز ادا کرتے ہوئے مدینہ منورہ سے روانہ ہو گئے مگر اس تعارف کی وجہ سے مفتی صاحب اور دوسرے احباب کو موقع مل گیا کہ انہوں نے کھانا کھاتے وقت یا اور کسی وقت یہ عرض کر دیا کہ پولیس ایسی مقدس اشخاص کی نسبت ایذا رسانی کا قصد رکھتی ہے۔ مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ چونکہ مسلمانوں کا مرکز ہے۔ یہاں پر ہر ملک کے لوگ مذہبی حیثیت سے آتے رہتے ہیں ان پر یہ شبہ کرنا کسی طرح مناسب نہیں، چنانچہ شام پہنچ کر جمال پاشا نے ایک خاص حکم بھیجا کہ حرمین شریفین میں دول متحاربہ کی رعایا کے ساتھ وہی معاملہ کیا جائے جو ہماری رعایا کے ساتھ کیا جاتا ہے اس حکم کے آنے کے بعد پولیس کی تمام کاروائیاں بیکار ہو گئیں اور اس کے ہاتھ پیر ٹوٹ گئے۔

ترکی گورنمنٹ کی دریا دلی:

انور پاشا نے اہل مدینہ اور خادمین حرم نبویؐ اور علماء وغیرہ کیلئے پانچ ہزار پونڈ

دیے جو کہ تقسیم کیے گئے بڑے علماء کو پانچ پانچ پونڈ اور دوسروں کو حسب مرتبہ کم یا زیادہ جس کی تقسیم ایک جماعت کے ذریعہ سے تھی جس کے رئیس شیخ الحرم صاحب تھے چنانچہ انہوں نے پانچ پانچ پونڈ ان دونوں بزرگوں کو اور پانچ پونڈ کاتب الحروف کو بھیجے۔ حضرت مولانا مرحوم اور مولانا خلیل احمد صاحب نے ان کے لینے سے انکار کیا اور ظاہر کیا کہ ہم مستغنی ہیں ہم کو ضرورت نہیں مگر ادھر سے کہا گیا کہ یہ شاہی ہدیہ ہے صدقہ نہیں اس لیے دونوں حضرات نے قبول فرما کر پھر کاتب الحروف کو دیدیئے۔ جمال پاشا نے اہل حجاز کی حاجت دیکھ کر بارہ ریلوے گاڑیاں گیہوں سے بھری ہوئی مدینہ منورہ کے اہالی (باشندوں) پر تقسیم کرنے کے لیے بھجوائیں مگر بدقسمتی سے اس کی تقسیم کا کام شریف حسین کے بیٹے کے سپرد کیا گیا جو کہ ان دنوں بڑے وفادار اور خیر خواہ بنے ہوئے تھے اس لیے اس میں اہل مدینہ کو بہت کم فائدہ ہوا خود ان کے لوگوں اور فوج کو زیادہ فائدہ ہوا۔

انور پاشا نے پانچ ہزار گنی مکہ معظمہ بھی وہاں کے لوگوں کے لیے بھیجیں جن کو شریف صاحب کی تھیلیوں کی نذر ہونے کا شرف عظیم حاصل ہوا اسی طرح انور پاشا جہاں جاتے تھے وہاں کے ضعفاء فقراء مساکین پر تقسیم فرماتے تھے حالانکہ جنگ کا زمانہ تھا رعایا کو دینا تو درکنار ان سے لوٹ کھسوٹ کر چندہ کے نام سے قرض کے نام سے سینکڑوں طریقہ سے ہر جگہ ہندوستان میں وصول کیا جاتا تھا مگر ترکی گورنمنٹ فقراء کا پیٹ بھر رہی تھی۔

مولانا کی نسبت افواہ:

یہی وہ ملاقات ہے جس کی نسبت اصحاب اغراض نے گورنمنٹ کے کانوں تک یہ خبر پہنچائی کہ مولانا تو جمال پاشا اور انور پاشا سے ملے اور دیر تک تخلیہ (علیحدگی)

میں گفتگو کرتے رہے اور ان سے عہد نامے اور وثائق حاصل کیے مگر افسوس ہے کہ ایسی دروغ گوئی اور افتراپردازی پر کیونکر جرأت کی گئی‘ دونوں وزیروں کی مدینہ منورہ میں مدت اقامت کل ۲۴ گھنٹے کے قریب تھی جس میں ان کو ہزاروں کام درپیش تھے ان کے پاس ہزاروں آدمیوں کا اجتماع ہر وقت تھا ان کو بات کرنے کی فرصت نہ تھی۔ شہر کے بڑے بڑے عمائد (سردار) تو ان کے پاس پھٹک نہیں سکتے تھے۔ پردیسی اور وہ بھی مولانا مرحوم جیسے زاہد اہل دُنیا سے نفرت کرنے والے کہاں وہاں تک پہنچ سکتے تھے اور پھر وثائق اور عہد ناموں کا لکھنا اور مقرر کرنا شروط کا لحاظ کرنا کیسے ہو سکتا تھا مگر جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ گورنمنٹ کو خود اس کا جھوٹ ہونا معلوم ہو گیا تھا کیوں کہ گورنمنٹ کو لوگوں نے یہ بہکایا کہ مولانا مرحوم نے وہ کاغذات جو انور پاشا سے حاصل کیے ہیں ایک صندوق میں اس کے تختوں میں سوراخ کر کے رکھ دیے ہیں اور اسی صندوق میں اپنے خاص خاص کپڑے رکھ دیے ہیں جس کو مولوی ہادی حسن صاحب اپنے ہمراہ جدہ سے لائے ہیں اور بمبئی سے اپنے اسباب کے ہمراہ مکان میں بھیج دیا ہے۔ بیچارے مولانا ہادی حسن صاحب اس وقت تک نینی تال ہی میں تھے کہ انکے مکان پر دوڑ گئی اور اس صندوق کو توڑ کر تختہ تختہ پارچہ پارچہ کر دیا گیا مگر کچھ نہ نکلا اس لیے گورنمنٹ کو بھی غالباً یقین ہو گیا کہ مولانا کی نسبت اکثر خبریں غلط افواہ تھیں۔

مولانا کی مدینہ منورہ سے روانگی:

اس واقعہ کے بعد یہی مناسب سمجھا گیا کہ اب مکہ معظمہ کو جو قافلہ جانے والا ہے اس کے ساتھ وہاں کا قصد کیا جائے ان دنوں مدینہ منورہ میں خبر پہنچی تھی کہ ایک آگ بوٹ ہندوستان سے مختلف سامان خصوصاً چانول لے کر نکلا ہے اور عنقریب جدہ پہنچنے والا ہے‘ چونکہ ان چند ماہ میں یعنی صفر سے جمادی الثانی تک کوئی

آگبوٹ غلہ کا ہندوستان سے جدہ نہ پہنچتا تھا ادھر مصر کے آگبوٹ بھی وہاں نہ آتے تھے' بحر احمر بالکل بند تھا۔ فقط اتحادیوں کے آگبوٹ اس میں آتے جاتے تھے اس لیے عرب کے بندروں پر جملہ اشیاء تجارت کا آنا بند ہوگیا تھا' بادبانی کشتیاں پہلے پہل سفر کرتی اور افریقہ کے بندروں سے چیزیں خرید کر لاتی اور عرب کے بندروں پر پہنچاتی تھیں مگر انگریزی جہازوں نے ان کو بھی پکڑنا مال کا چھین لینا کشتیوں کا غرق کر دینا قید کر کے لے جانا وغیرہ مظالم اس قدر برسائے کہ انکی بھی آمدورفت بالکل بند ہوگئی اس لیے تمام حجاز میں سخت گرانی پھیل گئی لوگ بھوکوں مرنے لگے۔ مدینہ منورہ میں چونکہ ریل کی وجہ سے شام سے قریب تھا اس لیے گیہوں آٹے وغیرہ کی تو یہاں گرانی نہ ہوئی مگر شکر چاء' چاول وغیرہ اشیاء یہاں بھی سخت گراں ہوگئی تھیں۔

اس قافلہ میں جانا اس لیے بھی ضروری معلوم ہوا کہ اب رمضان شریف کا زمانہ قریب ہے مکہ معظمہ میں رمضان کیا جائے تو بہتر ہوگا۔ علاوہ ازیں مکہ معظمہ میں پولیس کی اس قدر سختی بھی نہ تھی اور چونکہ مدینہ منورہ کا پولیس کمشنر ایک قسم کی پرخاش رکھنے لگا تھا اس لیے اس سے دور ہی رہنا ضروری معلوم ہوا' پھر ہندوستان جانے کے لیے مکہ معظمہ سے قرب اور انتظام کا آسان ہونا بھی ظاہر تھا۔

خلاصہ یہ کہ ماہ جمادی الثانی ۱۳۳۴ھ کی بارہویں یا تیرھویں کا قافلہ مدینہ منورہ سے روانہ ہوا اس وقت حضرت رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ مولوی عزیز گل صاحب' وحید احمد' نیز جناب مولانا خلیل احمد صاحب معہ اپنی اہلیہ محترمہ اور حاجی مقبول احمد صاحب بقصد مکہ معظمہ ساتھ ہی روانہ ہوئے تھے مولوی ہادی حسن صاحب اس سے تقریباً دو ماہ پہلے مع حاجی شاہ بخش صاحب ساکن حیدر آباد سندھ روانہ ہوکر جدہ آچکے تھے مگر اتفاق سے ان کو کوئی آگبوٹ ہندوستان جانے والا نہ ملا تھا اس لیے دونوں

صاحب مکہ معظمہ ہی میں آ گئے تھے باین خیال کہ جب آ گبوٹ آ جائے گا اس وقت روانہ ہوں گے۔ کیونکہ جدہ کی خبریں مکہ معظمہ میں برابر پہنچتی رہتی تھیں۔

قافلہ مذکورہ جدہ ہوتا ہوا مکہ معظمہ آیا۔ آخیر جمادی الثانیہ میں پہنچا اور قریب باب العمرہ کے ایک مکان کرایہ پر لے کر قیام کیا گیا۔ مولانا خلیل احمد صاحب مع متعلقین باب ابراہیم کے پاس قاری عبدالحق صاحب کے مکان پر فروکش ہوئے اس زمانہ میں مکہ معظمہ میں گرمی بہت تھی' ادھر طائف کا موسم تو بوجہ سردی خوب مناسب تھا ہی وہاں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر صحابہ کے مزارات بھی ہیں جن کی زیارت کی غرض سے اکثر لوگ وہاں جایا کرتے ہیں اہل مکہ عموماً گرمیوں میں مکہ معظمہ میں نہیں رہ سکتے طائف ہی میں چلے جاتے ہیں مولانا نے بھی قصد فرمایا کہ طائف چلے جائیں اور کچھ دن ٹھہر کر نصف شعبان سے پہلے مکہ معظمہ کو واپس چلے آئیں گے۔ چنانچہ بمعیت سید امین عاصم صاحب آمدورفت کا شتر کرایہ کر کے ۲۰ رجب ۱۳۳۴ھ کو روانہ ہو کر ۲۳ یا ۲۴ رجب کو طائف پہنچے شہر پناہ کے باہر ایک باغ میں فروکش ہوئے جس کا انتظام سید صاحب نے پہلے سے کر رکھا تھا باغ کے بالائی حصہ مکان میں سید امین عاصم صاحب مع اپنے متعلقین تھے اور نیچے کے ایک حصہ میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ تھے اس سفر میں مولانا کے ہمراہ فقط تین آدمی تھے۔ مولوی عزیز گل صاحب وحید احمد کاتب الحروف حسین احمد۔

طائف:

طائف حقیقۃً ایک چھوٹا قصبہ ہے مگر اس کا اطلاق بہت بڑے حصہ پر کیا جاتا ہے۔ جس میں بہت سے قصبات اور دیہات شامل ہیں یہ قطعہ زمین کا بہت اونچائی پر واقع ہے اونٹوں کے راستہ میں تین دن میں یہاں پہنچتے ہیں کیونکہ چکر زیادہ

ہے اور چڑھائی با آسانی طے ہوتی ہے اور جبل کرہ کے راستہ سے جس میں خچر گدھے گھوڑے چلتے ہیں ۲۴ گھنٹے بلکہ اس سے کم میں آدمی پہنچ جاتا ہے مگر راستہ دشوار گذار ضرور ہے آدھے راستہ ہی سے ہوا بالکل متغیر ہو جاتی ہے جبکہ مکہ معظمہ میں سخت گرمی کی وجہ سے شب کو بھی آرام نہ آتا تھا طائف میں پتلی رضائی کی ضرورت ہوتی ہے وہاں کا موسم گرمیوں میں نہایت عمدہ رہتا ہے جابجا باغات ہیں' ہر قسم کے میوے پیدا ہوتے ہیں انگور' انجیر' برثوی (ناگ پھل) انار' آڑو' آلوچی وغیرہ وغیرہ جملہ سرد ملکوں کے میوے بکثرت اور عمدہ ہوتے ہیں۔ زراعت اور سبزی ہر قسم کی پیدا ہوتی ہے۔ جابجا نہریں بھی ہیں۔ کنویں میٹھے بکثرت ہیں۔ بارش بھی خوب ہوتی ہے۔ حجاز کے لیے طائف ہند کے لیے شملہ کے مانند ہے۔ ترکی گورنر اکثر گرمیوں کے زمانہ میں طائف میں رہا کرتا تھا اور بڑے درجہ کے حکام اور اہل عرب شریف وغیرہ بھی وہاں ہی چلے جاتے تھے۔

فتنہ حجاز:

جب ہم مکہ معظمہ میں پہنچے تو عجیب عجیب افواہیں مشہور تھیں عام بدوؤں اور اہل شہر کی زبانی سنا جاتا تھا کہ عنقریب بدعملی ہونے والی ہے شریف حسین انگریزوں سے ملا ہوا ہے اور بغاوت کرنے والا ہے مگر ترکی استقلال میں کوئی فرق نہ تھا ترکی فوج تمام حجاز میں غالباً چار پانچ ہزار ہوگی۔ کیوں کہ اکثر فوج دوسرے مقامات جنگ پر چلی گئی تھی۔ شریف نے باب عالی کو اطمینان دلا رکھا تھا کہ حجاز کا ذمہ دار میں ہوں یہاں زیادہ قوت رکھنے کی ضرورت نہیں جاء ضرورت جنگ پر اپنی قوت پہنچاؤ یہ موجودہ فوج بھی جدہ' مکہ' طائف پر منقسم تھی ہم کو یہ بھی اس وقت کہا گیا کہ جلد طائف جانا اور لوٹ آنا چاہیے۔ مبادا بدعملی ہو جائے۔ مگر ہم کو یقین کامل نہ ہوا' اسی زمانہ میں یہ بھی خبر

مشہور ہوتی تھی کہ گورنمنٹ برطانیہ کی طرف سی کوئی خط شریف کے نام آیا ہے کہ فلاں تاریخ تک یا تو تم ترکوں کو حجاز سے نکالدو ورنہ ہم شریف علی کو (جو کہ پہلے شریف حجاز تھا اور شریف حسین موجودہ کا بہنوئی ہے اور اس وقت مصر میں مقیم تھا! اس کو حجاز کا شریف بنا کر بھیجیں گے (نہ معلوم یہ خبر کہاں تک صحیح تھی) جدہ میں ہمیشہ جنگی آگبوٹ آتے اور بندر میں تین تین چار چار اور کبھی کم زیادہ جمع ہو جاتے تھے اور کھڑے رہ کر چلے جاتے تھے نہ وہ کچھ تعرض کرتے تھے نہ ترکی حکومت۔

ہم اس رسالہ میں ان واقعات کو دکھانا نہیں چاہتے جو کہ اس فتنہ کے زمانہ میں ہوئے۔ کیونکہ اس کے لیے ہمارا ارادہ ہے کہ اگر خدا کو منظور ہوا تو مستقل رسالہ لکھیں گے۔ اس مقام پر تو فقط حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا سفرنامہ لکھنا ہے۔ ہم کو طائف پہنچ کر کچھ طبیعت سیر ہونے کا موقعہ ہاتھ نہ آیا تھا کہ شتربان آیا اور کہا کہ اگر چلتے ہو تو شتر حاضر ہے ورنہ میں آٹھ دن کے بعد پھر آؤں گا‘ مطوف صاحب اور ہم لوگوں کی رائے ہوئی کہ ایک ہفتہ یہاں اور قیام کر لیا جائے اس کے بعد مکہ معظمہ جانا چاہیے۔ اتفاق وقت سے اس وقت طائف میں میوے بہت کم تھے۔ شہتوت اور خوبانیوں وغیرہ کا ابتدائی موسم تھا البتہ شہد خوب آتا تھا۔ دو چار دن کے بعد مولانا مرحوم نے تقاضا فرمایا کہ مکہ معظمہ کو چلنا چاہیے مگر شتربان جا چکا تھا ایک دو دن کے بعد پھر زیادہ تقاضا فرمایا ہم نے جب دوسری سواریاں تلاش کیں تو معلوم ہوا کہ راستہ بند ہو گیا ہے ہم اُس وقت اسی راز کو نہ سمجھ سکے کہ کیوں اس قدر تقاضا کیا جا رہا ہے مگر دو ہی تین دن کے بعد معلوم ہو گیا کہ آئندہ آنے والے واقعات نے خلافِ عادت مولانا کو تقاضائے سفر پر مجبور کیا ہے جن کو نظر کشفی سے مولانا نے معلوم کر لیا تھا مگر چونکہ ضبط اور اخفاء کا مادہ بہت زیادہ تھا ادھر مقام رضا میں قدم راسخ تھا اس لیے چند مرتبہ ظاہری

تقاضا کرنے کے بعد چپ ہو رہے اور پھر معلوم ہوا کہ طائف نہایت سخت خطرہ میں پڑ گیا ہے اس لیے جو لوگ باہر باغوں میں مقیم ہیں ان کو شہر پناہ میں چلے جانا ضروری ہے۔ چنانچہ ہمارے مطوف سید امین عاصم صاحب بمعہ اپنے اہل وعیال شہر میں سید علی حبشی کے مکان پر چلے گئے اور ہمارے لئے بھی وہاں ہی ایک کوٹھڑی لے دی۔ تمام شہر میں اس وقت عجیب ہلچل تھی۔ ۹ شعبان روز شنبہ ہم لوگ شہر میں چلے گئے تھے۔ ترکی افسروں کو بھی یہ بات محسوس ہوگئی انہوں نے شہر کی اردگرد حسب قواعد مورچے بنائے اور جن جن باغوں اور مکانوں کو مورچہ کے لیے مناسب جانا ان کو خالی کرالیا۔ گیارھویں شعبان ۱۳۳۴ھ کی شب کو صبح صادق کے قریب چاروں طرف سے شریف کی فوجوں نے چڑھائی کی جو کہ زیر کمان واری عبداللہ بیگ کام کر رہی تھیں۔ صبح صادق کے وقت ہم سب بمعیت حضرت مولانا مرحوم صبح کی نماز کے لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی مسجد میں جا رہے تھے کہ ناگاہ ایک بندوق کی آواز سنائی دی پھر تو چاروں طرف سے بندوقیں چلنے لگیں۔ ترکی فوج جس نے چاروں طرف حسب قواعد جنگ مورچے بنا رکھے تھے پورے طور سے جواب دیتی رہی اگرچہ ترکی فوج کی مقدار تقریباً ایک ہزار مسلح سپاہی کے تھی باقی ماندہ لوگ مسلح نہ تھے مگر چونکہ منتظم جماعت تھی اس نے بدوی فوجوں کو بہت زیادہ اور قومی نقصان پہنچایا، بدوَیوں کی مقدار بہت زیادہ بتائی جاتی ہے اس سے دو دن پہلے مکہ معظمہ، جدہ، ینبع، مدینہ منورہ میں یہی واقعہ پیش آچکا تھا چونکہ شریف نے انتظام کیا تھا کہ ایک ہی دن میں سب جگہ یہ کام ہو۔ اس جنگ کی وجہ سے جو لوگ طائف میں غلہ اور ترکاری میوہ وغیرہ لاتے تھے ان کا آنا بند ہوگیا اور یہاں سے باہر کا جانا بھی بند ہوگیا، ادھر فوجی حکام کو رسد کی فکر ہوئی حسب قواعد جنگ انہوں نے تاجروں سے موجودہ غلّہ کی نصف مقدار لینی شروع کی جس

نے خوشی سے دیدیا اس کی مقدار میں سے نصف لے لیا اور نصف چھوڑ دیا اور لیے ہوئے نصف کی قیمت اس وقت کی حساب سے لگا کر اس کو رسید دیدی کہ حکومت ترکی بعد از جنگ یہ مقدار تجھ کو ادا کرے گی۔ البتہ جن لوگوں نے چھپایا ان پر شدت کی گئی اور تمام مال تجارت انکا خورد و نوش اور ضرورت فوجی کی قسم کا لے لیا گیا فقط بمقدار ان کے اہل و عیال کی ضرورت کے ان کو دیدیا گیا ادھر تو شہر میں غلہ کی کمی اُدھر آمد بالکل بند غرضیکہ اس وجہ سے شہر میں سخت گرانی ہوگئی پھر شریف کے لوگوں نے نہر کو بھی اوپر سے بند کر دیا اس وجہ سے پانی کی سخت تکلیف ہوئی۔ اگر قشلہ (فوجی قیام گاہ کا کنواں نہ ہوتا تو نہایت زیادہ مشکل کا سامنا ہوتا۔ اگرچہ شریف کی فوج کثیر التعداد بھی تھی اور اس کے پاس نئی اور عمدہ انگریزی رائفلیں بھی تھیں اور سامان جنگ نہایت کثرت سے تھا مگر باوجود سعی بسیار ان کو کامیابی نہیں ہوئی۔ جب انہوں نے ہجوم کیا مُنہ کی کھائی‘ دن و رات برابر گولیاں چلتی رہتی تھیں۔ ترکی فوج ان کے مجمعوں پر توپوں سے گولے بھی برساتی تھی‘ نصف رمضان تک یہی حالت رہی اس کے بعد وہ مصری فوجیں جو جدہ میں اس کے لیے لینے کے بعد اتاری گئی تھیں اور جنہوں نے مکہ معظمہ کے قلعے اور قشلہ کو توپوں کے ذریعہ فتح کیا تھا طائف میں مع توپوں کے پہنچیں اور طائف کے چاروں طرف سے توپیں سات یا آٹھ نصب کر کے قلعہ اور قشلہ پر گولہ باری کرنے لگیں۔ صبح سے تقریباً بارہ بجے تک یہ عمل ہوتا رہا۔ اس کے بعد توپیں ٹھہر جاتی تھیں۔ ترک بھی ان کا جواب دیتے تھے یہی حال عید مبارک تک رہا افسوس کہ عید کے دن بھی شریف کے لوگوں نے جنگ کو موقوف نہ کیا۔

مولانا کا رمضان طائف میں:

چونکہ رمضان کا مہینہ طائف میں نہایت بدامنی کی حالت میں واقع ہوا تھا

اس لیے نہ تو دن کو حسب خواہش لوگوں کو خوراک کا انتظام کرنا ممکن ہوتا تھا نہ مساجد میں تراویح وغیرہ کا انتظام حسب ضرورت ہو رہا تھا۔ مسجد ابن عباسؓ وہاں کی بڑی مسجد ہے اس میں بھی تراویح اَلَمْ تَرَ کَیْفَ سے ہوتی تھیں اور اس میں بھی بہت کم آدمی آتے تھے باقی لوگ محلہ کی مسجدوں اور اپنے مکانوں میں پڑھتے تھے، کیونکہ گولیاں ہر وقت اوپر سے گزرتی رہتی تھیں۔ مولانا نے بھی اوّلاً مسجد ابنِ عباسؓ میں حسب عادت سابقہ تراویح پڑھنی شروع کی مگر چونکہ راستہ وہاں کا ایسا تھا جہاں پر گولیاں برابر آتی رہتی تھیں۔ اس لیے اس مسجد میں جاتے وقت خطرہ ضرور رہتا تھا اور پھر ایک شب میں یہ واقعہ پیش آیا کہ نماز مغرب پڑھ کر فارغ ہوئے ہی تھے ابھی تک نفل وغیرہ پڑھ رہے تھے اندھیرا ہو چکا تھا کہ بدوؤں نے ہجوم کیا۔ مسجد ابن عباسؓ کی چھت اور میناروں پر بھی ایک بڑا دستہ ترکی فوجیوں کا تھا اور مسجد کے قریب جو دروازہ تھا وہاں پر مورچہ بھی تھا۔ غرضیکہ طرفین میں خوب تیز گولی اور گولوں کی بارش دیر تک ہوتی رہی۔ خود مسجد میں بھی برابر گولیاں برستی رہیں، جو لوگ مسجد میں باقی تھے وہ ایک کونہ میں جدھر گولیوں کے آنے کا گمان نہ تھا بیٹھ گئے اس روز تراویح بھی نہیں ہوئی فقط چند آدمی۔۔۔ بوقت نماز عشاء فرض عشاء ایک طرف پڑھ کر جب کچھ سکون ہوا چلے گئے۔ اس کے بعد احباب اور خصوصاً سید امین عاصم صاحب نے اصرار کیا کہ آپ مسجد ابن عباسؓ میں نماز کے لیے نہ جایا کریں، دروازہ مکان کے قریب جو مسجد ہے اُس میں ہمیشہ نماز باجماعت پڑھا کریں۔ چنانچہ تمام رمضان اوقات خمسہ کی نماز وہاں پڑھتے تھے اس سال تراویح فقط الم ترکیف سے پڑھی گئی اس کے بعد مولانا رحمتہ اللہ علیہ نوافل میں سحر کے وقت تک مسجد میں مشغول رہتے تھے، مولوی عزیز گل صاحب اور کاتب الحروف بھی اسی مسجد میں علیحدہ علیحدہ نفلوں وغیرہ میں وقت گزارتے، چونکہ

گرمیوں کی رات تھی جلد تر سحور کا وقت ہو جاتا تھا پھر آ کر کچھ سحری پکاتے جو کہ میٹھے چانول ہوتے تھے مگر چونکہ شکر وہاں ملتی نہ تھی اس لیے شہد کی بجائے شکر چانول اور چاء میں استعمال کرتے تھے اور اکثر تو نمکین چاول بغیر گوشت پکایا جاتا تھا' ایک آنہ والی روٹی آٹھ آنے کو بمشکل ملتی تھی مگر دہلی کے تاجروں میں سے حاجی ہارون مرحوم نے تھوڑے چانول مولانا مرحوم کے لیے ہدیۃً بلا طلب بھیج دیے تھے جو کہ عمدہ قسم کے تھے انہوں نے بہت کام دیا' اس مدت میں جو کہ تقریباً دو ماہ تھی ہم نے دس بارہ اشرفی طائف میں بوجہ گرانی کھا ڈالی۔

طائف سے روانگی:

عید کے بعد تمام اہل شہر چونکہ بھوک سے مرنے لگے تھے۔ حکام کے پاس جا کر شکایت کی کہ اب ہمارے پاس کھانے کیلئے کچھ نہیں رہ گیا ہے۔ ہمارے پاس جتنے حیوانات دودھ یا سواری کے تھے کھا ڈالے غلہ سب ختم ہو گیا اب ہمارے لیے کوئی صورت کیجیے ہم سب مرے جاتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اچھا صبح کے آٹھ بجے سے بارہ بجے تک باب ابن عباس سے روانگی کے لیے ہم تم کو اجازت دیں گے ہم اپنی حد میں تم کو کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ باقی شریف کے آدمی تم کو نقصان پہنچائیں تو اس کے ہم ذمہ دار نہیں۔

الحاصل اس طرح لوگوں کو ایک فارم مع ان کے اہل وعیال کے نام کے دیا جاتا تھا۔ کہ وہ کہیں آ کر ترکی حکومت سے جنگ نہ کریں گے پھر ان کو مع ان کے ضروری اسباب کے باہر نکلنے دیا جاتا تھا جب اس طرح سے لوگ نکلنے لگے تو پھر ہم سبھوں کو بھی ضروری معلوم ہوا کہ نکل چلیں چنانچہ ۶ شوال ۱۳۳۴ھ کو بوقت صبح ہم بھی باب ابن عباسؓ سے نکلے اور وہاں سے چل کر پھرتے ہوئے (قیم) میں پہنچے یہ وہ

مقام ہے جہاں پر شریف کا بیٹا عبداللہ بیگ جو کہ کماندار بدوؤں کا تھا مقیم تھا اور تمام فوجی حرکات کا یہی مرکز تھا یہیں مصری فوج کے خیمے بھی تھے چونکہ ہمارے پاس نہ سواری تھی اور نہ نقد وغیرہ اور راستہ دور تھا ادھر حضرت مولاناؒ نہایت ضعیف تھے۔ تین دن تک پہاڑی راستہ کو قطع (طے) کرنا آسان نہ تھا علاوہ ازیں اسباب بھی تھا اس لیے وہاں جانا ضرور ہوا عبداللہ بیگ سے ملاقات ہوئی اعزاز واکرام سے پیش آیا ایک خیمہ کھڑے کرنے کا حکم کیا ایک دنبہ ذبح کر کے دعوت پیش کی (عرب میں عادت ہے کہ معزز مہمان کی دعوت میں دنبہ ذبح کرنا ضروری ہے) اور پھر انجیر وغیرہ میوہ جات بھیجے اور ایک اشرفی نذر کی اور کہا کہ شب کو یہاں قیام کرو علی الصباح (صبح سویرے) تم کو روانہ کر دیا جائے گا مگر علی الصباح لڑائی پر چلا گیا اس کے لوگوں نے خالی پشت شتر کا انتظام کر دیا کرایہ بھی خود دیا اور زادراہ (سفرخرچ) بھی' اس طرح وہاں سے روانہ ہو کر ہم دسویں شوال کو مکہ معظمہ علی الصباح پہنچے' عمرہ کا احرام تھا افعال عمرہ ادا کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ دو تین دن کا عرصہ گزرا ہے۔ کہ مولانا خلیل احمد صاحب متعلقین اور مولوی ہادی حسن صاحب اور حاجی شاہ بخش صاحب جدہ تشریف لے گئے ہیں کیونکہ جدہ میں ہندوستان جانے والا جہاز آنے والا ہے اس لیے ہندوستان کا قصد ہے یہاں کے احوال دیکھ کر مولانا صاحب گھبرا گئے ہیں اور یہ معلوم نہ تھا کہ طائف سے مولانا مرحوم کب تک آ سکیں گے چونکہ مولانا مرحوم اور مولانا خلیل احمد صاحب میں ہمیشہ سے تعلقات نہایت قوی اور گہرے تھے اس لیے مناسب نہ معلوم ہوا کہ وہ ہندوستان چلے جائیں اور ملاقات نہ ہو نیز جدہ میں اور دوسرے کاروبار بھی تھے۔ ایک یا دو روز مکہ معظمہ میں قیام فرما کر جدہ سب کے سب پہنچے وہاں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رامپوری رباط میں اوپر کے طبقہ میں فروکش تھے اسی کے وسطانی طبقہ میں ہم

سکھوں نے بھی قیام کیا چونکہ جہاز کے آنے میں کچھ دیر لگی اسی لیے تقریباً پندرہ بیس دن وہاں قیام کرنا پڑا جب جہاز آ گیا تو حضرت مولانا خلیل احمد صاحب مع اہلیہ صاحبہ وحاجی مقبول احمد صاحب ومولوی ہادی حسن صاحب وحاجی شاہ بخش صاحب سوار ہو گئے۔ ان کو جہاز تک پہنچانے کے لیے حضرت مولاناؒ بھی تشریف لے گئے۔

الحاصل اس کے بعد پھر جدہ کے قیام کی کوئی ضرورت نہ تھی بہت جلد مکہ معظمہ واپس چلے آئے حج کا زمانہ قریب تھا حجاج کی آمد ہو رہی تھی کاتب الحروف پر بعض احباب نے زور دیا کہ علم حدیث وغیرہ کی بعض کتابیں درس کے طور پر حرم شریف میں شروع ہو جانی چاہئیں چنانچہ ان کو شروع کرا دیا اور اوائل ذی الحجہ (ذی الحجہ کے شروع) میں مولوی مسعود احمد صاحب بھانجہ داماد خورد حضرت مولانا مرحوم اور مولوی ولی احمد صاحب مدرس حسن پور ضلع مراد آباد اور دیگر حجاج تشریف لائے ان کی زبانی معلوم ہوا کہ گورنمنٹ کی نگاہیں حضرت مولانا پر نہایت سخت پڑ رہی ہیں۔ گورنمنٹ تک اس قدر افواہیں پہنچائی گئی ہیں کہ مولانا مرحوم کا بہت سخت بدظنی کے ساتھ انتظار کیا جا رہا ہے۔ ہر آگ بوٹ کی تفتیش بہت زیادہ کی جاتی ہے آگبوٹ کے پہنچتے ہی پولیس کمشنر اور متعدد عہدہ دار آگبوٹ پر آتے ہیں اور مولانا کی نسبت ہر شخص سے پوچھتے اور تحقیق کرتے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ جناب مولانا خلیل احمد صاحب بھی بجرد (اکیلے) پہنچنے کے مع ہمراہیوں کے زیر حراست لے لیے گئے اور سیدھے نینی تال بھیج دیے گئے حاجی شاہ بخش صاحب اگرچہ ہمراہیوں میں نہ تھے مگر حیدر آباد پہنچ کر وہ بھی زیر حراست لے لیے گئے اس لیے مولانا مرحوم نے یہ قصد ضرور فرمایا کہ جو کچھ ہوا بھی ہندوستان چلنے کا قصد مناسب نہیں حج کے ادا کرنے کا تو پہلے ہی سے قصد تھا اور یہ ضروری خیال تھا کہ جب ایام حج سر پر آ گئے ہیں ایسی مبارک نعمت کو چھوڑ

کر جانا کسی طرح مناسب نہیں مگر ہاں اگر یہ معلوم ہو جاتا کہ گورنمنٹ کو مولانا مرحوم سے کوئی خاص پرخاش اور بدظنی نہیں ہے تو غالباً حج کرتے ہی مولانا مرحوم ہندوستان کو ضرور روانہ ہو جاتے۔

ایام حج آہستہ آہستہ اور تمام امور حج سے بحمد اللہ فراغت کاملہ حاصل ہوئی اس زمانہ میں یہ بات بھی خاص طور سے وقوع میں آئی ہے کہ جناب حکیم عبدالرزاق صاحب نے بذریعہ مولوی مسعود احمد صاحب ایک ہزار روپیہ مولانا مرحوم کے پاس اخراجات حجاز کے لیے روانہ فرمایا کیونکہ اس مدت میں جو روپیہ مولانا کے پاس تھا وہ تقریباً خرچ ہو چکا تھا اور باقی ماندہ کچھ زیادہ مقدار نہ تھی۔

مولوی مسعود احمد صاحب پر شبہ:

مگر چونکہ مولوی مسعود احمد کی روانگی یکبارگی بلا شہرت ہوئی علی ہذا القیاس ان کا بمبئی پہنچنا بھی جہاز کی روانگی کے وقت ہوا جس کا اصلی سبب غالباً یہ تھا کہ حکیم صاحب موصوف کو یہ خیال غالباً اخیر میں ہوا۔ وہ ان روپوں کو تاجروں کے ذریعہ بھی بھیج سکتے تھے مگر ساتھ ہی شاید اس گمان پر کہ اگر مولودی مسعود احمد صاحب جائیں گے تو گھر کے سب لوگوں کے احوال بیان کر دیں گے اور مولانا کو اپنے جملہ اقارب کی طرف سے مطمئن کر دیں گے۔ ان کے واسطے سے بھیجنا ضروری سمجھا اور ان سے اس وقت کہا جب کہ جہاز کی روانگی سر پر آ پہنچی تھی۔ بمبئی تار دے کر ٹکٹ وغیرہ کا انتظام کر دیا غرضیکہ ان کی اور آگبوٹ کی روانگی کے بعد گورنمنٹ کو خبر پہنچی اس لیے گورنمنٹ کو شبہ دلایا گیا کہ اس طرح روانہ ہونا خالی از علت (کسی وجہ سے خالی) نہیں ہو سکتا ضرور کوئی چیز ان کے ہمراہ ہے چنانچہ جس وقت آگبوٹ عدن پہنچا پولیس ان کی تفتیش کے لیے سر پر آ دھمکی مگر وہاں کیا تھا تمام اسباب تفتیش کیا۔ ہر چیز کو دیکھا

کوئی مشتبہ چیز ہاتھ نہ آئی آخر کار اپنا منہ لے کر چھوڑ دیا مگر اس پر بھی گورنمنٹ کو باور نہ ہوا۔ ایک شخص سی آئی ڈی کا انسپکٹر مسمی بہاؤ الدین جدہ بھیجا گیا جو کہ بعہدہ ظاہر یہ محافظ حجاج کے عہدہ پر تعینات کیا گیا تھا اور غالباً وہ مرحوم کی نقل وحرکت کی تفتیش کی غرض سے وہاں مامور تھا اسی زمانہ میں اہل سورت وراندیر سے بعض احباب اور تلامذہ (شاگردوں) نے بھی مولانا کی خدمت میں ایک ہزار روپیہ ارسال کیا جو کہ بذریعہ تجار تھا۔ حج کرنے کے بعد مولوی مسعود احمد صاحب اور عموماً حجاج واپس ہو گئے کیونکہ مدینہ منورہ کا راستہ اس سال بند تھا مولوی مسعود احمد صاحب جب جہاز پر سوار ہو گئے تو بہاؤ الدین نے ان کی تلاشی آگبوٹ پر لی مگر کوئی مشتبہ چیز برآمد نہ ہوئی مگر پھر بھی بمبئی پہنچتے ہی زیر حراست کے لیے گئے اور پھر ان کو آلہ آباد جیل میں پہنچایا گیا اور اس قدر سختی کی گئی کہ بیچارے نے چھوٹی چھوٹی باتیں بنا کر جان چھوڑائی۔

خان بہادر مبارک علی:

ایام حج میں اورنگ آباد کے خان بہادر مبارک علی مکہ معظمہ تشریف لائے سرکاری آدمی تھے لن ترانیاں خوب ہانکتے تھے شریف صاحب کے یہاں پہنچے ترکوں کو ہر مجلس میں برا کہتے تھے حکومت موجودہ کی مدح سرائی میں زبان خشک ہو جاتی تھی انہوں نے ظاہر کیا کہ میں گورنمنٹ ہند کی طرف سے بھیجا ہوا آیا ہوں تا کہ حجاز کے احوال کو دریافت کر کے واقعی باتیں اہل ہند کو بتاؤں کیونکہ ہند میں اس وقت بے چینی بہت پھیلی ہوئی ہے اور عموماً اہل ہند پر برطانیہ صدائے احتجاج بلند کرتے ہوئے بادشاہ حجاز کو برا بھلا کہتے ہیں اس لیے ضروری ہے کہ ایک اعلان علماء مکہ کی طرف سے مجھ کو دیا جائے جس میں ترکوں اور ان کی حکومت اور خلافت کی برائیاں ہوں ان کے استحقاق خلافت پر پُرزور مضمون سے روکا گیا ہو اس موجودہ انقلاب اور حکومت حاضرہ

کی بھلائیاں ذکر کی گئی ہوں چنانچہ ایسا ایک محضر (قاضی کی طرف سے عرضی نامہ) تیار کیا گیا اور وہاں کے ان علماء سے جن کو دربار شرافت میں دخل تھا اور صاحب عزت وشوکت شمار کیے جاتے تھے اس پر دستخط اور مہر کرایا گیا۔ بہتوں نے خوشی سے اور بہتوں نے خوف سے دستخط اور مہر کر دیا۔ خان بہادر موصوف کے پاس جب یہ محضر پہنچا تو انہوں نے کہا کہ ان علماء کو کوئی ہندوستان میں نہیں جانتا کون تصدیق کرے گا مناسب ہوگا کہ حضرت مولانا محمود حسن صاحب جو کہ علماء ہند میں ایک مشہور اور مسلم شخص ہیں ان کے اور دیگر علماء ہند کے دستخط اور مہر ہوں (نہ معلوم یہ اسی واسطے وہاں بھیجے گئے تھے کہ اس ذریعہ سے مولانا مرحوم کو وہاں سے پکڑا جائے یا یہ قضیہ اتفاقیہ تھا‘ الحاصل اس مضمون کو وہاں کے شیخ الاسلام مفتی عبداللہ سراج جو کہ زمانہ حکومت ترکیہ میں مفتی احناف تھے اور اب انقلاب کے بعد عہدہ شیخ الاسلامی اور وکالت شرافت پر مامور ہو گئے تھے۔ بذریعہ نقیب العلماء مولانا کے پاس بھیجا اواخر محرم الحرام ۱۳۳۵ھ میں عصر کے بعد وہ اس محضر کو لے کر مکان پر آیا اس زمانہ میں اہالی (باشندگانِ) میں سے جو لوگ مہاجرین ہند اور علم دوست تھے انہوں نے ظہر کے بعد مولانا مرحوم سے بخاری شریف کو شروع کر رکھا تھا مکان اقامت ہی پر درس دیا کرتے تھے جب وہ کاغذ آیا تو چونکہ اس کی سرخی تھی "**من علماء مكة المكرم المدرسين بالحرم الشريف المكى**" یعنی یہ تحریر مکہ مکرمہ کے ان علماء کی طرف سے ہے جو کہ حرم شریف مکی میں پڑھاتے ہیں اس لیے ان سے کہا گیا کہ اولاً اسی سرخی کی وجہ سے کوئی استحقاق نہیں اور نہ حرم مکی یعنی مسجد الحرام میں مولانا نے کبھی تدریس کی ثانیاً۔ اس میں قوم ترک کی مطلقاً تکفیر کی گئی ہے اور درباره اس کے جو کچھ احتیاط اور سخت احکام ہیں آپ کو معلوم ہے ثالثاً اس میں وجہ تکفیر سلطان عبدالحمید خان کا تخت سے اتار دینا لکھا

گیا ہے حالانکہ کسی فقیہ نے اس کو موجبات کفر میں سے قرار نہیں دیا رابعاً اس میں خلافت سلاطین آل عثمان کا انکار کیا گیا ہے حالانکہ یہ امر مخالف نصوص شرعیہ ہے خامساً اس میں اس انقلاب اور حرکت کو مستحسن دکھایا گیا ہے اور یہ بھی شرعاً نہایت قبیح واقع ہوا ہے۔

چونکہ کاتب الحروف کی نقیب العلماء سے کچھ پہلے سے معرفت تھی اس لیے ان سے تمام کیفیتیں ظاہر کر دینے کے بعد یہ کہا گیا کہ تم شیخ الاسلام سے یہ کہہ دینا کہ مولانا نے اس پر دستخط اور مہر سے اس وجہ سے انکار کر دیا کہ اس کا عنوان اہل مکہ اور مدرسین کے ساتھ مخصوص ہے میں آفاقی شخص ہوں پردیسی ہونے کی وجہ سے مجھ کو کوئی استحقاق (حق) اس پر دستخط کرنے کا نہیں اور یہ کہا گیا کہ ابھی دوسری وجوہ کو ان پر ظاہر نہ کرنا اگر پھر انہوں نے اصرار کیا تب ان وجوہ کو پیش کیا جائے گا وہ اسی وقت واپس ہو گئے اور پھر کوئی جواب نہ لائے اس محضر کا شہر میں پہلے سے چرچا تھا جو لوگ حقانی تھے ان کو خوف لگا ہوا تھا کہ اگر ہمارے پاس آیا تو ہم کیا جواب دیں گے اور کس طرح جان چھڑائیں گے مولانا مرحوم کے رد کرتے ہی تمام شہر میں مشہور ہو گیا کہ مولانا نے اس پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا اب تو دوسروں کو بھی ہمت ہو گئی۔

ادھر شیخ الاسلام صاحب کو تنبہ ہوا انہوں نے عبارت سابقہ بالکل بدل ڈالی اور اس طرح اس کو لکھا کہ اس میں سے مبحث تکفیر بالکل خارج ہو گیا مگر دستخط کرنے کو پھر نہیں بھیجا جو عبارت دوسری مرتبہ بنائی گئی تھی اس پر پہلے علماء سے فقط دستخط لے کر اخبار ’’القبلہ‘‘ میں بھی چھاپ دیا گیا اور اسی کو خان بہادر مبارک علی خان لے کر روانہ ہو گئے خیر خواہوں نے مولانا مرحوم سے کہا کہ کہیں شریف آپ کو کوئی اذیت (تکلیف) نہ پہنچائے مولانا مرحوم نے فرمایا کہ پھر کیا کیا جائے مذہبی حیثیت سے اس پر مہر و دستخط

کسی طرح درست نہ تھا آئندہ جو کچھ تقدیر الٰہی میں ہوگا جھیلیں گے۔

مولانا کو پہلے سے بھی بارہا یہ خیال آیا تھا کہ مکہ معظمہ میں ہمارا قیام کرنا کسی طرح مناسب نہیں بلکہ شریف کے احاطہ حکومت میں رہنا خالی از خطرہ نہیں کیونکہ گورنمنٹ انگریزی کو لوگوں نے اس طرح بدظن کر رکھا ہے اور شریف سے اور گورنمنٹ سے از حد اتحاد ہے پھر کیونکر بہتری کی اُمید کی جائے اس لیے بار بار تقاضا فرمایا کہ کوئی صورت جلد یہاں سے نکلنے کی ہونی چاہیے مگر اگر فقط مولانا صاحب کی ذات مبارک ہوتی تو ہر وقت نکلنا ممکن تھا وہاں تو کئی کئی آدمیوں کا مجمع اور بہت سا اسباب تھا ان سب کے لیے متعدد سواریوں کی ضرورت تھی جن کے انتظام میں بڑا کھڑاگ اور بہت شہرت کا سامنا تھا اس پر بھی فکر کیا گیا۔

حکیم نصرت حسین صاحب کا ذکر:

ایام حج سے پہلے حکیم نصرت حسین صاحب ساکن کوڑہ جہاں آباد ضلع فتحپور ہسوہ مع اپنے پھوپی زاد بھائی جناب مولوی سید ہاشم صاحب کانپوری عدن اور رپورٹ سوڈان ہوتے ہوئے تشریف لائے تھے حکیم صاحب موصوف نے دیوبند میں علم حدیث وغیرہ پڑھا تھا یہاں ہی ان کی دستار بندی ہوئی تھی مولانا مرحوم سے بیعت بھی تھے اور مولانا سے ان کو نہایت زیادہ تعلق تھا طبیعت نہایت زیادہ جوشیلی اور خدا پرست تھی احوال حاضرہ کی کشمکش اور عالم اسلام کے تسفل (زوال) ہندوستان کی غلامی نے ان کو سخت پیچیدگیوں میں ڈال رکھا تھا ان دنوں یہ دونوں حضرات مکلا وغیرہ ہوتے ہوئے حج کو تشریف لائے والی مکلا سید ہاشم صاحب سے واقف تھا اور ان کے دادا مولانا عبدالحق صاحب کے کانپوری مرحوم کے معتقدین میں سے تھے انہوں نے ہی انتظام ان دونوں حضرات کے سفر کا کر دیا تھا اور بذریعہ برٹش حاکم عدن

پورٹ سوڈان تک اور وہاں سے جدہ کا ٹکٹ بھی دلوادیا تھا چونکہ حکیم نصرت حسین صاحب طب یونانی سے واقف تھے اور ان کے ساتھ مجرب دوائیں موجودہ تھیں انہوں نے حاکم مکلا کی دوا بھی ایک مدت تک کی تھی اور بظاہر وہ اسی غرض سے مکلا پہنچے تھے پھر انہوں نے قصد حجاز کا کر دیا۔

خلاصہ کلام یہ کہ یہ دونوں حضرات بھی ابتداء ذی الحجہ یا اواخر ذیقعد میں مکہ معظمہ میں پہنچے عبد القادر سکندران کا مطوف تھا چونکہ ان دنوں وہ خود موجود نہ تھا اس کے بیٹے اور نوکر وغیرہ موجود تھے انہوں نے پوری طرح خدمت اور خبر گیری ان دونوں حضرات کی رکھی اس زمانہ میں مکہ معظمہ میں کوئی ترکی ٹوپی کا استعمال کرنے والا سوائے ان دونوں کے نہ تھا اس لیے عام طور پر لوگوں کی نظریں ان دنوں پر پڑتی تھیں حج سے فارغ ہونے کے بعد سید ہاشم صاحب ہندوستان واپس چلے گئے اور حکیم صاحب موصوف وہاں اس بنا پر ٹھہر گئے کہ شاید انہیں چند دنوں میں مدینہ منورہ کا راستہ کھل جائے تو مدینہ منورہ کی زیارت سے مشرف ہونا نصیب ہو اور چونکہ حضرت مولاناؒ کا بھی خیال مدینہ منورہ کے جانے کا ہو چکا تھا اس لیے انہوں نے اسی مکان میں آ جانا اور قیام کرنا مناسب سمجھا جہاں پر حضرت مولانا مقیم تھے سید ہاشم صاحب کا جہاز جب عدن پہنچا وہاں پر امیر مکلا نے جو روپے ان کے لئے پہلے وعدہ کے طور سے تیار کر رکھے تھے بذریعہ اپنے وکیل کے پیش کیے کیونکہ جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں اولاتو امیر مذکور ان کے دادا کا معتقد تھا اس کو بھی حیدآباد سے تعلق ہے اور ان کے دادا صاحب بھی وہاں کے معتقد علیہ لوگوں سے تھے ثانیاً یہ بھی سادات علویہ (علوی خاندان) میں سے ہیں جن کا حضرموت میں قیام اور مرکز ہے اور امیر مذکور ان سادات کا ہمیشہ سے خادم اور معتقد رہا ہے ثالثاً یہ دونوں وہاں اس کے پاس بطور مہمانی

گئے تھے اس کے لیے اداء خدمت ونذرانہ ضرور تھا رابعاً حکیم صاحب سے اس نے مفید اور سریع التاثیر (جلدی اثر کرے والی) دوائیں پائی تھیں جن کو وہ ہزاروں کے خرچ میں نہیں پا سکتا تھا ان وجوہ سے اس نے ان کے لیے اپنے وکیل کے پاس کچھ نقد جمع کر رکھا تھا ان کا جہاز جب عدن پہنچا تو یہ بوجہ واقفیت سابقہ اس سے ملے اس نے وہ نقد پیش کیا جب یہ بمبئی پہنچے تو گورنمنٹ نے ان کو زیر حراست (قید میں) لے لیا اور جو کچھ نقد ان کے پاس تھا وہ بھی ضبط کر لیا اور تہمت یہ رکھی کہ تم اس سے امیر کابل سے سازش کرنا چاہتے ہو۔ بیچارے ایک مدت دراز تک آلہ آباد اور فتحپور کی جیل میں رہ کر پھر چھوٹے مگر نقد اب تک نہیں ملا۔

* * *

واقعہ اسارت مکہ معظمہ

میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ اس فتوے کے واقعہ کے بعد ہم کو عموماً اور مولانا کو خصوصاً اس کا خیال تھا کہ مکہ معظمہ سے باہر چلا جانا اور خصوصاً شریف کی قلمرو سے بیرون ہو جانا نہایت ضروری ہے مگر اسباب اور ہمراہیوں کے تعدد کی وجہ سے اشکال تھا حضرتؒ کا تقاضا بھی شدید تھا بہت کچھ انتظام کیا جس کی کچھ صورت ہو گئی تھی غالباً اگر دو چار یوم کی تاخیر ہو جاتی تو ہم روانہ ہو چکے ہوتے مگر تقدیر کا لکھا ہوا ہو کر رہتا ہے شریف صاحب جدہ گئے اور وہاں کرنیل ولسن معتمد برطانیہ سے خدا جانے کیا گفت وشنید ہوئی کہ شیخ الاسلام کے نام حکم آیا مولانا اور ان کے جملہ ہمراہیوں اور حکیم نصرت حسین صاحب اور سید ہاشم صاحب کو زیر حراست یہاں بھیج دو مگر سید صاحب کی نسبت کہا گیا کہ وہ روانہ ہو گئے سید امین عاصم صاحب کو اس کی خبر رات کو ہی ہو گئی تھی مگر انہوں نے ہم کو کچھ نہیں بتایا صبح کو شیخ المطوفین احمد بجی مولانا کے پاس مکان پر پہنچا اس وقت حضرت مولاناؒ کے پاس مولوی عزیز گل صاحب اور دوسرے رفقا تھے کاتب الحروف نہ تھا اس نے کہا کہ تمہاری گورنمنٹ جس کی تم رعایا ہو تم کو طلب کرتی ہے اس لیے مجھ کو شریف کی طرف سے حکم ہوا ہے کہ تم کو راحت کے ساتھ روانہ کر دوں جس سواری کی اور جتنی سواریوں کی ضرورت ہو ہم کو بتلا دو تا کہ ان کا انتظام کر دیں مولوی عزیز گل صاحب سے اس کی کچھ زیادہ گفتگو ہوئی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ ہم یہاں کسی کافر گورنمنٹ کو نہیں پہچانتے ہم حرم خداوندی میں امان لیے ہوئے ہیں۔ اگر شریف

ہم کو یہاں سے نکالتے ہیں تو ہم خوشی سے نہ جائیں گے جب تک کہ تم ہم کو ڈنڈے کے زور سے نہ نکالو وہ کچھ پیچ وتاب کھا کر جواب دے رہے تھے اتنے میں (کاتب الحروف) پہنچ گیا قصہ دریافت کیا حال معلوم ہوا آخر کار یہ رائے قرار پائی کہ سید امین عاصم صاحب سے اس بارہ میں چارہ جوئی کرنی چاہیے وہ کچھ اس بارہ میں سعی کریں چنانچہ ہم سے ان کے مکان پر گئے تو معلوم ہوا کہ ان کو پہلے سے خبر ہے کہ رات کو یہ حکم شریف کا شیخ الاسلام کے پاس آچکا ہے پھر آخر کار رائے یہ ہوئی کہ سب کو مل کر شیخ الاسلام کے پاس حمیدیہ میں جہاں حکام کا مرکز ہے چلنا چاہیے اور اس سے گفت وشنید کرنی چاہیے چنانچہ وہاں گئے اول سید صاحب اوپر گئے اور ہم سبھوں کو نیچے بٹھا گئے انہوں نے جب شیخ الاسلام سے گفتگو کی تو اس نے وہی فتوے پر دستخط نہ کرنے کا الزام رکھا انہوں نے جواب دیا کہ وہ نیچے موجود ہیں ان میں سے حسین احمد عربی میں آپ کو وجہ اور اصلیت بتلا سکتا ہے اس کو بلایئے اور تحقیق کیجئے۔

شیخ الاسلام سے گفتگو:

الغرض مجھ کو بلایا گیا انہوں نے کہا کہ مولانا ہمارے مخالف ہیں ہم کو باغی کہتے ہم کو خارجی کہتے ہیں اس لیے ان کو باغیوں کی حکومت میں نہ رہنا چاہیے میں نے کہا کہ آخر آپکو یہ کہاں سے معلوم ہوا انہوں نے کہا کہ مولانا نے فتوے پر دستخط کیوں نہیں کیے میں نے کہا آپ خود نقیب کو بلا کر پوچھیے چونکہ اس کا عنوان (سرخی) یہ تھا کہ **من علماء مكة المكرمة المدرسين بالحرم المكي** تو مولانا نے فرمایا کہ نہ تو میں مکہ معظمہ کے علماء میں سے ہوں اور نہ میں مسجد الحرام میں پڑھاتا ہوں اس لیے مجھ کو اس پر دستخط کرنے کا کوئی استحقاق نہیں اس نے اس جواب کا انکار کیا آخر کار نقیب بلایا گیا اور اس نے اس کی تصدیق کی شیخ الاسلام نے کہا کہ تم ہمارے حکم

سے نافرمانی کرتے ہو میں نے کہا کہ ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ آپ ہم کو کل تک کی اجازت دیدیں کل کو شریف صاحب خود آجائیں گے ہم ان سے کچھ عرض کرلیں وہ اگر راضی نہ ہوئے تو ہم امتثال حکم (حکم پورا کرنے) کے لیے تیار ہیں کہا کہ یہ نافرمانی نہیں؟ میں نے کہا کہ یہ استرحام (رحم طلب کرنا) ہے اور استرحام بادشاہ اور وزیر سے سبھوں سے ہوسکتا ہے تب ذرا ڈھیلا ہو کر کہنے لگا کہ مولانا سیاسی مجالس منعقد کرتے ہیں میں نے کہا کہ آپ کو غلط خبر پہنچائی گئی ہے مکان پر مولانا بخاری شریف پڑھاتے ہیں اس کے پڑھنے اور سننے کے واسطے لوگ جمع ہوجاتے ہیں کوئی سیاسی مجلس منعقد نہیں کی جاتی اس نے کہا کہ اس میں پہلے یا بعد کوئی سیاسی تذکرہ نہیں ہوتا؟ میں نے کہا ہاں کبھی بعد درس کے بعض باتوں کا جو اخباروں میں یہاں آتی ہیں تذکرہ ہوتا ہے کہ جن کا تعلق آپ کے داخلی احکام ونظام سے کوئی نہیں فقط خارجی امور سے تعلق رکھتی ہیں۔ کہا کہ مولانا بعد مغرب مسجد الحرام میں بھی سیاسی مجلس منعقد کرتے ہیں میں نے کہا یہ بھی غیر واقعی (جھوٹی) خبر ہے مغرب کے بعد مولانا نوافل دیر تک پڑھتے رہتے ہیں اس کے بعد ہم فقط چند خدام مولانا کے پاس حاضر ہوجاتے ہیں وہاں کوئی مجلس نہیں ہوتی اور نہ امور سیاست سے کوئی تعلق ہوتا ہے اس نے کہا تو نے حافظ عبدالجبار صاحب دہلوی کی دوکان پر یہ کہا کہ یہاں پر سب چیزیں اور احکام انگریزی ہوگئے ہیں میں نے کہا کہ میں نے سب چیزوں اور سب احکام کو نہیں کہ بلکہ ایک کتاب کی جلد باندھ کر ایک صاحب لائے تھے ان سے حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا کہ افسوس کہ اب سب چیزیں افرنجی (انگریزی) پسند ہونے لگیں میرا اشارہ اور مطمع کلام لد کے سوا دوسرا کوئی امر نہ تھا میں نے کہا کہ ہر خبر کی آپ تصدیق کیونکر فرمالیتے ہیں اس نے کہا کہ ہمارے پاس خبر لانے والے تو یہی لوگ ہوتے ہیں فرشتے تو لانے سے

رہے۔

الغرض اخیر میں اس نے اگلے دن اجازت دے دی کہ کل کو تشریف لے جایئے گا تو خود ان سے گفتگو کر لینا ہم خوشی خوشی گھر چلے آئے اور سارا قصہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے تمام راستہ بیان کرتے رہے خیال یہ بھی ہوتا تھا کہ شب کو کسی طرف نکل چلیں تاکہ ان کے دست برد سے بچے رہیں۔

◆

مصالحت کی کوشش

مگر حافظ عبدالجبار صاحب دہلوی نے کوشش یہ کی کہ شیخ الاسلام کی مولانا سے صفائی ہو جائے تو بہتر ہے وہ شریف سے بھی کہہ لے گا اس لیے لوگوں کو درمیان میں ڈال کر کچھ گفتگو اور مجھ کو بلا کر کہا کہ اگر تو اس پر راضی ہو کہ شیخ الاسلام کے ہاتھ چوم کر معافی طلب کر لے تو یہ سب قصہ رفع دفع ہو جائے میں نے کہا کہ مولانا کی راحت کے لیے شیخ الاسلام کے ہاتھ تو درکنار میں پیر چومنے کے لیے بھی تیار ہوں انہوں نے فرمایا کہ تو مغرب کے بعد ہمارے مکان پر آ جانا ہم تجھ سے پہلے شیخ الاسلام کے یہاں جائیں گے اور پھر جس وقت ہمارا آدمی تیرے پاس آوے اس وقت تو اس کے ساتھ چلے آنا الغرض ایسا ہی کیا گیا مغرب عشاء کے درمیان میں وہ حضرات مجتمع ہو کر علی مالکی (مفتی مالکیہ) کے مکان پر گئے شیخ الاسلام شام کو بوجہ اپنی سسرال ہونے کے بیٹھا کرتا تھا تھوڑی دیر کے بعد میرے پاس آدمی آیا میں وہاں پہنچا شیخ الاسلام کے ہاتھ چومے معافی طلب کر کے ایک طرف کو بیٹھ گیا اس نے جواب دیا کہ خواہ ہم نے ترکوں سے لڑنے میں غلطی کی یا صواب (ٹھیک) کیا مگر اب جب کہ لڑائی ٹھن گئی اور ہم اس میدان میں اتر آئے ہیں تو جب تک کہ ہماری عورتیں اور بچے باقی ہیں ہم لڑیں گے میں نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا تھوڑی دیر بیٹھ کر قہوہ پی کر میں چلا آیا اب جملہ احباب کو بھی اور ہم کو بھی اطمینان ہو گیا کہ قصہ رفع دفع ہو گیا کوئی ضرورت نہیں کہ جلدی کر کے یہاں سے سفر کیا جاوے اگلے روز جب شریف صاحب

آئے تو شیخ الاسلام نے اس سے کہا کہ وہ لوگ (ہم سبھوں کی نسبت) رات کو آئے تھے اور معافی کے خواستگار ہوئے ہیں اس لیے ان کو چھوڑ دیا گیا شریف نہایت برہم ہوا کہ کیوں نہ تم نے ان کو شب ہی روانہ کر دیا ان کو آج ہی روانہ کر دو ان کو کسی طرح مت معاف کرو اور بہت سختی کے کلمات کہے اس خبر کے پہنچنے پر ہم میں سے بعض احباب کی رائے ہوئی کہ مولانا کو اور ان کے ساتھ وحید احمد کو کہیں چھپا دیا جائے اور شب کو ان کو کسی دوسری جگہ روانہ کر دیا جائے باقی لوگوں کو دو چار دن غایۃ مافی الباب قید رکھیں گے پھر چھوڑ دیں گے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا تھوڑی دیر بعد پولیس کا آدمی مجھ کو اور وحید کو بلانے کے لیے پہنچا وحید موجود نہ تھا مجھ کو حمیدیہ میں بلا کر لائے کمشنر پولیس نے مجھ کو کہا کہ تو انگریزی حکومت کو برا کہتا ہے اب اس کا مزہ چکھ اور قید خانے میں مجھ کو بھیج دیا۔

مکہ معظمہ کے قید خانے:

مکہ معظمہ میں تین قید خانے ہیں ایک متمدن اور دو غیر متمدن قید خانہ تو حمیدیہ میں ہے جس میں آدمی مکان سے باہر نہیں جا سکتا ہے اس کا لباس وغیرہ وہی رہتا ہے اس سے کوئی کام بھی نہیں لیا جاتا اس سے جو شخص چاہے آ کر مل سکتا ہے لوگوں کا کھانا ان کے گھروں سے آتا ہے اور غیر متمدن قید خانے شریف کے مکان کے پاس ہیں ایک تو تہ خانہ ہے جس میں بہت سی سیڑھیوں سے اُترنا ہوتا ہے اس میں روشنی بالکل نہیں دن و رات وہاں یکساں رہتا ہے اور دوسرا مرتبہ اس میں وہ ہے جس کو تخشیبہ کہتے ہیں لکڑیوں میں پیر ڈال دیئے جاتے ہیں جن کی وجہ سے آدمی چل پھر بھی نہیں سکتا اس اندھیرے میں ننگا مادرزاد لکڑی کے تختوں میں پیر پڑا رہتا ہے غرض یہ کہ یہ دونوں قید خانے نہیں بلکہ عذاب دوزخ کے نمونے ہیں کاتب الحروف کو اس متمدن قید خانہ حمیدیہ میں رکھا گیا (شام اور صبح کو کھانا سید امین عاصم صاحب مطوف نے بھیجا)

اس کے بعد پولیس نے مولانا کو تلاش کیا چونکہ مکان پر موجود نہ تھے اس لئے مولوی عزیز گل صاحب اور حکیم نصرت حسین صاحب کو پکڑا اور کہا کہ جہاں سے ممکن ہو مولانا کو ڈھونڈ کر لاؤ انہوں نے میری نسبت دریافت فرمایا تو یہ جواب ملا کہ وہ تو قید خانہ میں ہیں ان دنوں خدام نے مولانا کی لاعلمی بیان کی باوجود سخت تقاضے اور دھمکی موت کے ان خدام نے کچھ پتہ نہیں دیا بالآخر یہ دونوں اسی مکان میں حضرت کی آمد تک مقید رکھے گئے اور شریف کے نوکر چاکر حضرت کی تلاش میں رہے۔

دہلی کے تاجروں کی ہمدردی:

دہلی وغیرہ کے بڑے بڑے تاجروں کی ایک جماعت شریف کے یہاں پہنچی اور کہا کہ ہم آپ کی خدمت میں استرحام (رحم طلب کرنے) کے لیے حاضر ہوئے ہیں اگر مولانا اور ان کے رفقاء سے کوئی قصور ہوا ہو تو آپ خود ان کو اپنی مملکت میں سزا دیں غیر مسلم قوموں کے حوالے کیوں کرتے ہیں اور حرم خداوندی سے کیوں نکالتے ہیں آپ کو یاد ہوگا کہ ترکی حکومت کے زمانہ میں جب کہ ترکوں نے بعض آدمیوں کو قید کر کے فلاں تاریخ کو غیر مسلموں کو دینا چاہا تھا تو آپ خود مانع ہوئے تھے اور ان کو چھوڑ دیا تھا پھر اب تو آپ خود مستقل ہیں اب تو ہماری امیدیں آپ سے بہت زیادہ وابستہ ہیں اس نے جواب دیا کہ ہماری اور انگریزوں کی دوستی ابھی نئی ہے ہم نہیں چاہتے کہ ہم ان کی رعایا کو کوئی سزا دیں اور پھر وہ ہماری دوستی میں فرق اور خلاف کا باعث ہو ہم کو ان کی دوستی قائم رکھنی ضروری ہے ہم کسی طرح اس وقت کوئی رعایت نہیں کر سکتے (حقیقت تو یہ ہے کہ وہ خود مجبور تھا غالباً اس پر حکم کیا گیا کہ مولانا کو تسلیم (سپرد) کر دے) غرض کہ ان کی بھی کوئی بات نہ سنی گئی جب شام کا وقت ہو گیا اور مولانا باوجود تفتیش کثیر ہاتھ نہ لگے تو پھر شریف کو خبر دی گئی کہ مولانا تو ہاتھ نہیں آتے خدا جانے کہاں ہیں۔

شریف نے حکم کیا کہ اگر عشاء تک مولانا آ موجود نہ ہوئے تو دونوں ساتھیوں کو گولی سے ماردو اور مطوف کے سو کوڑے لگاؤ اور مطوفیت چھین لو اس خبر کی وجہ سے مطوف صاحب کو نہایت پریشانی ہوئی اور مولانا کو بھی خبر پہنچی مولانا نے فرمایا کہ میں کسی طرح گوارا نہیں کرتا کہ میری وجہ سے کسی کو کوئی آزار (تکلیف) پہنچایا جائے جو کچھ ہوگا میں اپنے سر پر جھیلوں گا اور نکلنے کے لیے تیار ہوئے احباب نے کہا کہ اچھا احرام کے لباس میں نکلئے تاکہ لوگوں کو خیال ہو جائے کہ یہاں تھے ہی نہیں چنانچہ احرام کے لباس میں مولانا مکان پر آ گئے اسی وقت اونٹ وغیرہ حاضر کیے گئے اور چاروں آدمی تقریباً عشاء کے وقت وہاں سے دواونٹوں پر روانہ کردیئے گئے مولانا روانگی کے وقت نہایت مطمئن تھے اور احباب سے رخصتی میں ملتے وقت فرماتے تھے کہ ''الحمدللہ'' بمصیبتے گرفتار نہ بمعصیتے۔''

منشی محمد حسین صاحب فیض آبادی چونکہ اکثر بیمار رہا کرتے تھے اس لئے ہم نے ان کو علیحدہ کردیا تھا اور کہہ دیا تھا کہ اگر کوئی تم سے پوچھے تو کہہ دینا کہ میں فقط خدمت وغیرہ کی غرض سے یہاں آتا تھا۔ میں رفقاء میں سے نہیں ہوں مگر ان سے کسی نے تعرض بھی نہ کیا۔ مولانا کے ساتھ چند سپاہی بندوق لئے ہوئے حفاظت کے لئے ساتھ تھے جو نوبت بہ نوبت ہر مقام پر بدلتے رہتے تھے یہ سفر مولانا مرحوم کا مکہ معظمہ سے ۲۳ صفر شب یک شنبہ ۱۳۳۵ھ کو ہوا' دوشنبہ کی صبح کو ۲۴ صفر کو جدہ پہنچے۔

مجھ کو (کاتب السطور کو) قید خانہ میں کوئی حالت صبح تک معلوم نہ ہوئی۔ صبح کو جب احباب ملنے آئے تب سب کیفیت معلوم ہوئی۔ تھوڑی دیر کے بعد سید امین عاصم کے بھانجہ زادے سید احمد جعفری آئے اور کہا کہ سید صاحب نے تیرے چھوڑانے کے لئے بہت کوشش کی مگر چونکہ شریف بہت خفاء ہے اس لئے کم از کم آٹھ دس دن تک تجھ کو قید خانہ میں رہنا پڑے گا میں نے کہا کہ چونکہ میں مدینہ منورہ سے فقط مولانا کی خدمت کے لئے نکلا

ہوں اس لئے مجھ کو خدمت میں رہنا ضروری ہے اگر جدہ سے مولانا ہندوستان تشریف لے گئے۔ تو اپنے ساتھ رہنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ وہاں مجھ سے اعلیٰ اعلیٰ خدام موجود ہیں۔ اور اگر کسی دوسری جگہ ان کو بھیجا گیا تو میرا ساتھ رہنا ضروری ہے اس لئے جس طرح ممکن ہو مجھ کو مولانا کے پاس بھجوا دیجئے انہوں نے کہا کہ یہ بات تو آسان ہے ہم ابھی شیخ الاسلام سے جا کر کہے دیتے ہیں۔ کہ مادہ فساد میں سے بعض کا باقی رکھنا اور بعض کا اخراج کرنا مناسب نہیں اس لئے اس کو بھی وہاں بھیج دو۔ غالباً وہ اسی وقت تجھ کو بھی وہاں بھیج دیں گے۔ میں نے کہا کہ ہاں ایسا ہی کیجئے پھر نہ معلوم ان سے کیا باتیں ہوئیں ظہر کے بعد قریب عصر کے معلوم ہوا کہ مجھ کو جدہ جانے کا حکم ہوا ہے میں نے مکان پر پولیس کے ساتھ جا کر اپنا ضروری سامان ساتھ لیا اور باقی ماندہ جس قدر اسباب حضرت مولانا اور رفقاء کا تھا اس کو بھی منتظم کر کے حافظ عبدالجبار صاحب کے سپرد کیا کہ آپ اس تمام اسباب کو خچروں پر مطوف صاحب کے وکیل کے پاس بھجوا دیں۔ الغرض مولانا کی روانگی کے بعد اگلے دن خچروں پر مجھ کو زیر حراست روانہ کر دیا گیا۔ چونکہ اونٹ جدہ اور مکہ کے درمیان دو دن لگاتا ہے اور خچر ایک ہی شب میں پہنچتا ہے اس لئے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے پہنچنے کے تقریباً ڈیڑھ یا دو گھنٹہ کے بعد میں پہنچ گیا جدہ کے قید خانے کے دروازے پر ایک کمرا تھا۔ وہاں پر مولانا مع اپنے رفقاء کے فروکش تھے وہاں ہی میں پہنچا دیا گیا۔ مولانا کو میری طرف سے بہت فکر تھا۔ حاضر ہو جانے پر اطمینان ہوا۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا خواب:

بیان فرمایا کہ میں نے رات کو خواب میں دیکھا کہ جناب سرور کائنات آقائے نامدار حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جنازہ ہے اور ہم سب لئے جا رہے ہیں اور میں یہ سمجھ رہا ہوں کہ آپ کی تجہیز و تکفین وغیرہ سب امور کا میں متکفل ہوں اور پھر اپنے

دل ہی دل میں سوچ رہا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تجہیز وتکفین ہم کس طرح سے پورے طور پر ادا کرسکیں گے پھر دیکھا میں نے کہ جنازہ ایک جگہ رکھا گیا اور حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس اللہ سرہ العزیز اس کے سامنے دوزانو مراقب بیٹھے ہوئے ہیں۔ اور میں چاروں طرف اردگرد تجہیز وتکفین غسل وغیرہ کا انتظام کرتا پھر رہا ہوں تعبیر چونکہ ظاہر تھی کچھ بیان نہیں فرمایا۔

شام کے وقت انسپکٹر سی آئی ڈی بہاؤ الدین محافظ حجاج آئے اور انہوں نے کہا کہ کل آگبوٹ جانے والا ہے اگر آپ اس میں چلیں تو میں آپ کا انتظام کروں۔ ہم نے ان سے کہا کہ آپ معتمد برطانیہ کرنل ولسن کی طرف سے مامور ہوکر ہمارے پاس آئے ہیں یہ کہہ دیجئے کہ ابھی تک ہمارا سارا سامان مکہ معظمہ سے نہیں آیا اس لئے ہم اگلے آگبوٹ میں جائیں گے اور پھر دوسری بات ہم آپ سے بحیثیت ہندوستانی اور مسلمان ہونے کے خیر خواہانہ کہتے ہیں کہ اگر ہم کو اس وقت ہندوستان بھیجا گیا تو جو واقعات حجاز کے ہیں ہم بلاکم وکاست وہاں کہیں گے ہم نہ جھوٹ بولیں گے نہ چھپائیں گے اور یہ امر گورنمنٹ کی سیاست کے زیادہ مخالف ہوگا اس لئے آپ کوشش کیجئے کہ گورنمنٹ تا اختتام جنگ ہم کو یہاں ہی کسی جگہ رکھ دے خواہ جدہ میں یا اور کسی قریہ (بستی) یا قصبہ میں انہوں نے کہا کہ بہتر ہے کہ اگلے روز وہ آئے اور ہم کو اپنے مکان پر لے گئے اوپر کے طبقہ میں جو کہ خالی تھا۔ ہم کو رکھا اور نیچے کے طبقہ میں خود رہتے تھے اور نیچے دروازہ پر شریف کا سپاہی محافظت کرتا تھا۔ جو جہاز اس وقت موجود تھا وہ روانہ ہوگیا کرنل ولسن کسی جنگی ضرورت سے باہر چلا گیا تقریباً ۲۰ یا ۲۵ دن کے بعد آیا انہوں نے اس سے کہا اس نے جواب دیا کہ ممکن نہیں کہ ان کو یہاں چھوڑا جائے کیونکہ شریف کہتا ہے کہ میری قلمرو میں ان کا چھوڑنا میری مرضی کے خلاف ہے ان کو مصر بھیجنا چاہیے۔ جب ہم کو یہ خبر پہنچی تو ہم نے کہا کہ مصر سے تو ہندوستان

ہی اچھا ہے آپ ہندوستان کے لئے ان سے زور دیجئے انہوں نے جواب دیا کہ اب وہ ہندوستان کے لئے کسی طرح تیار نہیں ہوتا۔ (یہ سب ان کا بیان ہے)

* * *

جدہ سے روانگی

الغرض بروز جمعہ ۱۲ جنوری ۱۹۱۷ء بمطابق ۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ جدہ سے سوئز کو خدیوی آگبوٹ پر ہم کو سوار کر دیا گیا۔ تقریباً ایک ماہ جدہ میں رہنا ہوا۔ نماز پنجگانہ ہم مکان پر ہی پڑھتے تھے۔ جمعہ کے روز بہاؤ الدین ہمارے ساتھ جامع مسجد کو جو کہ قریب ہی تھی جاتا تھا اور پھر ساتھ ہی واپس ہوتا تھا۔ بازار میں سے اگر کوئی چیز ضروری ہوتی تھی تو اس کو اپنے ہمراہ لے جا کر خرید وا دیتا تھا یا اپنے نوکر کے ذریعہ سے جو کہ خفیہ ہی کا تھا منگوا دیتا تھا جہاز کی روانگی تک دو سپاہی شریف کے ہماری حفاظت کرتے رہے جبکہ وقت روانگی کا آ گیا چلے گئے۔ جہاز پر کوئی پولیس ہم پر نہ تھی۔ جدہ میں کھانا گورنمنٹی خرچ سے بواسطہ بہاؤ الدین عبدالرحیم بخش کے یہاں سے پک کر دونوں وقت آتا تھا قیام جدہ میں بھی مولانا نے دو خوابیں دیکھیں ایک یہ کہ ''ایک سیاہ بھینسا نہایت مضبوط مولانا پر حملہ آور ہوا ہے اور اس نے اپنے سینگ مولانا کے سینہ مبارک سے لگا دیے ہیں اب یہ خیال ہے کہ اگر اس نے بھی ذرا بھی دھکا دیا تو مجھ کو گرا دے گا مگر وہ سینگوں کے لگا دینے کے بعد ساکت وصالت (آرام سے ملا) کھڑا ہو گیا۔ کچھ لوگ مولانا کی ہمدردی کر رہے ہیں اور اس کو پیچھے سے مارنا چاہ رہے ہیں مولانا نے فرمایا کہ یہ کیا کرتے ہیں اگر تم نے اس کو مارا تو مجھ کو آگے دھکیل کر ہلاک کر دے گا۔ اسی حال میں مولانا نے اس کو غفلت دے کر ایک طرف سے اپنے آپ کو نکال لیا۔ اور ہٹ گئے اس نے بھی کوئی تعاقب (پیچھا) نہ کیا'' اس کی تعبیر تو یہ دی کہ انشاء اللہ العزیز بغیر کسی کی سعی (کوشش) کے افادہ دینے کے ہم اس مصیبت سے

نجات پائیں گے۔

دوسری خواب بھی اسی کے قریب تھی دیکھا کہ ''ایک میدان میں ہیں۔ اور سامنے ایک باولا سفید کتا بیٹھا ہے اس پر جنون اس قدر سخت غالب ہے کہ منھ سے جھاگ جارہے ہیں لوگ اس پر پتھر اینٹ وغیرہ پھینک رہے ہیں کہ وہ میرے سامنے اور مجھ پر حملہ کرنے سے ہٹ جاوے مگر ہٹتا نہیں تھوڑی دیر کے بعد وہ خود بخود چلا گیا اور مولانا محفوظ ہو گئے۔ اس کی تعبیر بھی اول کے قریب تھی۔

سویز کا پہنچنا:

جہاز جدہ سے روانہ ہو کر چوتھے دن بروز شنبہ ۱۶ جنوری ۱۹۱۷ء بمطابق ۲۲ ربیع الاوّل سویز میں صبح کو پہنچا۔ کچھ عرصہ کے بعد ایک گارڈ تقریباً اٹھارہ بیس گوروں کی سنگین اور بندوق لئے ہوئے پہنچی اور ہم کو قریب کے ایک کیمپ میں جو اسٹیشن کے قریب ہی تھا لے گئی وہاں ایک خیمہ میں ہم کو ٹھہرایا گیا اور کہا گیا کہ کل تم کو مصر روانہ کیا جائے گا۔ ہم پر ہندوستانی سپاہی پہرے کے لیے مقرر کئے گئے اور ہندوستانیوں ہی سے ہمارے واسطے کھانا پکوا کر دیا گیا صبح کو نماز کے وقت ہم کو ریل پر سوار کرادیا گیا درجہ تھرڈ کلاس تھا اور تقریباً چودہ پندرہ گورے سنگین لگائے ہوئے ہماری حفاظت کو ساتھ تھے۔ اسباب سب ہمارا ہمارے ساتھ تھا گوروں کی گارڈ جنکشنوں پر ایک یا دو جگہ بدلی سہ پہر کو تقریباً دو بجے اسی روز یعنی چہار شنبہ ۱۷ جنوری مطابق ۲۳ ربیع الاول گاڑی سے قاہرہ کے اسٹیشن پر پہنچی یہاں ہم اتارے گئے چونکہ نماز کا وقت تھا ہم نے پانی مانگا اور اسٹیشن ہی پر باجماعت نماز پڑھی گورے سپاہی ہمارے چاروں طرف سنگین لیے ہوئے محافظت کرتے رہے پھر عصر کی نماز وہیں پڑھی جبکہ تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ دن باقی تھا اس وقت موٹر آیا اور ہم کو مع جملہ اسباب کے جیزہ لے گیا۔

قاہرہ اور جیزہ:

ملک مصر کا دارالسلطنت قاہرہ ہے جو کہ دریائے نیل کے کنارے پر واقع ہے یہ مصر میں سب سے بڑا شہر ہے اور جب سے اسلام نے اپنا سکہ (غلبہ) یہاں جمایا ہے ہمیشہ بادشاہان مصر کے قیام کی جگہ یہ شہر رہا ہے نہایت پر رونق اور آباد شہر ہے خدیو مصر یہاں ہی رہتا ہے اس کا اسٹیشن بھی نہایت عجیب اور بڑا بنا ہوا ہے یہاں سے ہر طرف کو گاڑیاں چھوٹتی ہیں۔ علمی حیثیت سے یہ بھی بہت بڑا مرکز ہے جامع ازہر علوم عربیہ کی بہت بڑی یونیورسٹی ہے علاوہ اس کے مختلف علوم وفنون کے یہاں پر یونیورسٹیاں اور کالج اور اسکول وغیرہ ہیں یہ شہر دریائے نیل کے دائیں جانب واقع ہے اور دریا کے دائیں جانب کی آبادی کا نام جیزہ ہے ان دنوں جیزہ ایک علیحدہ ضلع شمار کیا جاتا ہے دریائے نیل نے ان دونوں آبادیوں کو جدا کر دیا ہے دریا پر متعدد مقامات پر پل بنے ہوئے ہیں جو کہ کھلتے اور بند ہوتے رہتے ہیں جن کی وجہ سے کشتیاں گزر سکتی ہیں ٹریموے دونوں شہروں میں چلتی رہتی ہے۔

اہرام مصر پادشاہان قدیم کی عمارت یہاں جیزہ ہی میں واقع ہے یہاں پر زمانہ سابق کا ایک جیل خانہ تھا جس کو سیاد جیل خانہ کہتے تھے چونکہ اب خود قاہرہ میں جیل خانہ بنا دیا گیا تھا اس لیے جیل خانہ بیکار ہو گیا تھا سوداگروں کو تجارتی مال وسامان رکھنے کے لیے کرایہ پر دیا جاتا تھا زمانہ جنگ میں سیاسی قیدیوں کے لیے جیل کی ضرورت ہوئی تو اس کو خالی کرا لیا گیا اور اس کو (معتقل سیاسی) سیاسی قید خانہ کے نام سے موسوم کیا گیا یہاں پر ان دونوں ڈیڑھ یا دوسو سے زائد سیاسی لوگ قید تھے جن میں اکثر حصہ مسلمانوں کا تھا اور کچھ عیسائی بھی تھے ہندوستانی بھی تقریباً آٹھ دس تھے جن میں عموماً وہی لوگ تھے جنہوں نے مصر میں بود و باش اختیار کر رکھا تھا ہم مغرب سے کچھ پہلے یہاں داخل کئے گئے ہماری تلاشی لی گئی۔ ہمارے پاس ۸۱ پونڈ انگریزی اور کچھ نقد تھی جن کو ہم نے بنظر احتیاط مکہ معظمہ سے

ساتھ لے لیا تھا اور تقریباً چالیس پونڈ چھوڑ دیا تھا کہ اگر ضرورت پڑی تو پھر منگالیں گے وہ سب لے لیے گئے اور بد امانت رکھ لیے گئے اور کہا گیا کہ جب تم کو ضرورت ہوا کرے گی ملا کرے گا۔

ہم کو اندرون قید خانہ جہاں قیدی رہتے تھے سب کو داخل نہیں کیا گیا بلکہ دیوار ہائے قید خانہ کے اندر قیدیوں کے کٹہڑے سے باہر ایک خیمہ کھڑا کر دیا گیا اور اس میں چار پائیاں بچھا دی گئیں اور کھانا چائے وغیرہ ہم کو دی گئی چائے تو حقیقت میں سیاسی قیدیوں میں سے حاجی غلام نقشبندی کابلی وغیرہ حضرات نے بھیجی مگر کھانا ترکی مطبخ (باورچی خانہ) میں سے گورنمنٹ کی طرف سے آیا رات بخیر وعافیت ہم نے خیمہ میں گذاری وہ ایام مصر میں سخت سردی کے تھے اور ہم مکہ معظمہ سے جو کہ گرم جگہ ہے گئے تھے مگر چونکہ ہمارے پاس کپڑے ہر قسم کے موجود تھے اس لیے کوئی سخت تکلیف نہ ہوتی تھی صبح کو ہم سے بلا کر پوچھا کہ یہ مقدار نقد کس کے نام سے لکھی جائے ہم سبھوں نے اتفاق سے کہہ دیا کہ ہم پانچوں کے مشترک ہیں کسی خاص نام کو مناسب نہ سمجھا گیا اس کے بعد ہماری چارپائیاں ایک طویل کمرہ میں داخل کر دی گئیں اور باہر سے دروازہ لوہے کی سلاخوں کا مضبوط تھا اور حضرت مولانا کو اول وہاں کے دفتر میں لے گئے پھر وہاں سے شہر میں جہاں جنگی دفتر اور مرکز تھا دو سپاہیوں کی حفاظت میں ٹریموے میں لے گئے کیونکہ جگہ بہت دور تھی ایک کمرہ میں مولانا کو داخل کیا گیا جو کہ چھوٹا سا تھا اس میں تین نشستیں تین انگریزوں کی تھیں۔ دو ان میں سے اردو نہایت صاف بولتے تھے سمجھتے تھے مولانا کو کرسی پر بٹھایا گیا اس کے پاس چھپے ہوئے کاغذات تھے جن کو گورنمنٹ ہند نے ہم سبھوں کے متعلق خبریں جمع کر کے چھاپ کر وہاں بھیجے تھے مولانا مرحوم کی ڈائری بہت زیادہ تھی اتفاق سے مولانا کو اس وقت کچھ پیشاب کا تقاضہ تھا کچھ تنہائی رفقاء کا خیال کچھ انگریزوں اور دنیاوی حکام سے نفرت اس نے اولاً مولانا کا نام اور پتہ وغیرہ پوچھنا شروع کیا اور پھر دوسری باتیں پوچھیں مولانا نے نہایت

مختصر اور محض اکھڑے ہوئے طریقہ پر بلا التفاف وتوجہ کے جوابات دیے جس طریقہ کو غالباً اس نے تمام عمر میں کہیں دیکھا نہ تھا اس وجہ سے اس نے حکیم نصرت حسین صاحب سے شکایت کی اور کہا کہ غالباً مولانا کو کبھی حکام سے ملنے اوران سے طرزِ معاشرت کا سابقہ نہیں پڑا ہے اس نے پتہ وغیرہ لکھنے کے بعد سوالات کیے۔

سوال ا۔ مستنطق۔ آپ کو شریف نے کیوں گرفتار کیا؟

جواب: مولانا۔ اس کے محضر پر دستخط نہ کرنے کی بنا پر۔

۲۔ مستنطق۔ آپ نے اس پر کیوں نہ دستخط کیے؟

مولانا۔ مخالف شریعت تھا۔

۳۔ مستنطق۔ آپ کے سامنے مولوی عبدالحق کا فتوی ہندوستان میں پیش کیا گیا تھا؟

مولانا۔ ہاں۔

۴۔ مستنطق۔ پھر آپ نے کیا کیا؟

مولانا۔ رد کر دیا۔

۵۔ مستنطق۔ کیوں؟

مولانا۔ مخالف شریعت تھا۔

۶۔ مستنطق۔ آپ مولوی عبیداللہ کو جانتے ہیں؟

مولانا۔ ہاں۔

۷۔ مستنطق۔ کہاں سے؟

مولانا۔ انہوں نے دیوبند میں مجھ سے عرصہ دراز تک پڑھا ہے۔

۸۔ مستنطق۔ اب وہ کہاں ہیں؟

مولانا۔ میں کچھ نہیں کہہ سکتا میں عرصہ ڈیڑھ سال سے زیادہ ہوا ہے کہ حجاز وغیرہ میں ہوں۔

۹۔ مستنطق۔ ریشمی خط کی کیا حقیقت ہے؟

مولانا۔ مجھ کو کچھ علم نہیں نہ میں نے دیکھا ہے۔

۱۰۔ مستنطق۔ وہ لکھتا ہے کہ آپ اس کی سیاسی سازش میں خلاف برطانیہ شریک ہیں اور آپ فوجداری کماندار ہیں؟

مولانا۔ وہ اگر لکھتا ہے تو اپنے لکھنے کا وہ خود ذمہ دار ہوگا بھلا میں اور فوجی کمانداری میری جیسی حالت ملاحظہ فرمایئے اور عمر کا اندازہ کیجئے میں نے تمام عمر مدرسہ کی مدرسی میں گذاری مجھ کو فنون حربیہ اور فوج کی کمان سے کیا مناسبت۔

۱۱۔ مستنطق۔ اس نے دیوبند میں جمعیۃ الانصار کیوں قائم کی تھی؟

مولانا۔ محض مدرسہ کے مفاد کے لیے۔

۱۲۔ مستنطق۔ پھر کیوں علیحدہ کیا گیا؟

مولانا۔ آپس کے اختلاف کی وجہ سے۔

۱۳۔ مستنطق۔ کیا اس کا مقصد اس جمعیۃ سے کوئی سیاسی امر نہ تھا؟

مولانا۔ نہیں۔

۱۴۔ مستنطق۔ غالب نامہ کی کیا حقیقت ہے؟

مولانا۔ غالب نامہ کیسا؟

۱۵۔ مستنطق۔ غالب پاشا گورنر حجاز کا خط جس کو محمد میاں لے کر حجاز سے گیا ہے اور آپ نے غالب پاشا سے اس کو حاصل کیا ہے۔

مولانا۔ مولوی محمد میاں کو میں جانتا ہوں وہ میرا رفیق سفر تھا مدینہ منورہ سے مجھ سے جدا ہوا ہے وہاں سے لوٹنے کے بعد اس کو جدہ اور مکہ میں تقریباً ایک ماہ ٹھہرنا پڑا تھا غالب پاشا کا خط کہاں ہے جس کو آپ میری طرف منسوب کرتے ہیں؟

۱۶۔ مستنطق۔ محمد میاں کے پاس ہے۔

مولانا۔ مولوی محمد میاں کہاں ہے؟

۱۷۔ مستنطق۔ وہ بھاگ کر حدود افغانستان میں چلا گیا ہے۔

مولانا۔ پھر آپ کو خط کا پتہ کیونکہ چلا؟

۱۸۔ مستنطق۔ لوگوں نے دیکھا۔

مولانا۔ آپ ہی فرمائیں کہ غالب پاشا گورنر حجاز اور میں ایک معمولی آدمی میرا وہاں تک کہاں گزر ہوسکتا ہے پھر میں ناواقف شخص نہ زبان ترکی جانوں نہ پہلے سے ترکی حکام سے کوئی ربط وضبط حج سے چند دن پہلے مکہ معظمہ پہنچا اپنے امور دینیہ میں مشغول ہوگیا غالب پاشا اگرچہ حجاز کا گورنر تھا مگر طائف میں رہتا تھا میری وہاں تک رسائی نہ حج سے پہلے ہوسکتی تھی نہ بعد از حج یہ بالکل غیر معقول بات ہے کسی نے یوں ہی آڑائی ہے۔

۱۹۔ مستنطق۔ آپ نے انور پاشا اور جمال پاشا سے ملاقات کی؟

مولانا۔ بے شک

۲۰۔ مستنطق۔ کیونکر؟

مولانا۔ جب وہ مدینہ میں ایک دن کے لیے آئے تھے تو صبح کے وقت انہوں نے مسجد نبوی میں علماء کا مجمع کیا مجھ کو بھی حسین احمد اور وہاں کے مفتی اس مجمع عام میں لے گئے اور اختتام مجمع پر انہوں نے دونوں وزیروں سے مصافحہ کرا دیا۔

۲۱۔ مستنطق۔ آپ نے اس مجمع میں کوئی تقریر کی؟

مولانا۔ نہیں۔

۲۲۔ مستنطق۔ کیوں؟

مولانا۔ مصلحت نہ سمجھا۔

۲۳۔ مستنطق۔ مولوی خلیل احمد صاحب نے تقریر کی؟

مولانا۔ نہیں۔

۲۴۔ مستنطق۔ حسین احمد نے کی؟

مولانا۔ ہاں۔

۲۵۔ مستنطق۔ پھر کچھ انور پاشا نے آپ کو دیا؟

مولانا۔ ہاں اتنا معلوم ہوا تھا کہ حسین احمد کے مکان پر ایک شخص پانچ پانچ پونڈ لے کر انور پاشا کی طرف سے آئے تھے۔

۲۶۔ مستنطق۔ پھر آپ نے کیا کیا؟

مولانا۔ حسین احمد کو دے دیا تھا۔

۲۷۔ مستنطق۔ ان کاغذات میں لکھا ہے کہ آپ سلطان ترکی اور ایران اور افغان میں اتحاد کرانا چاہتے ہیں اور پھر ایک اجتماعی حملہ ہندوستان پر کرا کے

ہندوستان میں اسلامی حکومت قائم کرانا چاہتے ہیں اور انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنا چاہتے ہیں؟

مولانا۔ میں تعجب کرتا ہوں کہ آپ کو بھی حکومت کرتے ہوئے اتنے دن گزر چکے ہیں کیا آپ گمان کر سکتے ہیں کہ میرے جیسے گمنام شخص کی آواز بادشاہوں تک پہنچ سکتی ہے اور پھر کیا سالہا سال کی ان کی عداوتیں (دشمنیاں) میرا جیسا شخص زائل کرا سکتا ہے اور پھر اگر زائل بھی ہو جاوے تو کیا ان میں ایسی قوت ہے کہ وہ اپنے ملک کی ضرورتوں سے زائد سمجھ کر ہندوستان کی حدود پر فوجیں پہنچا دیں اور اگر پہنچا بھی دیں تو آیا ان میں آپ سے طاقت جنگ کی ہوگی؟

۲۸۔ مستنطق۔ فرماتے تو آپ سچ ہیں مگر ان کاغذات میں ایسا ہی لکھا ہے۔

مولانا۔ اس سے آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ اس میں کئی باتیں کس قدر پایۂ اعتبار رکھ سکتی ہیں؟

۲۹۔ مستنطق۔ شریف کی نسبت آپ کا کیا خیال ہے؟

مولانا۔ وہ باغی ہے۔

۳۰۔ مستنطق۔ حافظ احمد صاحب آپ کو جانتے ہیں؟

مولانا۔ خوب وہ میرے استاد زادے ہیں اور بہت سچے اور مخلص دوست ہیں میری تمام عمر ان کے ساتھ گذری ہے۔

غرضیکہ اسی قسم کے بہت سے سوالات وہ کرتا رہا حدود افغانستان اور قبائل و نیز کابل وغیرہ کی نسبت بھی سوالات کیے مولانا بھی مختصر جملوں میں مگر نہایت بے رخی کے

ساتھ جواب دیتے رہے وہ سب کو انگریزی میں لکھتا رہا اور پھر مولانا کو جیل میں واپس کر دیا مگر مولانا جیل میں واپس ہونے کے بعد ہمارے پاس نہیں لائے گئے بلکہ اندر جیل خانہ میں بھیج دیے گئے اور وہاں ایک چھوٹی کوٹھڑی میں بند کر دیے گئے اس کوٹھڑی میں تین چار پائیوں کی جگہ تھی دو برابر طول میں بچھ سکتی تھیں اور ایک عرض میں مگر ایک ہی چار پائی اس میں بچھی ہوئی تھی۔

مصر کے سیاسی قید خانہ کی چار پائی۔

وہاں چار پائیاں چیڑ کی لکڑی کے تین تختے سے لمبائی میں دو پٹیوں پر رکھ دیئے سے بن جاتی ہیں ان دونوں پٹیوں میں معمولی سہ شاخہ پائے جڑے ہوتے ہیں اس صورت پر اس چار پائی کی نقل و حرکت میں آسانی ہوتی ہے تینوں تختے اوپر کے علیحدہ ہو جاتے ہیں اور دونوں پٹیاں علیحدہ ہوتی ہیں اس چار پائی پر موٹا گدا بچھا ہوا تھا جس میں ناریل کا صوف بھرا تھا اور گدے پر تین کمبل ایک بچھانے اور اوڑھنے کے لیے رکھے تھے۔

جیزہ کی قید تنہائی کے قواعد:

کوٹھڑی میں ایک طرف کو ایک بالٹی رکھی تھی جس میں وضو پاخانہ پیشاب کرنے کا حکم تھا اس بالٹی پر ڈھکنا بھی ہوتا تھا کوٹھڑی کا دروازہ لکڑی کا تھا جس میں کوئی سوراخ نہ تھا کوٹھڑی میں پشت کی جانب سے ایک روشندان بہت اونچائی سے تھا جس میں ہوا اور دن کو روشنی آتی رہتی تھی صبح کو ایک گھنٹہ اور شام کو ایک گھنٹہ کوٹھڑی کھول کر ہوا کھلانے کے لیے نکالتے تھے اسی وقت بالٹی بھی میلا صاف کرنے والے خدام لے جاتے تھے صاف کر کے پھر رکھ جاتے اور کمرہ میں جھاڑو دے جاتے ایک ایک صراحی ہر کمرہ میں جس کی قیمت ہم کو اپنے پاس سے دینی پڑتی تھی اور علی ہذا القیاس خادموں کی تنخواہ بھی جن کا کام کھانا لانا پانی

لانا جھاڑو دینا بالٹی صاف کرنا تھا ہم کو دینا پڑتا تھا گورنمنٹ کی طرف سے فی کس بارہ قرش صاغ یعنی تقریباً ایک روپیہ آٹھ آنے یومیہ ہر اسیر کو ملتے تھے جس میں وہ اپنے جملہ مصارف کا متکفل تھا وہاں پر اسیروں نے حسب مذاق خود اپنے اپنے باورچی خانے (میز) بنا رکھے تھے جن لوگوں کو ترکی کھانوں کا مذاق تھا انہوں نے اپنی شرکت میں ایک باورچی خانہ کھول رکھا تھا جس میں باورچی ترکی کھانا پکانے والا کام کرتا تھا انتظام سب اسیر کرتے تھے ہر مہینہ میں سیکرٹری منتخب کیا جاتا تھا اور وہ حسب مشورہ ضروریات منگاتا اور پکواتا تھا مگر اسی مقدار میں جتنا کہ گورنمنٹ نے مقرر کر رکھا تھا اسی طرح مصریوں کی میز (باورچی خانہ) علیحدہ تھی اس کا باورچی مصری کھانے پکاتا تھا جو عیسائی ان دونوں میں سے کھانا نہیں چاہتے تھے ان کی میز علیحدہ تھی ہمارا کھانا ترکی میز سے آتا تھا علی الصباح ایک ایک گلاس سادہ چائے اور کبھی دودھ کے ساتھ انڈے، مسکہ، پنیر، مربا، جیلی پاؤ روٹی کا ایک یا دو ٹکڑا آتا تھا مگر سب ایک دن میں نہیں بلکہ روٹی کے ٹکڑے کے ساتھ کبھی کچھ ہوتا تھا کبھی کچھ البتہ اکثر نمکین اور میٹھا دونوں میں سے ایک ایک قسم ضرور ہوتی تھی دوپہر کے وقت روٹی کے ساتھ دو تین قسم کے سالن ہوتے تھے ہفتہ میں ایک دن مرغ اور ایک دن دوسرے پرندوں کا گوشت بھی ہوتا تھا باقی ایام میں دنبہ کا گوشت ہوتا تھا پلاؤ یا میٹھی قسم کا بھی کوئی کھانا اکثر ہوتا تھا شام کا کھانا مختصر ہوتا تھا یعنی فقط ایک قسم کا سالن اکثر ہوتا تھا اور کبھی کبھی اس کے ساتھ میٹھا بھی ہوتا تھا خلاصہ یہ کہ کھانا بہت اچھا تھا اور لذیذ بھی ہوتا تھا نمک پانی درست تھا ان عربی کھانوں کی طرح سے نہیں ہوتا تھا جن میں نہ نمک ہوتا ہے نہ مرچ ہم میں سے اپنے حصہ کو کوئی بھی پورا نہیں کر سکتا تھا کھانے کے وقت دروازہ کھول کر اندر داخل کر دیتے تھے ہم کو شمع جلانے کی اجازت تھی اس لیے ہم اپنے پیسہ سے شمع اور دیا سلائی منگا لیتے تھے اور اندر کھانے یا پڑھنے وغیرہ کے وقت جلا لیتے تھے ہم کو کسی سے باتیں کرنے کی اجازت نہ تھی اور نہ کسی کو ہم سے۔

ٹہلنے کی جگہ:

جب کہ صبح کو ایک گھنٹہ کے لیے ٹہلنے کو نکالتے تھے تو عام میدان میں ہم ٹہل نہیں سکتے تھے بلکہ حجروں کے پیچھے ایک محفوظ جگہ تھی وہاں پر ٹہلنے کا حکم تھا اس کے طرف دیواریں تھیں ایک طرف ٹین کی دیوار بنی ہوئی تھی اور ایک طرف تاروں کی جاتی تھی اور اسی طرف سے دروازہ تھا محافظ اس دروازہ کو کھول کر ہم کو ٹہلنے کے لیے داخل کر دیتا تھا اور قفل (تالا) لگا دیتا تھا ایک گھنٹہ گزر جانے کے بعد ایک آدمی کو نکال کر اس کے کمرہ میں بند کر کے دوسرے کو ہوا کھانے کے لیے اس پنجرے میں بند کر دیتا تھا یہ ٹہلنے کی جگہ کھلی ہوئی تھی آسمان نظر آتا تھا چونکہ فروری کا زمانہ تھا اور مصر کی سردی تھی اس لیے وہاں دھوپ کی خواہش بہت ہوتی تھی وہاں دیواروں پر سپاہی پہرہ دیتے تھے ان کو سخت تاکید کی کہ کوئی شخص ان کمروں کے پاس آنے نہ پائے اور نہ دن میں اور نہ رات میں کوئی ان سے گفتگو کر سکے اس لیے کوئی شخص پاس نہ پھٹک سکتا تھا جس کا نقشہ تقریباً یہ تھا۔

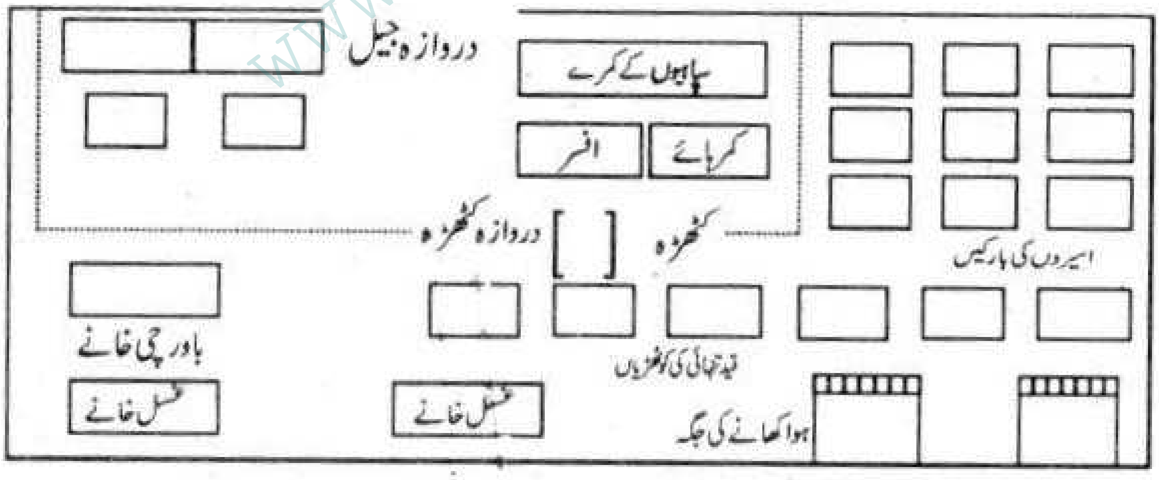
دروازہ جیل
سپاہیوں کے کمرے
افسر
کمرائے
دروازہ کٹہرہ
کٹہرہ
اسیروں کی بارکیں
باورچی خانے
غسل خانے
غسل خانے
قید تنہائی کی کوٹھریاں
ہوا کھانے کی جگہ

البتہ بعض احباب ہندوستانی کبھی کبھی رات کو آ کر گفتگو کر جاتے تھے جن میں سے آلہ آباد کے صوفی مولوی شاہ محمد خاں صاحب جو کہ قاری عبدالوحید صاحب آلہ آبادی کے قریب بھی ہوتے ہیں اور حاجی غلام نقشبند صاحب کابلی اور غلام جیلانی صاحب خاص کر

قابل شکر یہ ہمدردی فرماتے رہے خصوصاً صوفی صاحب نے بہت زیادہ ہمدردی کا قابل وقعت حصہ لیا ممدوح ایک زمانہ میں مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں پڑھا بھی کرتے تھے اور مدینہ منورہ بھی گئے تھے اس لیے ان کو حضرت مولاناؒ اور کاتب الحروف سے واقفیت بھی تھی۔

خلاصہ کلام یہ کہ مولانا کو تو کوٹھڑی کے اندر بند کر دیا گیا مگر ہم کو یہی خیال ہوا کہ مولانا کو اندر لے جا کر جملہ اسیروں کے ساتھ کسی بارک میں چھوڑ دیا گیا ہوگا مولانا نے اپنی ضروریات قرآن شریف دلائل الخیرات تسبیح وغیرہ طلب فرمائی ہم نے یہ چیزیں اور چند پان اور لوٹا وغیرہ بھیج دیا ہم کو معلوم نہ تھا کہ مولانا کوٹھڑی میں بند ہیں مولانا کو قدرے پانوں کی وجہ سے تکلیف ہوئی مگر حتی الوسع خبر گیری رکھی گئی مولانا مرحوم کو جب وہاں بند ہو گئے تو یہ خیال ہوا کہ مجھ کو سزائے پھانسی دیجائے گی کیونکہ مشہور ہے کہ جس کے لیے پھانسی کا حکم ہوتا ہے اس کو کال کوٹھڑی میں رکھا جاتا ہے ادھر دوستوں اور دشمنوں نے مولانا کی نسبت جھوٹی اور سچی خبروں کے پہنچانے میں کوئی کوتاہی کی ہی نہ تھی۔ جن باتوں کی نسبت خیال تک بھی نہ تھا وہ باتیں گورنمنٹ کے کانوں تک پہنچائی گئیں۔

مولانا کا فکر:

حقیقت میں مولانا مرحوم کو اپنی جان کا کوئی فکر نہ تھا جیسا کہ ان کے کلام سے معلوم ہوا فقط ان کو دو فکر تھے ایک یہ کہ میری وجہ سے یہ چند رفقا بھی اذیت اور تکالیف میں پڑے خدا جانے ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے اور دوسرا وہ تھا جو کہ حقیقت میں اہل بصیرت اور بڑے مرتبہ والوں کو ہوا کرتا ہے یعنی چونکہ بارگاہ الٰہی نہایت بے نیاز بارگاہ ہے جس کے استغنا اور علو (بے پرواہی اور بلند مرتبے) نے تمام اکابر کو ان کے درجہ کے موافق بے چین کر رکھا ہے نزدیکاں را بیش بود حیرانی اس کا راز ہے۔

ز وردِ دیں ہمہ پیران رہ را
جگر با خستہ دلہا کباب است

اس کا سر ہے، کان رسول صلی اللہ علیہ وسلم متواصل الاحزان دائم الفکرۃ نظرہ الی الارض اکثر من نظرہ الی السماء جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن کے لیے فرمایا گیا ہے ﴿وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى اور لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ﴾ یعنی عنقریب تمہارا پروردگار تمہارے مطلوب کو دیکر تم کو راضی کر دے گا اور تمہارے فتح مکہ کرنے کے ثمرات میں تمہارے اگلے اور پچھلے گناہوں کا معاف ہونا بھی ہے۔

ہمیشہ غمگین اور ہر وقت فکر میں مستغرق رہتے تھے آپ کی نظر زمین کی طرف آسمان کی نسبت زیادہ فکر رہتی تھی اور اس قسم کی حدیثیں اس کے شواہد حالی ہیں۔

الغرض جو جس قدر معرفت باطنی اور حقیقی علوم دیا گیا ہے وہ اسی قدر عظمت الٰہی نیت صاف خائف اور لرزاں رہتا ہے وہ کیسا بھی عظیم الشان کام کرے اور کتنی ہی نیت صاف اور خالص بنا کر پیش کرے مگر احکم الحاکمین بے نیاز کے سامنے اس کو اطمینان کہاں جب تک خاتمہ بالخیر اور سلامت عواقب پر مہر نہ ہو جاوے جب تک پریشانی ہی ہے۔

چنانچہ مولانا کو یہ پریشانی بہت زیادہ پریشان رکھتی تھی چھٹے یا ساتویں روز جب کہ ہم سب اس ہواخوری کی جگہ میں جمع ہوئے اور نہایت آزادی سے ہر ایک نے اپنے احوال بیان کئے اور مولانا کے افکار کا حال معلوم ہوا تو مولانا سے بعض خدام نے سبب پوچھا کیونکہ اس مدت میں مولانا نے بالکل کھانا نہیں کھایا کثرت افکار اور استغراق باطنی (اندرونی غموں) کی بنا پر کھانا ویسا ہی واپس ہو جاتا تھا فقط چائے پیتے تھے اور پان کھاتے رہتے تھے (کیونکہ تمباکو کھانے کی بہت عادت تھی سوکھے پان مکہ معظمہ سے ہم نے بہت سے رکھ لیے تھے) ممکن ہے کہ کبھی ایک دو لقمہ روٹی کھالی ہو مگر مجھ کو جہاں تک معلوم ہے نہ اس مدت میں کھانا کھایا نہ قضاء حاجت فرمایا البتہ پیشاب برابر کرتے رہے ان کو ہمیشہ سے غذا کی تقلیل (کمی) میں بہت سرگرمی تھی اسی وجہ سے قلت غذا ان کی طبیعت ثانیہ ہوگئی تھی اور اسی وجہ سے

قضائے حاجت کی ضرورت بھی بہت کم ہوتی تھی اور پھر بھی فضلہ نہایت کم خارج ہوتا تھا عموماً فضلہ ان کا پیشاب کے ذریعہ سے نکل جاتا تھا ان کی صحت کی نشانی کثرت بول (زیادہ پیشاب آنا) تھا اور جب کبھی اس میں کمی ہوجاتی تھی جب ہی بیمار ہوجاتے تھے قبض ان کو اکثر رہتا تھا فرمایا کہ مجھ کو برابر یہ خیال دامن گیر رہا کہ میری وجہ سے تم سب بھی پکڑے گئے اور پھر اس خیال نے غالباً ہم سبھوں کو سزائے موت دی جائے گی اور بھی بے چین کردیا تھا میرا کچھ نہیں تھا میں اپنی طبعی عمر سے تجاوز کر (گزر) چکا ہوں مگر تم سب کی طرف سے بہت بڑا خیال تھا اور ہے کہ تم سب نوعمر میری وجہ سے گرفتار ہوئے خدام نے عرض کیا کہ یہ سب خدا کے راستہ میں واقع ہورہا ہے پھر کیا فکر ہے اس وقت میں مولانا کی عجیب حالت تھی حالانکہ ضبط نہایت قوی تھا کبھی اپنے آپ کو بے اختیار نہیں ہونے دیتے تھے مگر اس وقت بے اختیار ہوگئے تھے آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبا گئیں چہرہ کا رنگ متغیر (تبدیل) ہوگیا اور فرمانے لگے کہ بھائی خدا کی درگاہ نہایت بے نیاز ہے یہی تو ڈر ہے آدمی اپنی جان تک دے دے مگر کیا خبر وہ قبول فرماتے ہیں یا نہیں یہ کہہ کر چپ ہوگئے اور کچھ عرصہ تک خاموش رہے۔

مولانا کا اپنے غلاموں کے ساتھ برتاؤ:

مولانا مرحوم میں مروت کا مضمون نہایت زیادہ تھا اور اسی وجہ سے غلاموں کا نہایت زیادہ خیال رہتا تھا یوں تو ہر بڑے کو اپنے کا خیال ہوتا ہی ہے مگر طبائع مختلف پیدا کی گئی ہیں مولانا مرحوم میں جس قدر یہ مضمون تھا عموماً بڑوں میں نہیں دیکھا گیا مگر اس کے ساتھ ایک خاص ادا بھی تھی جو کہ شاذ و نادر ہی کہیں پائی جاتی ہو جب کبھی اپنے آدمی کا کسی اجنبی سے مقابلہ کسی بات میں دیکھتے یا پاتے تھے تو اپنے خدام کو دباتے تھے اور ہمیشہ اجنبی کو جتاتے تھے اور جس قدر تعلق اپنے سے ہوتا تھا اسی قدر اس کو دباتے تھے اور یہ حالت بعینہ اپنی ذات کے ساتھ تھی مگر قلبی تعلق اور حقیقی طور سے خیر خواہی اپنے جان نثاروں کی بے حد

فرماتے تھے جس شخص نے تھوڑا سا بھی کبھی احسان اور کوئی خدمت اخلاص سے کی ہوتی تو ہمیشہ اس کا خیال رکھتے ہوئے اس کے احسان کو مثل پہاڑ ایک عظیم چیز خیال فرماتے تھے اخیر زمانہ میں جن لوگوں نے مسائل حاضر میں موافقت کرتے ہوئے ہر جگہ مستعدی (چستی) اور جاں نثاری سے کام لیا تھا ان سے تو مولانا کو بہت ہی گہرا تعلق ہو گیا تھا۔

حقیقت تو یہ ہے کہ ہم سبھوں نے عموماً اور کاتب الحروف نے خصوصاً مولانا کے کمالات کو پہنچانا اور نہ ان کی خدمت کما حقہ ادا کی بلکہ حد خدمت کا عشر عشیر (دسواں حصہ) بھی ادا نہیں کر سکے اپنی نالائقی و کم ظرفی سے ہمیشہ ایسی باتیں بھی کرتے ہیں جن کی وجہ سے مولانا کو تکلیف جسمی یا روحی کی نوبتیں آتی رہیں مگر ان کا حوصلہ اور ضبط اور عادت صفح اور عفو (وسعت ظرفی کی عادت اور معافی) نے ان کو مجبور رکھا کہ ہماری نالائقیوں پر خیال بھی نہ فرمائیں انہوں نے اخیر وقت تک اپنے غلاموں کے خیال کو اپنے دل سے باہر نہیں کیا خداوند کریم عالم برزخ اور آخرت میں بھی ان کی توجہ کو ہم نالائق غلاموں کی طرف مبذول کرا کر باعث نجات کرے۔ آمین

قبر سے اٹھ کے پکاروں خورشید و محمود بوسہ دیں لب کو مرے مالک و رضوان دونوں

مولانا کی توجہ اور فکر کا اثر:

یہی غلاموں کا فکر ان کو قید تنہائی میں بھی بے چین کئے ہوئے تھا جس کا ایک ظاہر اور باہر اثر ہم نہ تھا کہ قسمیہ کہتے ہیں کہ باوجودیکہ ہم نئے پھنسے ہوئے تھے کبھی ایسے احوال ہم پر گذرے نہ تھے نوعمر تھے اپنے جملہ عزیز و اقارب سے جدا تھے بالکل پردیس میں تھے نہ کوئی مونس (محبت کرنے والا) تھا نہ غمگسار نہ واقف نہ راز داز مگر نہ کسی چھوٹے کو نہ بڑے کو کوئی اضطراب (پریشانی) کوئی تعلق بے چینی نہ تھی رونا دھونا جزع فزع (گھبراہٹ) کرنا جیسے کہ لوگوں کی عادت ہوتی ہے یہ تو درکنار دل میں بھی ذرا سا گھبراہٹ نہ تھا نہ گھر کے اعزہ

واقارت کی یاد بے چین کرتی تھی حالانکہ عام طور سے ہم سب کو یقین یا ظن غالب پھانسی کا تھا مولوی عزیز گل صاحب تو اپنی کوٹھڑی میں رہ رہ کر اپنی گردن اور گلے کو پھانسی کے لیے ناپتے اور دباتے تھے تاکہ ذرا عادت ہو جائے اور پھانسی کے وقت یکبارگی تکلیف سخت پیش نہ آئے تجربہ کرتے تھے کہ دیکھوں کس قسم کی تکلیف ہوتی ہے مگر سب کے دل نہایت مطمئن تھے گویا کہ نانی کے گھر میں آرام کر رہے ہیں کبھی یہ واہمہ (گمان) بھی نہیں گذرا تھا کہ کاش ہم مولانا کے ساتھ نہ ہوتے یا کاش ہم اس کام اور خیال میں شریک نہ ہوتے (وللہ والحمد والمنتہ) ہم کو بہت ہی تھوڑے دنوں میں کوٹھڑیوں سے خاص الفت ہو گئی تھی جن سے جدائی پر ایک درجہ کا قلق (افسوس) ہوا تھا حضرات یہ مولانا کی کرامت اور انکا خاص تصرف روحانی تھا ورنہ کہاں ہم سب اور کہاں یہ استقلال۔

غرض کہ پنجشنبہ ۲۴ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ مطابق ۱۸ جنوری ۱۹۱۰ء کو مولانا کے اظہار لئے گئے اور اسی دن وہ قید تنہائی یعنی کال کوٹھڑی میں جس کو اہل مصر (زلزلہ) کہتے ہیں بند کر دیے گئے اور بروز جمعہ مجھ کو (کاتب الحروف) کو کچہری میں بلایا اور مجھ سے اظہارت (بیان) لیے گئے میں چونکہ ہمیشہ سے فضول گو اور کثیر الکلام (بہت باتیں کرنے والا) ہوں میں نے زمین آسمان کے قلابے (حلقے) بہت کچھ ملائے میرا بیان دو دن تک لکھتا رہا اور بار بار کہتا تھا کہ تم لوگوں کی نسبت ہمارے کاغذات میں باتیں تو پھانسی کی ہیں مگر تم اقرار نہیں کرتے۔

شریف کی بغاوت مسئلہ خلافت کے متعلق ترکی حکومت سے اسلامی علائق وغیرہ کی نسبت سب کے بیان بحمد اللہ ایک ہی رہے کوئی بھی حق کہنے سے نہیں ٹلا البتہ جو دوسرے اتہامات یا افواہیں تھیں ان کا مناسب جواب سب نے دیا سب سے اخیر میں یہ بھی پوچھا گیا کہ گورنمنٹ کے لیے تم کوئی مشورہ خیر دیتے ہو تو غالباً سبھوں نے کہا کہ ہاں شریف کی مدد

نہ کی جائے اور سلطان سے لڑائی نہ کی جائے اس میں گورنمنٹ کا بڑا نقصان ہوگا آخر کار مجھ کو بھی ایک دوسری کوٹھڑی میں جو مولانا کی کوٹھڑی کے بعد تھی رکھا گیا پھر وحید سے اظہار (بیان) لیے گئے اور پھر مولوی عزیز گل صاحب سے اخیر میں حکیم نصرت حسین صاحب کو بلایا اور ان سے کہا کہ تمہاری نسبت کچھ ڈائری میں نہیں پاتا انہوں نے کہا کہ جناب میں تو حقیقت میں ان جملہ اشخاص خصوصاً مولانا کی طرح بالکل بے قصور ہوں مگر بات یہ ہے کہ مولانا بڑے آدمی ہیں اس وجہ سے اصحاب اغراض (خودغرض لوگوں) کو ان سے اور ان کے خدام سے مقاصد اور اغراض ہیں اس لیے مولانا کی نسبت افواہیں مشہور کی گئی ہیں اور میں تو ایک سرکاری زمیندار آدمی ہوں ہمیشہ مقدمہ بازی وغیرہ میں مبتلا رہا ہوں مجھ پر گورنمنٹ کے بڑے بڑے احسانات ہیں جن کا انہوں نے ذکر کیا اور کہا کہ مجھ کو تو بلاوجہ پکڑ لیا گیا میں مولانا کا شاگرد ہوں اور مجھ کو مولانا کے احوال اور ان کے بدخواہوں کے احوال سے واقفیت ہے میں بغرض حج وزیارت آیا بعد از حج بہ نیت زیارت مدینہ منور مولانا کے پاس ٹھہر گیا شریف نے مجھ کو پکڑ کر بھیج دیا شریف کی نسبت اور اس کی حکومت کے متعلق اور گورنمنٹ سے اس کے ناجائز تعلقات کی برائی میں انہوں نے خوب تفصیلی بیان دیا مگر بالکل خیرخواہانہ طریقہ پر وہ مقدمہ بازی اور قانون وغیرہ سے واقف تھے اور انگریزی بھی جانتے تھے آخر کار ان کو بھی کوٹھڑی میں سب سے اخیر میں بھیجا گیا مگر چونکہ کوٹھڑیاں فقط چار خالی تھیں اور ہم پانچ آدمی تھے اس لیے ان کی چارپائی مولانا مرحوم کی کوٹھڑی میں رکھی گئی جس روز وہ وہاں لائے گئے تو انہوں نے ہم سبھوں پر جو واقعات ہوئے تھے مولانا کو اجمالاً سنائے اور کہا کہ اور باقی رفقاء بھی انہی کوٹھڑیوں میں ہیں وضو وغیرہ میں اعانت (مدد) بھی کی اس وقت مولانا مرحوم کے افکار میں کسی قدر کمی ہوئی اس روز ان کے اصرار پر مولانا نے کچھ کھایا بھی اور چارپائی پر راحت فرمائی (آرام فرمایا) کیونکہ ان چھ سات دنوں تک مولانا نے چارپائی

پر کمر بھی نہیں لگائی تھی بلکہ چار پائی کے پائتیں زمین پر کمبل بچھا کر بیٹھ گئے تھے اور قرآن اور دلائل الخیرات، تسبیح مراقبہ، نماز وہیں کمبل پر سب مشاغل ادا کرتے تھے۔ مراقبہ میں بیٹھے بیٹھے کچھ نیند آ گئی ورنہ استراحت (آرام) بالکل نہیں فرمایا ہم میں سے کوئی نہ ان کو دیکھ سکتا تھا نہ وہ ہم کو دیکھ سکتے تھے اور نہ آپس میں باتیں کر سکتے تھے حقیقت یہ ہے کہ تمام مدت اسارت (زمانہ قید) میں یہ سات آٹھ دن نہایت سخت ہم سبھوں پر گزرے مگر سب سے زیادہ سختی مولانا مرحوم پر ہوئی اس کے بعد معاملہ روزانہ آسان ہی ہوتا رہا اس سختی میں سوائے مذکورہ امور کے اور کوئی نئی بات نہیں پیش آئی مگر ناتجربہ کاری خیالات ہجوم افکار تفرق پائخانہ پیشاب کا حبس وغیرہ وغیرہ باعث تکالیف ہوا کوئی ولی کتنا ہی بڑا ہی کیوں نہ ہو جائے امور طبعیہ بشریہ سے منزہ (انسانی ضروریات سے پاک) نہیں ہو سکتا ہندوستان کی آزادی اسلام کی قوت اور ترقی کی دھن میں مولانا نے اپنی جسمی اولاد اور نسبی رشتہ داروں سے قطع نظر ایک بڑے درجہ تک کر رکھا تھا مگر جو روحی اولاد اس دھن اور اس خیال میں شریک اور نہایت اخلاص کے ساتھ داد رفاقت دے رہی تھی (اگر چہ وہ نالائق تھی) ان سے قطع نظر کرنا نہایت شاق (مشکل) تھا ان سے علیحدگی ان کے نفس پر بہت ہی دشوار گذرتی تھی بعینہ ایسا حال ہو گیا تھا کہ ایک شفیق ماں جب تک اس کے بچے اس کے سامنے رہیں خواہ وہ کسی حال اور کسی فعل میں ہوں اس کو اطمینان رہتا ہے حالانکہ وہ اپنے کاروبار اور گھر بستی کے افکار میں مشغول رہتی ہے۔ مگر جہاں ان سے جدائی ہوگئی اور وہ تنہا رہ گئی تو دنیا اس پر اندھیری ہو جاتی ہے اس تفرد (علیحدگی) اور تنہائی نے مولانا کے قلب پر بڑا اثر کیا تھا جب سبھوں کے بیانات ہو گئے تو ساتویں دن صبح کو ہم سبھوں کو ہوا خوری کے لیے ایک ہی گھنٹہ میں کھولا گیا اور سب کو مجتمعاً اس جگہ میں جہاں روزانہ ٹہلتے تھے بند کیا گیا اس وقت کی خوشی کو نہ پوچھئے۔

ہم لوگوں کے زیادہ فکر کی ایک خاص وجہ

چونکہ ہم سب ایک تو نوگرفتار دوسرے ایسے وقائع (واقعات) سے بالکل ناتجربہ کار تھے تیسرے ہمارے اذہان یہاں تک پہنچے ہی نہ تھے کہ گورنمنٹ کو لوگوں نے اس درجہ ہم سے بدظن کیا ہے چھوتے اس وقت تک بھی گمان تھا کہ ہماری گرفتاری محض شریف کی شکایت اور اس فتوے (محضر) کی مخالفت کی وجہ سے ہوئی ہے کہ گورنمنٹ کو اگرچہ مولانا سے بدگمانی ہے مگر اس کو یہاں تک پرخاش اور بدظنی نہیں کہ ہم کو حجاز سے پکڑوا دے اس لیے ہم سبھوں نے آپس میں جو کچھ سوچ لیا تھا اور اتفاقی رائے پاس کی تھی وہ یہی تھی کہ ہم سے شریف اور اسکے افعال اور فتوے کے متعلق پوچھا جائے گا اس میں بلاخوف اور بلا ہراس وہ حق جس کو ہم کل کو خداوند اکرم کے سامنے کہیں گے اور کہہ سکیں گے ظاہر کردیں گے باقی امور جن کی نسبت ہم سے یہاں (مصر) اظہار کے وقت پوچھا گیا ان میں سے بہت سی باتوں کا تو علم ہی نہ تھا اور اگر کسی بات کا کسی درجہ تک علم تھا تو نہ اس قدر جس قدر کہ گورنمنٹ کو پہنچایا گیا اس لیے نہ تو ان امور کے متعلق آپس میں کبھی گفت وشنید کی نوبت آئی اور نہ کوئی متحدہ رائے قرار پائی اب اظہار جو اس خاص طریقہ سے لیا گیا تو کوئی بھی دوسرے کو کسی قسم کی خبر نہ دے سکا تا کہ سوچا جاتا اس لیے اس وقت (اظہار کے وقت) جو جس کے سمجھ میں آیا یا جس قدر معلوم تھا کہہ دیا گیا اب سب کو یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ نہ معلوم ان امور کی نسبت حضرت مولاناؒ نے کیا فرمایا ہے اور دوسرے رفقاء نے کیا کہا ہے مبادا بیان میں مخالفت ہو تو مشکل کا سامنا ہوگا خصوصاً وحید بالکل نوعمر اور ناتجربہ کار تھا اس لیے ہر ایک اپنی اپنی جگہ پر کثرت افکار کی وجہ سے پیچاں تھا جس روز ہم سبھوں کو ایک ہی وقت میں ہواخوری کی جگہ میں داخل کیا گیا سب نے اس خاص بات کی طرف توجہ کی اور ایک دوسرے کے

بیان کو پوچھا تو معلوم ہوا کہ خدا کے فضل و کرم سے اور حضرت مولاناؒ کی برکت سے سبھوں کے بیانات تقریباً متفق ہیں گویا کہ ایک مشورہ سے ہوئے ہیں چھوٹوں میں بھی [illegible] اور صداقت بڑوں جیسا پایا گیا بلکہ کچھ زیادہ مولوی عزیز گل صاحب سے حدود کے واقعات قبائل کے احوال سید احمد صاحب شہید مرحوم و مغفور کے قافلہ کی خبریں حاجی صاحب (حاجی عبدالغفور صاحب) حدود کے بڑے پیر ہیں وہ اس زمانہ میں انگریزی علاقہ سے اپنے اہل وعیال کو لے کر یاغستان میں چلے گئے تھے اور وہاں جا کر مشہور ہوا تھا کہ انہوں نے جہاد قائم کیا ہے مولوی سیف الرحمٰن صاحب، مولوی عبیداللہ صاحب، مولوی محمد میاں صاحب وغیرہ وغیرہ حضرات کے متعلق زمین آسمان کی واہی تباہی باتیں پوچھیں جن کا نہ سر تھا نہ پیر مگر مولوی صاحب نے نہایت استقلال سے اپنے ولایتی اکھڑ پنے سے سب کا جواب دیا اور بہت ہی متین جواب دیا۔

الغرض ہم سبھوں کو آپس کے بیانات معلوم کر کے اور یہ کہ کوئی تخالف نہیں ہوا بہت خوشی ہوئی جو کچھ افکار تھے وہ اس روز عموماً دور ہو گئے ہر ایک کو ایک درجہ اطمینان کا حاصل ہو گیا ہم وہاں کے کمانڈر جیل سے اپنی ضروریات کے لیے نقد منگاتے تھے جس کو شمع وغیرہ میں بھی خرچ کرتے تھے اور حسب قول اکابر "بلقمہ دہن سگ دوختن بہ" دل کھول کر مصارف (خرچ) کرتے تھے اس لیے ہمارے ساتھ ان دنوں اتنی رعایت ضرور ہونے لگی کہ ہم کو اس ہوا خوری کے پنجرے میں صبح سے داخل کر دیتے تھے اور شام کو چار بجے تک وہاں ہی چھوڑ دیتے تھے یا کبھی قضاء حاجت کے لیے پاس کے پائخانہ میں جانے دیتے تھے چائے وغیرہ اور کھانا صبح کا وہیں اکھٹا لا کر دے دیتے تھے جس کو ہم عموماً اکھٹا کھاتے تھے جو لوگ جیل کے خواہ منتظمہ جماعت ہو یا اسیر وغیرہ سب ان معاملات کو دیکھ کر یہ خیال کیے ہوئے تھے کہ یہ سب ایک گھرانے کے لوگ ہیں اور اتفاق سے سبھوں کی عمریں ایسی

متناسب واقع ہوئی تھیں کہ بلاشبہ سب کو ایک گھرانے کا ہر آدمی خیال کر سکتا تھا پھر معاملہ اور اتحاد اور بھی مؤید (تائید کر رہا) تھا کسی بات میں اجنبی شخص تغایر نہیں سمجھ سکتا تھا اگرچہ ہم سب آپس میں لڑتے بڑھتے ہی رہتے تھے مگر مولانا کی ذات ستودہ صفات نے ایسا اثر قائم کر رکھا تھا کہ وہ کسی پر نہ ظاہر ہوتا تھا اور نہ آئندہ کو باقی رہتا تھا مدت اقامت جیزہ میں ہم نے تقریباً ڈھائی پونڈ صرف (خرچ) کیے کچھ دنوں کے بعد ہم سبھوں کو شہر میں لے گئے اور ایک جگہ ہم سبھوں کے فوٹو لیا گیا کیونکہ اب پاسپورٹ میں ہر ایک کا فوٹو بھی رہتا ہے خصوصاً ایام جنگ میں اور پھر اسیروں (قیدیوں) کے لیے خاص طور سے اس کا اہتمام تھا دوسرے دن ہم کو دوسرے محکمہ میں لے گئے جہاں پر ہماری تشخیصات وغیرہ لکھی گئیں اور تمام انگلیوں اور انگوٹھوں کے نشان لگوائے گئے ہم کو ان سب باتوں کے ہوتے ہوئے کچھ نہیں معلوم تھا کہ ہمارے ساتھ استقبال میں کیا ہونے والا ہے ہم یہ خواہش کرتے تھے کہ ہم کو انہیں حجروں میں وہاں ہی رکھیں مگر دیگر اسیروں کی طرح جیل میں آزاد ہوں۔

مصر کی حالت:

میں اس جگہ ضروری سمجھتا ہوں کہ قدرے مصر کی حالت پر بھی روشنی ڈالوں مگر نہایت افسوس کرتے ہوئے وہاں کی سیاسی گہری حالتوں سے ہاتھ اٹھانا پڑا ہے کیونکہ اس زمانہ میں حق گوئی اور صداقت پر نظریں سخت پڑ رہی مجھ کو خوف ہے کہ یہ تاریخی رسالہ کہیں سیاسی شمار نہ کیا جائے اور پھر ضبطی میں آ کر مقصد اصلی فوت کر دے اس لیے میں گہرے اور بڑے واقعات سے اس مقام پر بحث نہیں کرنا چاہتا جن صاحبوں کو ضرورت ہو مصطفیٰ کامل اور فرید بیگ کی کتابوں کو ملاحظہ کریں مولوی عبدالرزاق صاحب ندوی ملیح آبادی نے بھی اپنے رسالہ ترکی اور یورپ میں کچھ اس مسئلہ پر مختصر طور سی روشنی ڈالی ہے اور بحمد اللہ اچھی روشنی ڈالی ہے خداوند کریم ان کو جزائے خیر دے میں فقط اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ جیسے کہ مشرق

کی آبادیاں عموماً اور اسلام کی خصوصاً مغرب کے ناپاک ہاتھوں مدتوں سے ذبح ہو رہی ہیں۔ اسی طرح مصر بھی ہے ان آبادیوں میں جو ملک زیادہ زرخیز ہو تجارتی یا صناعتی حیثیت سے اس کی اہمیت زیادہ ہوئی سیاسی وقعت اس میں کچھ زیادہ پائی گئی وہ بہت ہی مظلوم اور نہایت ہی بے طرح اور بے دردی کے ساتھ ہلاک کیا گیا اسکے ہاتھ پیر ناک کان دل و دماغ سب ہی علیحدہ علیحدہ اور ٹکڑے ٹکڑے کئے گئے یورپ کو مثل پادشاہان قدیم فقط ہوس ملک گیری ہی نہیں ہے اس کی طمع پہلے پادشاہوں سے صدہا گونہ زیادہ ہے وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ ملک لیوے وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ ہر محکمہ کی باگ اور ہر دائرہ کا حل وعقد (معاملہ) اس کے ہاتھ میں ہو وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ جملہ تجارتیں بھی ہضم کر لے وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ جملہ صناعتیں بھی غپ کر جائے وہ یہ بھی چاہتا ہے جملہ ذرائع دولت خواہ معاون ہوں یا عملی کمپنیاں سب اسی کے پاس ہوں وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ تعلیم اور تہذیب اخلاق ہر ملک کا اس کے زیر نظر اور اس کی رائے اور اس کے مفید طریقہ پر ہو خواہ ملک کے لیے مفید ہو یا نہ ہو وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ مذہب بھی ہر ملک کا اسی کے قبضہ میں ہو وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ دولت اور زراعت بھی اس کے زیر تحویل ہو اس کا مقصد یہ ہے کہ جملہ طرق خوشحال اور جملہ شعبہ ہائے ترقی اسی کے ہاتھ میں ہوں دوسری اقوام فقط غلامی کے اس درجہ میں رہیں جس سے وہ زندہ رہ کر چوپاؤں کی طرح اس کی خدمت کر سکیں بلکہ بعض جگہوں کے معاملات تو یہ کہہ رہے ہیں کہ دوسری اقوام کی زندگی بھی نہیں چاہتا۔

گذشتہ زمانے کی پادشاہتیں جن کی بھیانک تصویر ہم کو یورپین تاریخیں بتا رہی ہیں ان میں اس قدر اور یہ کمالات کہاں تھے یہ تہذیب اور تمدن اور حکومت نے انصاف اور عدل کی دیویوں گورہی گوری یورپین مورتوں کے لیے ازل سے رکھ دیے تھے جن کے تقدس کا راگ تاریخ کے ملائکہ (فرشتے) ترقی اور انسانیت کے مکانوں پر قیامت تک گایا کریں

www.shiehaq.org

گے یہ آتشیں آلات یہ زہریلے ہتھیار یہ ہلاک خیز کشتیاں یہ طرح طرح کی برباد کرنے والی مشینیں یہ قسم قسم کے جور و جفا کی کلیں یہ دم دم کی گولیاں فقط انسانی خدمتوں اور نوع بنی آدم کے راحت آرام کے لیے کیا نہیں بنائی گئیں ہیں کیا انہیں سے تمام عالم کی اصلاح نہیں ہو رہی ہے پہلی لڑائیوں میں ہزار دو ہزار لاکھ دو لاکھ مدتوں میں کہیں مقتول ہوتے تھے مگر فیصلہ ہو جاتا تھا اب ہفتوں نہیں بلکہ دنوں میں ملایین اور کروڑوں تک کی نوبتیں آ جاتی ہیں اور فیصلہ نہیں ہوتا پہلے زمانہ میں خرچہ جنگ سینکڑوں اور ہزاروں کی حدود میں محدود رہتا تھا اب ترقی خواہ اور انسانی خادم قوموں میں روزانہ لاکھوں اور کروڑوں کا خرچ دکھلایا جاتا ہے کہاں تک اس عجیب ترقی اور تمدن کے حال اور ان انسانی صورتوں شیطانی سیرتوں کے اوصاف کو ذکر کر کے آپ کے دماغ اور دل کو پریشان کروں اس کے لیے دفاتر کی ضرورت ہے مقصد سے میں بہت دور جا پڑوں گا اس لیے معافی کا خواستگار ہوں۔

جناب عالی مصر ایک زرخیز ملک ہے دریائے نیل وسط افریقہ اور سوڈان کے چشموں اور خوش ذائقہ جھیلوں اور فلک نما پہاڑوں کی بارشوں کا پانی بہاتا ہوا اس سرسبز زمین کو سیراب کرتا ہے اگرچہ رقبہ اس ملک کا بہت بڑا نہیں ہے مگر اپنی قابلیت اور جغرافیائی اہمیت کی وجہ سے حقیقت میں بہت ہی زیادہ پایہ اعتبار رکھتا ہے اس کے شمالی کنارہ کو بحر ابیض (بحر متوسط یا بحیرہ روم) اپنی لہروں سے ٹکراتا ہے اور مشرقی کنارہ کو بحر احمر (بحر قلزم) اسی وجہ سے یورپ کے تمام جنوبی ملکوں اور ایشیاء کے مغربی حصوں سے اس کا خاص تعلق ہو گیا ہے جس کی بنا پر بحری آلات سفر کے ذریعہ سے ہر ملک سے اس کا اتصال ہے ادھر افریقہ کے مغربی اور شمالی اور اسی طرح جنوبی حصہ سے اس کا تعلق خشکی سے ہے سوریہ اور عرب سے بذریعہ خاکنائے سویز اس کا اتصال ہے ان وجوہ سے اس کے جغرافیائی اور طبیعی اہمیت نہایت ہی بالا واقع ہوئی ہے پھر جب سے آبنائے سویز (قنال) نکل آئی ہے جس کے ذریعہ سے

یورپ کو ہندوستان، فارس، جزائر جاوا، چین، جاپان، آسٹریلیا، مشرقی افریقہ وغیرہ سے ہر قسم کے دریائی اور مفید راستے ہاتھ آ گئے ہیں اس کی اہمیت یورپین نظروں میں بہ نسبت پہلے کے صدہا گونہ زیادہ ہوگئی اگرچہ یہ قنال مصر . . . نے اپنے مفاد کے لیے نکالی تھی مگر حقیقت میں یہ ہی بڑا سبب اس کی ہلاکی اور بربادی کا ہو، حقیقت یہ ہے کہ بڑوں کی نصیحت نہ ماننے میں ہمیشہ تکالیف اور مصائب ہی کا سامنا ہوتا ہے۔ گورنر مصر حضرت عمرو بن العاصؓ نے خلیفہ ثانی حضرت عمر بن الخطابؓ سے اس قنال کی اجازت مانگی تھی تو آپ نے اس کے برے عواقب (نتائج) بیان فرما کر اس سے روک دیا تھا آخر کار وہی دیکھنا پڑا ان کے الفاظ صریح کا ترجمہ یہ ہے کہ خبردار ایسا نہ کرنا ورنہ تمہاری عورتوں کو افرنج خانہ کعبہ کے سامنے سے پکڑ لیجائیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا اس جنگ میں مسلمان عورتیں، لڑکیاں بچے خاص مکہ معظمہ اور بیت الحرام کے اردگرد سے پکڑی گئیں اور کفار اسیر کر کے ان کو لے گئے اگرچہ انہوں نے شریف اور اس کے لوگوں کے واسطے سے پکڑا اور پھر جدہ میں خود اپنے ہاتھوں میں لیا مگر ہمیشہ کاتب قلم کے ذریعہ سے لکھتا اور بادشاہ فوج کے ذریعہ سے جنگ کرتا ہے جو کہ واقع میں فعل کاتب اور بادشاہ کا شمار کیا جاتا ہے۔

دریائے نیل پادشاہان مصر ”محمد علی پاشا“ ابراہیم پاشا“ اسمٰعیل پاشا نے بہت سی نہریں نکال کر اطراف وجوانب کی ان زمینوں کو سیراب کیا ہے جہاں پانی نہیں پہنچتا تھا پھر اوپر کی طرف بڑے بڑے پختہ تالاب بنوائے ہیں جو کہ بارش کے سیل کے زمانہ میں دریائے نیل سے بھر جاتے ہیں اور جس زمانہ میں دریا اترا ہوا ہوتا ہے ان تالابوں کے ذریعہ سے نہروں کے واسطے سے آبپاشی کی جاتی ہے ہر قسم کے غلہ جات ترکاریاں میوہ جات وغیرہ وہاں پیدا ہوتے ہیں۔ مگر غلہ اور ترکاریوں کی کاشت بہت زیادہ ہے آدمی بہت جفاکش اور قوی ہوتے ہیں۔

محمد علی پاشا اور اس کی اولاد نے مصر کی ترقی کی نسبت بہت زیادہ ہمت اور کوشش سے کام لیا مگر یورپین ممالک کو اسلامی اور مشرقی حکومت کا عروج کب گوارا تھا اس نے ہمیشہ ایسے چکر دیے کہ انسانیت اور تمدن کے نام پر مثل ایشیا وغیرہ مصر کو بھی بھینٹ چڑھنا پڑا اس کا بھاری قیمتی بیڑہ بندرگاہ نادرین پر نہایت عدالت اور غایت انصاف اور کمال انسانیت کی وجہ سے بتاسبہ برطانی امیر البحر نے ڈبویا اس کی فوجی قوت کو برٹش گورنمنٹ نے سلطان عبدالمجید سے صلح کرانے کی پالیسی میں نہایت کم اور کمزور کردیا اس کا بڑا ملکی حصہ سوڈان کا جس کو مصری اور غیر مصری یعنی ہندوستانی فوجوں کے ذریعہ سے سوڈانی مسلمانوں کا خون بہا کر جب کہ وہ آزادی کے لیے کوشش کررہے تھے فتح کیا گیا تھا اس سے جدا کر کے خالص برطانوی قرار دے دیا گیا ”ارابی پاشا“ اور رعایا کو ایک طرف اور خدیوی کو دوسری طرف بھڑکایا گیا اور آپس میں مصالحت ونیز محافظت تخت خدیوی کی غرض سے مصر کی حمایت اور مداخلت کی نوبت آئی اب ہم ان باتوں کو دہرانا نہیں چاہتے مصر کے نظام کو بہت ہی غیر منتظم دکھلایا گیا ہر ہر شعبہ میں ایک مستشار (مشورہ دینے والا) برطانوی رکھنا ضروری قرار دیا گیا ہر وزیر اور ہر بڑے افسر کے ساتھ ایک بہت بڑی تنخواہ والا مستشار برطانوی رکھا گیا جس نے تمام امور کی باگ اپنے ہاتھ میں لے لی مصری مسلمان افسر فقط صورت کاتب اور کاٹ کا الو رہ گیا۔

حقیقت یہ ہے کہ مصر کی اصلی آبادی ۱۵/۱۶ مسلمان اور ۱/۱۶ قبطی عیسائی ہیں اس لیے یہاں پر مختلف پالیسیوں کی ضرورت خیال کی گئی عموماً محکموں میں عیسائی داخل کیے گئے قبطی یا یونانی اٹالین فرنچ وغیرہ وغیرہ زور دیدے کر ٹھونسے گئے چنانچہ تھوڑے ہی دنوں میں بہت سے محکمے ایسے ہوگئے جن میں مسلمان نام تک کو باقی نہ رہ گیا پھر عیسائیوں کو اشتعالک (بھڑکی) دی گئی کہ وہ مسلمان ملازموں پر اس قسم کے تشددات کریں جن کی وجہ سے وہ خود

خارج ہو جائیں اور اگر نہ ہوں تو ان پر جھوٹے سچے الزامات ایسے قائم کیے جائیں جن کی بنا پر ان کو علیحدہ کر دیا جائے چنانچہ ایسا ہی ہوا اور ہو رہا ہے جیل خانہ کے محافظ سپاہیوں پر بھی ہیڈ کانسٹیبل تک عیسائی اٹالوی تھے جن کی تنخواہیں بھی بڑی بڑی تھیں۔ ہتھیار تمام سکان (باشندگان) مصر سے چھین لیے گئے اور ان کا رکھنا جرم قرار دیا گیا ہے لائسنس کے بغیر کوئی ادنی درجہ کا ہتھیار نہیں رکھ سکتا اس لیے تمام سکان مصر بے دست و پا اور چوڑی پہننے والی عورتوں جیسے ہو گئے جیسا کہ اہل ہند ہیں۔

امور تجارت میں بھی یہی معاملہ ہوا یونانی یا دیگر عیسائی اقوام کو ہر قسم کے ٹھیکے وغیرہ دلا کر اور دوسرے طریقوں سے اعانتیں کر کے ان کی تجارتوں کو فروغ دیا گیا جس کی بنا پر تمام مصر میں بڑا حصہ تجارت اور نیز کارخانوں وغیرہ کا یورپین اور مسیحی قوموں کے ہاتھ میں ہے۔

مصریوں کے مذہبی جذبات کو کمزور کرنے کی بھی پوری کوشش عمل میں لائی گئی ان میں بد دینی مختلف طریقوں اور ہر پہلو سے پھیلائی گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شہری اور متمول (مالدار) لوگ بہت جلد آزاد خیال ہو گئے مگر ساتھ ہی اس کے اس طبقہ میں قومیت کا خیال یورپ کی بدقسمتی سے بہت زور کا پیدا ہو گیا اصحاب ثروت لوگوں پر حکومت کی جانب سے دباؤ ڈال کر ان کو قومی انکار اور ملکی ترقی سے فقط روکا ہی نہیں گیا بلکہ ان کو حزب وطنی کی مخالفت پر آمادہ کیا گیا اور ہر پہلو سے ان کے ذریعہ سے مخالف کوشش عمل میں لائی گئی اہل وطن میں اختلاف پھیلانے کی اسپرٹ نہایت زور سے بکھیری گئی عام کاشت کاروں سے ایسی پالیسی اختیار کی گئی جس کی وجہ سے ان کو خاندان خدیوی اور مصری حکام سے سخت نفرت ہو گئی اور اسی کی اب تک کوشش کی جا رہی ہے عام اہل شہر پر مصری چھوٹے احکام کے ذریعہ سے تشددات بیجا ہر معاملہ میں کرائے گئے پھر اگر شکایت برٹش افسر تک پہنچ گئی تو ان پر مراحم

خسروانہ برسائے گئے مصری حکام کو تنبیہ کی گئی جس کی وجہ سے عوام کو یقین ہو گیا کہ برطانوی حکام نہایت رحیم و عادل ہیں جو کچھ مظالم ہم پر آئے دن ہوتے اور شدائد عمل میں آ رہی ہیں وہ سب مصری حکام کی جانب سے ہیں اسی کے قریب ہندوستان میں بھی عمل میں آ رہا ہے پنجاب وغیرہ کے مظالم جدیدہ اور قدیمہ اس کے شاہد ہیں چنانچہ مجھ سے بھی اظہار کے وقت ایک مقام پر مسٹر تلک وغیر کے مذاکرہ میں جیزہ میں مستنطق نے کہا کہ ہندوستانی ہم کو پلیگ کے معاملہ میں بدنام کرتے ہیں۔ ہم لوگوں نے تشددات اور مظالم کیے تھے یا کہ ہندوستانی حکام کرتے تھے؟ تعجب ہے ہندوستانیوں کا نام بدنام کیا جاتا ہے حالانکہ یہ حکام جو کہ انگریزوں کی غلامی کو خدا کی غلامی اور بندگی سے بھی بہت زیادہ قوی جانتے ہیں بلا اشارہ انگریزی حاکم کے چوں بھی نہیں کر سکتے ان کا تو دین ایمان دنیا اور آخرت انگریزوں کی اطاعت نہیں بلکہ ان کی خوشنودی حاصل کرنا ہے ان کا مذہب یہ نہیں ہے کہ خلاف حکم نہ کیا جائے ان کا مذہب تو یہ ہے کہ انگریز کے خلاف منشا کرنا سخت حرام اور گناہ کبیرہ بلکہ کفر ہے خواہ دین جاوے یا رہے خواہ خدا راضی ہو یا ناراض خواہ قوم و وطن برباد ہو یا آباد مگر چونکہ انگریزی پالیسی ہمیشہ اور ہر ملک میں یہی رہی ہے کہ اہل ملک و وطن سے ہمیشہ مظالم کرائے جاویں تاکہ قوم میں نفاق و شقاق ہو رعایا پر رعب جمے قتل و قتال میں وہی آپس میں برباد ہوں انہیں پہ سدا الزام رہے ہم پاک دامن ستھرے بنے ہوئے سب کے خون چوستے رہیں اگر ہم تک شکایت پہنچے تو ہم اس سے تبری (برأت) ظاہر کر دیں اس لیے یہی پالیسی مصر میں بھی اختیار کی گئی علاوہ اس کے اگر بڑے حکام ستم اور جبر کے طلب گار اور عادی نہ ہوں تو ممکن نہیں کہ چھوٹے حکام بڑے بڑے مظالم کریں۔

؎ بہ پنج بیضہ چو سلطان ستم روا دارد زنند لشکریانش کباب مرغ بہ سیخ

الغرض طرح طرح کے جال سے وہاں مسلمانوں اور اہل وطن کی قوتوں کے ملیامیٹ کرنے کی کوششیں کی جا رہی ہیں مصارف اس قدر بڑھا دیے گئے کہ آمدنی سے

قرضہ ملک کا ادا ہونا تو درکنار اس کا سود ہی سالانہ ادا کرنا مشکل اور دشوار ہو گیا ہے پھر اگر کبھی کچھ جمع ہو گیا تو دور دراز ملکوں کی جائدادیں خرید دیں گئیں جن کی حفاظت ہی کرنا مصر کو دشوار ہے ان سے نفع اٹھانا تو درکنار۔

اس کے علاوہ سینکڑوں پیچیدگیاں ڈالی گئیں ہیں اور ڈالی جا رہی ہیں جن سے ہم اپنے رسالہ کو ناپاک کرنا نہیں چاہتے۔

؎ من حال دل زاہد یا خلق نہ خواہم گفت   کہ ایں قصہ اگر گویم باچنگ و رباب اولی

مصر کے مدت قیام میں صوفی مولوی شاہ محمد صاحب الہ آبادی نے ہم کو بعض کتابیں بھی لادی تھیں جن کی وجہ سے اکثر دل لگی رہتی تھی ہمارا اسباب وہاں کھولا گیا جو صاف کپڑے تھے وہ چھوڑ دیے گئے باقی سب بھپارے میں (ڈیسن فیکٹ) کے لیے بھیج دیے گئے دوائیں سرمہ وغیرہ ضائع کردی گئیں ایام قیام زنزنہ (کال کوٹھڑی) میں وہ سب مخازن میں محفوظ رکھے گئے کتابوں کی کوئی پڑتال نہیں کی گئی فقط سرسری طور سے دیکھا گیا اور چھوڑ دیا گیا اپنے میلے کپڑوں کو ہم نے وہاں ہی کے بعض محتاج اسیروں سے دھلوا لیا۔

* * *

روانگی مالٹا

۱۵ فروری ۱۹۱۷ء مطابق ۲۳ ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ کو مولاناؒ کو ایک ماہ گزر جانے کے بعد معتقل (جیل) کے کمانڈار برٹش حاکم نے بلا کر یہ کہا کہ کل تم مالٹا بھیجے جاؤ گے ضروری سامان کرلو اور تیار ہو جاؤ ہم نے دو اشرفیاں طلب کیں اور ان کو بھنوا کر جو کچھ چائے وغیرہ کے اخراجات کا ہم پر قرضہ تھا وہ ادا کیا اور باقی تقریباً ڈیڑھ گنی کی تفاریق ساتھ کر رکھی صبح کے وقت ۱۶ فروری مطابق ۲۴ ربیع الثانی کو ہم کو گوروں کی گارڈ کی حفاظت میں موٹر میں بٹھا کر مع سامان ریلوے اسٹیشن قاہرہ پہنچا دیا گیا اور اسی وقت تھرڈ کلاس میں گارڈ کی حفاظت میں ہم کو اسکندریہ پہنچا دیا گیا تقریباً ایک بجے اسی دن اسکندریہ پہنچے اسی وقت بند موٹر لایا گیا اور اس میں بٹھا کر ہم کو اسٹیشن سے گودی پر پہنچا دیا گیا جہاز پر سوار ہونے کا حکم ہوا جہاز کے بالائی طبقہ پر ایک بڑا کمرہ تھا جس کے دونوں طرف چارپائیاں لگی ہوئی تھیں اور اس پر گدے اور کمبل پڑے ہوئے تھے اور بیچ میں لمبی میز بچھی ہوئی تھی اس میں داخل کر دیا گیا اور اس کی باہر کی کھڑکیاں جن سے ہوا اور روشنی آ سکتی تھی بند ہی نہیں بلکہ کیلوں سے مضبوط تختوں سے جڑ بھی دی گئی تھیں دروازے پر تین گورے سپاہیوں کا پہرہ قائم کر دیا گیا ہم نے جا کر پانچ چارپائیوں پر ایک طرف قبضہ کر لیا اس کے آخر میں ایک کمرہ بھی تھا جس میں پائخانہ اور غسل خانہ بھی تھا جس میں میٹھا پانی موجود تھا۔

ترکی افسروں اور سپاہیوں کی آمد:

تھوڑا ہی عرصہ ہم کو گزرا تھا کہ بہت سے ترکی فوجی افسر اور سپاہی لائے گئے

افسروں کو نیچے کے خاص کمروں میں جو کہ سیکنڈ یا فسٹ کے تھے رکھا گیا اور سپاہیوں کو جن کی تعداد تقریباً پندرہ سولہ تھی ہمارے کمرے میں داخل کر دیا گیا چونکہ قواعد اسارت میں یہ ہے کہ جب کوئی فوجی افسر اسیر ہو تو اس کو اس کی حسب منشا ایک خادم فوجی دیا جاتا ہے اس لیے یہ سپاہی ان افسروں کے خدام تھے جو کہ سب مسلمان اور نیک مزاج تھے اور عموماً ترکی سپاہی نیک مزاج ہی ہوتے ہیں یہ سب جب داخل ہوئے اور حضرت مولانا مرحوم کو دیکھا تو نہایت احترام سے پیش آئے انہوں نے ہماری چارپائیوں سے تعرض نہ کیا بلکہ خود باقی ماندہ چارپائیوں پر قابض ہو گئے چونکہ وہ تعداد میں کم تھیں اس لیے ایک ایک پر دو دو قابض ہوئے یہ آپس میں کھیلتے اور گاتے اور کشتی کرتے تالیاں وغیرہ بجاتے تھے جس کو دیکھنے کے لیے انگریزی گورسپاہی جمع ہو جاتے تھے ان کو دیکھ کر یہ سب اور زیادہ گاتے اور کودتے تھے پھر بعد میں دو تین شخص حضرت مولاناؒ کے پاس آئے اور کہا کہ حقیقت میں ہم آپ کی بے حرمتی کرتے ہیں کہ آپ کے سامنے گاتے اور کودتے اور ناچتے ہیں مگر کیا کریں دشمن دین کافر کے ہاتھ میں اسیر ہو گئے ہیں اگر ہم باادب بیٹھیں تو یہ کافر خوش ہوں گے اور ہم کو رنجیدہ اور غمگین خیال کریں گے اس لیے ہم اپنی قوت اور اپنی عدم رنجیدگی جتلانے کے لیے ناچتے گاتے ہیں مولانا نے فرمایا کہ تم خوب کودو اور گاؤ ہماری طرف سے اجازت ہے۔

جہاز میں کھانے کا انتظام:

جب شام کا وقت آیا چونکہ ہم نے صبح سے کچھ کھایا نہیں تھا تو ایک افسر سے پانی اور کھانے کا تذکرہ حکیم نصرت حسین صاحب نے فرمایا کیونکہ وہی انگریزی بول سکتے تھے اس نے کہا کہ اگر تم ہمارا کھانا پکا ہوا کھاؤ تو حاضر ہے انہوں نے حضرتؒ سے پوچھ کر جواب دیا کہ تمہارا گوشت اور تمہارا پکا ہوا سالن ہم نہیں کھا سکتے تو اس نے کہا کہ اسی خیال سے ہم کو تمہارے لیے یہاں سے مالٹا تک کے لیے یہ جنس دے دی گئی ہے اس کو لیجاؤ اور جس طرح

چاہو خرچ کرو مالٹا تک تم کو اور کوئی چیز نہیں ملے گی جہاز کا باورچی خانہ بتا دیا کہ یہاں پکا لیا کرو اور باورچی سے کہہ دیا کہ جس چیز کو جس طرح یہ پکائیں ان کو مت روکو چونکہ آٹے کے پکانے میں وقت بھی تھی اور روٹی کے لینے میں شرعی کوئی قباحت (برائی) نہ تھی اس لیے اس سے کہا گیا کہ ہم تمہاری پکی ہوئی روٹی لے لیں گے فقط سالن اور چائے وغیرہ ہم خود پکائیں گے وہ اس پر راضی ہو گیا اور فی کس ایک ایک پاؤ روٹی صبح و شام دینے کا حکم کر دیا باقی جنس اٹھا لائے جس میں چنے کی دال' آلو آرڈ کی دال گھی' مرچ دھنیا' ہلدی' چائے گڑ چاول وغیرہ تھی چونکہ ہمارے پاس تمام سامان پکانے کا موجود تھا اور قدرے جنس بھی اپنی موجود تھی اس لیے اپنی دیگچیوں میں حکیم صاحب مرحوم اور وحید جا کر کھانا پکا لاتے تھے اور ایک جگہ جمع ہو کر کھا لیتے تھے وہ تمام جنس مالٹا تک ہم ختم نہ کر سکے باقی ماندہ جہاز ہی پر چھوڑ کر اتر گئے۔

جہاز کی روانگی:

اسی روز شام کو یعنی ۱۶ فروری ۱۷ء بمطابق ۲۴ ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ کو جہاز اسکندریہ سے روانہ ہوا اس کے آگے آگے ایک جنگی جہاز کروزر اس کی حفاظت کو چلتا تھا اور کبھی کبھی دائیں اور بائیں بھی چکر لگاتا تھا اس پر بہت بڑا اسپین بورڈ لگا ہوا تھا کہ اس جہاز میں زخمی اور مریض سپاہی ہیں۔ سامان جنگ نہیں ہے کیونکہ جرمنی سمرینیں اس زمانہ میں بحر سفید میں بھی آگبوٹوں کو غرق کر رہی تھیں خود اسکندریہ کے بندر پر چند دن پہلے ایک آگبوٹ غرق کر چکی تھیں مگر زخمی اور مریض سپاہیوں کو ایذا پہنچانا انسانیت اور معاہدات دول کے خلاف تھا اس لیے ان سے تعرض نہیں کرتی تھیں بلکہ پہلے تو تجارتی جہازوں اور غیر جانبدار حکومتوں کے جہازوں سے بھی تعرض نہیں کرتی تھیں فقط دول متحاربہ کے جنگی اور ان جہازوں سے تعرض کرتی تھیں جن پر فوج یا سامان جنگ ہو مگر جب برٹش نے اپنے جنگی جہازوں اور فوجی سامانوں کو تجارتی آگبوٹوں میں لے جانا اور غیر جانبدار باوٹوں کی آڑ میں

شکار کھیلنا شروع کردیا تو اس نے اعلان کرکے سبھوں کو ڈبونا شروع کردیا تھا جس کی بنا پر اس کو وحشی غیر متمدن بنایا جارہا تھا یہ وہ زمانہ ہے کہ کوئی جہاز سمندر میں باامن و بلا خوف سفر نہیں کرسکتا تھا۔

جہاز میں موت کی ہر وقت تیاری:

جب ہمارا جہاز شب کو اسکندریہ کے پورٹ سے روانہ ہوگیا تو تھوڑے ہی عرصہ کے بعد ہر ایک شخص کو کاگ (جس کی ڈاٹ بوتلوں میں ہوتی ہے کی پٹیاں دی گئیں) یہ پٹیاں کاگ کی لکڑیوں کے ٹکڑے سے جو کہ کپڑوں میں سلی اور جڑی ہوتی ہیں بنائی جاتی ہیں۔ جہاز کے ڈوبنے کے وقت گلے یا کمر میں پڑے رہنے کی وجہ سے آدمی ۲۴ گھنٹے یا اس سے زیادہ تک نہیں ڈوبتا اور پھر جتنے آدمی اس آگبوٹ میں تھے خواہ جہاز راں یا فوجی یا اسیر وغیرہ وغیرہ سب کے سب مختلف کشتیوں پر تقسیم کردیے گئے اور سب کو کشتیوں کے نمبر اور جگہ بتادی گئی ہر جہاز پر دونوں طرف یعنی دائیں اور بائیں مختلف چھوٹی چھوٹی کشتیاں بندھی رہتی ہیں کہ اگر کہیں ضرورت پڑے یا جہاز کے ڈوبنے کا خطرہ ہو تو لوگوں کے لیے وہ کشتیاں کھول دی جائیں تاکہ اس میں بیٹھ کر وہ کنارے اور خشکی تک جاسکیں اور کہہ دیا گیا کہ جب سیٹی ہو ہر شخص ان پٹیوں کو گلے میں فوراً ڈال کر اپنی اپنی کشتی پر بلا تاخیر پہنچ جائے خواہ دن ہو خواہ رات کسی وقت ان پٹیوں کو اپنے سر سے دور نہ کرے چنانچہ انگریزی افسر وغیرہ ان کو ہر وقت گلے میں ڈالے رکھتے تھے حتی کہ کھانے اور چلنے کے وقت بھی ان کی یہی حالت تھی کثرت خوف کی وجہ سے بعض لوگ سخت پریشان تھے اس کے لیے امتحان بار بار کیا گیا اور سیٹیاں دی گئیں۔ ہر ایک اپنی اپنی کشتی پر پہنچ گیا حضرت مولانا نے بھی اپنے خدام کو جو خاص تبرکات اپنے اکابر کے تھے بانٹ دیئے بایں وجہ کو خدا جانے کیا واقعہ پیش آئے اور پھر کون مرے اور کون بچے اس لیے ہر ایک ایک ایک تبرک اپنے پاس رکھے حضرت کے

پاس حضرت قطب العالم حاجی امداد اللہ صاحب اور حضرت شمس الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب اور حضرت شمس العلماء والفضلاء مولانا رشید احمد صاحب قدس اللہ اسرارہم کے خاص خاص تبرکات اور ناخن اور بال تھے سب کو ایک ایک لباس اور ناخن اور بال دیے اور خود بھی اپنے پاس رکھا کاتب الحروف کو حضرت مولانا گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز کی روئی کی وہ کمری عنایت فرمائی جو کہ بوقت وصال آپ کے جسم مبارک پر تھی مالٹا پہنچنے کے بعد جب سب تبرکات واپس ہوئے اس کو میں نے واپس نہیں کیا بلکہ اب تک میرے پاس محفوظ ہے۔ مولاناؒ سے کہہ دیا کہ اس کو میں واپس نہ کروں گا آپ نے بھی کچھ اصرار نہ فرمایا اور بعضے ادنیٰ قیمتی لباس بھی دیدیئے کہ سردی کا زمانہ تھا کشتی میں اس سے قدرے تحفظ بھی ہوگا۔

الحاصل تمام جہاز کے لوگ عموماً اور ہم سب خصوصاً ہر وقت موت کے لیے تیار رہے۔ لوگوں کو رات اور دن یہی خیال رہتا تھا کہ خدا جانے کب سمرین جہاز پر گولہ پھینک دے بعض مقامات تو بہت زیادہ خطرے کے گذرے مگر باایں ہمہ مولاناؒ پر کسی قسم کی گھبراہٹ اور اضطرار (بے چینی) کا ظہور نہ تھا ہم سبھوں کے قلوب پر بھی ان کی برکت سے اطمینان تھا اسی طرح سے چار دن برابر گذر گئے۔

ترکی افسر:

ترکی افسر جو کہ فرسٹ اور سیکنڈ میں تھے اور صبح کو ہوا خوری کو آتے تھے اس وقت ہمارا بھی کمرہ کھول دیا جاتا تھا ہم بھی ہوا خوری کو نکالے جاتے تھے ان لوگوں نے ہندوستانی اشخاص اسیر دیکھ کر تعجب کیا چونکہ پہلے سے ان لوگوں کی اور ہماری کوئی جان پہچان نہ تھی اس لیے انہوں نے ہم کو اور ہم نے ان کو تفصیلی پتہ اور وجوہ کے ذکر کرنے کی تکلیف دی معلوم یہ ہوا کہ یہ افسر عموماً فوجی تھے بعض کرنیل بعض میجر بعض کپتان اور بعض لیفٹیننٹ کپتان وغیرہ

جو کہ عراق، یمن حجاز وغیرہ سے پکڑے گئے تھے اور اسکندریہ میں کیمپ سیدی بشر میں اسیر رکھے گئے تھے چونکہ برٹش گورنمنٹ نے حجاز کے فتنہ کے بعد یہ رویہ اختیار کیا تھا کہ ترکی جتنے اسیر تھے ان کو ورغلاتی تھی اور سلطان کے خلاف جنگ کرنے پر آمادہ کرتی تھی اور اس کے لیے دو طریقے خاص طور سے نکالے گئے تھے اول تو عربوں کو توڑا گیا اور عرب افسروں کو کہا گیا کہ ہم تمہارے استقلال کے لیے کوشش کر رہے ہیں شریف کو ہر قسم کی مدد پہنچا رہے ہیں تم بھی شریف کے پاس چلے جاؤ وہاں تم کو تنخواہ ملے گی اسارت سے آزادی ہوگی اس کے ساتھ مل کر لڑو اور ترکوں کو پسپا کر کے اپنے ملک کو آزاد کرادو چنانچہ اس طریقے سے ہزاروں سپاہیوں اور افسروں کو مختلف مقامات یعنی ہندوستان (سمر پور وغیرہ) برہما، سیدی بشر، راس التین وغیرہ وغیرہ سے بہلا پھسلا کر کے لایا گیا اور شریف کی فوجوں میں داخل کر کے ترکوں کے مقابلہ میں جنگ کرائی گئی عربی جاہل سپاہ کچھ تو اپنی آزادی کی طمع کچھ اسارت سے خلاصی کے لالچ کچھ ترکوں سے بھلائی ہوئی عداوت ان وجوہ سے نکل پڑتی تھی اور خلیفہ اسلامیہ کے مقابلہ کے لیے تیار ہو جاتی تھی مگر اس کے لیے صورت یہ اختیار کی گئی تھی کہ شریف کے ہم خیال لوگ شامی اور عراقی وغیرہ جو مصر میں تھے ان کی جماعت کو ان سپاہیوں کے پاس بھیجا جاتا تھا اور وہ برابر سمجھاتے اور توڑتے رہتے تھے علی ہذا القیاس افسروں کو بھی توڑا جاتا تھا اور دوسرا طریقہ یہ تھا کہ خود ترکوں کو بھی توڑا جاتا تھا کیونکہ مصر میں جنگ پہلے سے ایک جماعت ترکوں کی ایسی موجود تھی جو کہ حکومت ترکی کے خلاف تھی یا اس وجہ سے کہ وہ کسی جرم کی وجہ سے فراری تھی یا اس کو جلاوطن کر دیا گیا تھا یا وہ اختلافی پارٹی کی تھی اس جماعت کو برٹش افسروں نے اپنے مقاصد کے لیے آلہ بنایا کہ ترکی افسروں کو توڑنے اور بمقابلہ ترکی افواج ان لوگوں کو بھیجتے تھے حقیقت میں اس ناپاک فعل نے بہت زیادہ نقصان ترکوں کو پہنچایا چونکہ یہ معاملہ پھسلانے بہکانے کا اسیروں کے کیمپوں میں داخل ہو کر ہوا کرتا تھا اور

انگریزی افسر ایسے لوگوں کو برابر داخل کرتے رہتے تھے تو ترکی اور بہت سے عرب افسر جن میں غیرت، حمیت، دیانت اسلام تھا اس کی سخت مخالفت کرتے تھے اور جس شخص کو ادنی درجہ کا بھی اس قسم کا خیال رکھنے والوں میں پاتے تھے اس کو سمجھاتے بجھاتے اور اگر اس پر بھی نہ باز آتا تو سختی کرتے تھے جس کی وجہ سے برٹش کوششیں ناکام ہوتی تھیں اس لیے ایسے لوگوں کو چن چن کر یکبارگی مالٹا بھیج دیا گیا تاکہ پھر اپنے جال پھیلانے کی پوری قوت ہاتھ آ جائے۔ مالٹا میں نہ ہر اسیر سیاسی بھیجا جاتا تھا نہ ہر اسیر فوجی بلکہ جن کو گورنمنٹ زیادہ خطرناک خیال کرتی تھی ان کو وہاں بھیجتی تھی ان ہی افسروں نے حضرت مولانا سے خصوصاً اور ہم سبھوں سے عموماً نہایت محبت کا برتاؤ کیا اور جب تک مالٹا میں رہے بہت زیادہ الفت اور مودت (دوستی) سے ملتے رہے۔

وصول مالٹا:

جہاز جمعرات کی شام کو روانہ ہو کر دوشنبہ کی صبح کو تقریباً دس بجے ۲۱ فروری ۱۷ء مطابق ۲۹ ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ کو مالٹا میں لنگر انداز ہوا مگر تقریباً چار بجے تک کوئی ہمارے اترنے کی فکر نہیں ہوئی چار بجے کے بعد ہم اتارے گئے اول ترک افسر اور سپاہی اترے پھر ہم کو اترنے کا حکم ہوا ترکی افسروں نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ تم ان کے سامان اتروادو انہوں نے ہاتھوں ہاتھ ہمارا سامان اتار دیا اور پھر کنارے پر پہنچ کر افسروں کو دوسرے راستہ سے موٹر پر ان کے جاء قیام یعنی دال فرشہ پر بھیج دیا گیا اور حضرت مولانا کو وہ انگریز افسر جو اتارنے کے لیے آیا تھا اپنے ساتھ اکے پر بٹھا کر لے گیا باقی ہم چاروں آدمی اور جملہ سپاہی پیدل کیمپ تک گئے ہمارا اسباب موٹر پر گیا مولانا چونکہ ہم سے پہلے رد گیٹ کیمپ میں جہاں پر ہمارے قیام کے لیے خیمے نصب کیے گئے تھے پہنچ گئے تھے اس لئے ان کو ہم سے پہلے داخل کر دیا گیا۔ راستہ میں اہل شہر اور ان کے لڑکے عورتیں ہماری

اسارت پر خوشیاں مناتے تھے مذاق اڑاتے تھے اور جھنڈ کے جھنڈ پرے باندھے ہوئے تماشا دیکھتے تھے کیونکہ سب کے سب عیسائی تھے ان کو مسلمانوں کے اسیر ہونے کی نہایت زیادہ خوشی ہوتی تھی اور غالباً اسی وجہ سے ہمارے آگبوٹ کو روکا گیا اور شام کے وقت ہم سب اتارے گئے تاکہ اہل شہر کو خبر ہو جائے اور وہ تماشا دیکھنے کے لیے راستہ میں آ جائیں جس سے ان کے دلوں میں انگریزی حکومت کا دبدبہ اور مسلمانوں اور ان کے متفق ملکوں کا ضعف ظاہر ہو مسلمانوں کی بری طرح تذلیل ہو مصر میں بھی اس قسم کا معاملہ ہوتا تھا مگر کم جب ایسی صورت ہوتی تھی تو مجھ کو حضرت حاجی صاحبؒ کا شعر یاد آ جاتا تھا۔

؎ مرا اک کھیل خلقت نے بنایا   تماشے کو بھی تو لیکن نہ آیا

* * *

مالٹا کی اسارت گاہ اور اس کی تفصیل

ایک بڑا قلعہ جو قدیم زمانہ میں پہاڑ کھود کر بنایا گیا ہے اور نہایت مستحکم (مضبوط) اس کی دیواریں اور خندقیں وغیرہ ہیں اس میں علاوہ وسیع میدان کی مختلف عمارتیں بھی پُر تکلف اور آرام دہ بنی ہوئی ہیں یہ قلعہ حقیقت میں فوج اور افسروں کے رہنے کے لیے بنایا گیا تھا اور جنگی ضرورتیں بھی اس میں محفوظ تھیں ہر وقت ایک بڑی مقدار سپاہیوں اور افسروں کی یہاں رہتی تھی ایام جنگ میں جب کہ خوفناک اسیروں کے لیے نہایت محفوظ مقام کی ضرورت ہوئی اس وقت اس قلعہ کو خالی کرالیا گیا اس میں کانٹے دار تاروں کے ذریعہ سے چند حصے کر لیے گئے اور ہر ایک حصہ کے لیے ضروریات مہیا کر دی گئیں۔ نام اور سکان (مکان) بھی تجویز کر دیے گئے روگیٹ کیمپ سینٹ کلیمٹ یا جرمن کیمپ بلغار کیمپ، ردم کیمپ سینٹ کلیمٹ براکس یا عرب کیمپ، وردالہ براکس دال فرشتہ نیو وردالہ رد گیٹ کیمپ قلعہ کی خندق میں دروازہ قلعہ پر واقع تھا اس میں اور عرب کیمپ میں مسلمان سویلین اور فوجی سپاہی رکھے جاتے تھے مگر سول (ملکی) اور ملٹری (فوجی) افیسروں کے لیے یہ دونوں کیمپ نہیں تھے روگیٹ کیمپ میں رہنے کے لیے فقط خیمے تھے البتہ مطبخ (باورچی خانہ) غسل خانہ پانی کا نل وغیرہ ایک پختہ عمارت میں تھا جس پر سیڑھیوں کے ذریعے سے جانا ہوتا تھا پاخانے ٹین کے اخیر میں بنے ہوئے تھے۔ سینٹ کلیمٹ یا جرمن کیمپ یہ بھی کھلا ہوا میدان تھا اس میں عموماً خیمے نصب تھے اس میں جرمنی اسٹرین سول اور فوجی معمولی آدمی رکھے جاتے تھے اگر کوئی افسر خود رغبت سے یہاں آنا چاہتا تھا تو اس کو بھی جگہ دی جاتی

تھی علاوہ جرمن اور اسٹرین کے دوسری قومیں بھی اس میں تھی لیکن غالب عنصر ان ہی دونوں کا تھا جن میں جرمنی زیادہ تھے افسر اور بڑے درجہ کے سویلین کم تھے بلغار کیمپ اور روم کیمپ اور جرمن کیمپ میں فقط خیموں ہی میں رہنا ہوتا تھا البتہ باورچی خانے پختہ بنے ہوئے تھے پائخانوں پر ٹین پڑا ہوا تھا پانی کا نل لگا ہوا تھا کھانا کھانے کی جگہ بھی پختہ بنی ہوئی تھی سینٹ کلیمنٹ براکس یا عرب کیمپ یہ مسلمان سویلین اور فوجی معمولی لوگوں کے لیے مخصوص تھا یہ نیچائی میں واقع تھا بہت سی سیڑھیاں اتر کر آنا ہوتا تھا اس میں سب عمارتیں تھیں دو چار خیموں کی بھی جگہ تھی اس کے متعلق سیر کے لیے ایک پہاڑ تھا جو کہ فضا کی جگہ تھی اس کی عمارتیں اچھی تھیں مگر نیچائی میں ہونے کی وجہ سے و نیز دوسرے بڑے درجہ کے کمروں کی طرح آرام کے اسباب مہیا نہ ہونے کی وجہ سے یہاں پر افسروں کو نہیں رکھا جاتا تھا وردالہ براکس یہ دومنزلہ کیمپ تھا۔ اس کی عمارت نہایت عمدہ اور پر تکلف تھی راحت کے سامان مہیا تھے اس کا بڑا حصہ جو وسعت میں واقع تھا وہ افسروں اور بڑے بڑے سویلین لوگوں کے واسطے مخصوص تھا ہر کمرہ میں تین تین چار چار چارپائیاں تھیں اور اس کا اخیر کا حصہ معمولی فوجیوں اور سویلین لوگوں کے لیے تھا اس کیمپ میں کسی خاص قوم اور مذہب کی خصوصیت نہ تھی دال فرشہ حدود قلعہ سے باہر مگر متصل تھا تین طبقہ دار عمارت تھی اس کے کمرے وردآلہ کے کمروں سے بہت زیادہ آرام کے تھے ہر کمرہ کے ساتھ باورچی خانہ، غسل خانہ پانی کا نل کمرہ کے گرم کرنے کا حمام اور بیرون کمرہ مکلف پائخانہ تھا یہ بھی افسروں کے لیے مخصوص تھا نیو وردآلہ بھی مکلف اسی کے مثل تھا مگر اس میں فقط دو طبقے تھے۔

کیمپوں میں دوکانیں:

دال فرشہ، وردآلہ براکس سینٹ کلیمنٹ میں ایک ایک بڑی دوکان تھی جس کو حکم تھا کہ جملہ ضروریات شہر سے لا کر مہیا کیا کرے اور ایک سبزی فروش کی دوکان تھی جو کہ موسی

ترکاریاں اور میوے لانے کا ذمہ دار تھا یہ دوکانیں اول تو جرمن لوگوں نے شراکت سے کھولی تھیں۔ اور شہر کے بعض تاجر اس کے ایجنٹ تھے وہ روزانہ حسب الطلب (ضرورت کے مطابق) چیزیں بھیجتے تھے۔ ان دوکانوں کے لیے گورنمنٹ نے جو مکان ان اسیروں کو اندرون کیمپ دیے تھے ان کا کرایہ لیتی تھی اور پھر نفع میں بھی فیصدی کچھ لیا جاتا تھا اور اسی طرح سبزی فروش سے بھی کچھ لیا جاتا تھا جو کہ ٹھیکہ لینے والوں پر گورنمنٹ کا قاعدہ ہے اسی وجہ سے چیزیں بہت گراں پڑتی تھیں کیونکہ شہر میں ایجنٹ کو بھی اپنی اپنی محنت اور کرایہ گاڑی وغیرہ وصول کرنا ہوتا تھا پھر گورنمنٹ کو کرایہ مکان اور اس کا حق دینا پڑتا تھا۔ پر جو دوکان میں کام کرنے والے تھے ان کی تنخواہیں دینی پڑتی تھیں پھر جو اہل شرکت تھے ان کو نفع حاصل کرنا ہوتا تھا پھر اس میں یہ بھی تھا کہ ماہوار نفع میں سے فیصدی ایک مقدار نکال کر سب اسیروں کی تقسیم باقی تھی کیونکہ بہت سے ایسے اسیر تھے جن کے پاس کوئی آمدنی ان کے مین سے نہ تھی اور نہ ان کے پاس نقد تھا ان کو سگریٹ چائے قہوہ، وغیرہ کے لیے سخت ضرورت ہوتی تھی اس لیے انکی اعانت کرنی ضروری ہوتی تھی اس لیے بلا تمیز قومیت اور مذہب سب پر برابر وہ حصہ نفع میں سے تقسیم کیا جاتا تھا جو کہ فی کس ماہوار دو شلنگ یا اس سے کچھ زائد پڑتا تھا مگر نقد کسی کو نہیں دیا جاتا تھا بلکہ لوگوں کو نقد بتلا دیا جاتا تھا اس مقدار میں جو چیز چاہیں خرید لیں ایک مدت تک یہی حالت رہی پھر گورنمنٹ کو اس قدر نفع بھی اسراء (قیدیوں) کا گوارا نہیں ہوا اس نے اس جرمن کمپنی کو اعلان دے دیا کہ قنطین یعنی دوکان کو ہم فلاں تاریخ سے زیر تحویل کرلیں گے چنانچہ اس روز سے پھر گورنمنٹی صیغہ بحریہ کی طرف سے مامور آئے اور جملہ اشیاء موجودہ قنطین سابق کو خرید کر کے اپنے قبضہ میں کرلیا اور پھر دوکانیں گورنمنٹی ہوگئیں البتہ سبزی کی دوکان پر گورنمنٹی قبضہ نہیں ہوا۔

آفس:

ان کیمپوں کے درمیان میں آفس تھا جس میں کماندار اسراء (قیدی) ایک افسر فوجی جو کہ اکثر اوقات میں کرنیل تھا رہتا تھا اس کے زیر اثر ایک دو میجر اور کپتان وغیرہ رہتے تھے جو کہ اسراء (قیدیوں) کے معاملات کی نگرانی اور خبر گیری کرتے تھے چونکہ یہ سب اسراء جنگ تھے اس لیے ان کی جملہ ضروریات فوجی محکمہ کے متعلق تھیں۔ اس آفس میں مختلف صیغے کاتبوں سنسر وغیرہ کے بھی تھے روزانہ ایک افسر سینٹ کلیمت میں اور ایک درو آلہ میں چند گھنٹے کے لیے جا بیٹھتا ہے اور اسراء کی ضروریات اور عرضیوں پر نظر ڈالتا تھا اور پھر اس کے متعلق کیمپوں میں گشت بھی لگاتا تھا اگر کسی کو اس سے یا بڑے افسر سے کچھ کہنا ہو تو پہلے ایک دن عرضی پیش کرنی ہوتی تھی کہ مجھ کو آپ سے کچھ کہنا ہے اگلے دن وہ بلایا جاتا تھا اور اس کی ضرویات کے متعلق مناسب انتظام کیا جاتا تھا۔

شفاخانہ:

اس جملہ اسارت گاہ (تمام قید خانوں) کے متعلق دو شفاخانے بھی تھے۔ ایک معمولی شفاخانہ جو بڑے کیمپ یعنی سینٹ کلیمت میں واقع تھا جس میں روزانہ صبح کو ڈاکٹر آ کر بیٹھتا تھا اور بیماروں کو آ کر دیکھتا تھا‘ معمولی بیماروں کو دوا دیدیتا تھا اور اگر مرض شدید ہوا یا بیمار کے لیے زیادہ احتیاط وغیرہ کی ضرورت سمجھی گئی جنرل ملٹری شفاخانہ میں بھیج دیتا تھا جو کہ وہاں سے قریب ہی تھا معمولی چال میں دس منٹ میں آدمی وہاں پہنچ جاتا تھا اس میں مختلف بڑی اور چھوٹی عمارتیں بنی ہوئی تھیں۔ فوجی افسروں کے لیے تو دو منزلہ بڑا مکان تھا جس کے اوپر کے کمرے ان کے لیے مخصوص تھے ان میں تمام ضروریات اور راحت کے سامان حسب قاعدہ طبی یورپین طریقہ پر موجود رہتی تھیں اور سویلین لوگوں کے لیے نیچے بہت بڑی ہال بنی ہوئی تھی اس میں سول اور فوجی سپاہی برابر رکھے جاتے تھے۔ تقریباً چالیس آدمیوں کی چارپائیاں اس میں بچھ سکتی تھیں کیمپوڈری اور دیگر خدمات ان دونوں

جگہوں میں یورپین میمیں نوبت بہ نوبت انجام دیتی تھیں۔ بالائی اور زائد کاروبار اور صفائی کے لئے دوسرے مرد اور عورتیں نوکر تھیں مریضوں کی خبر گیری اور ان کی خدمت میں انسانیت اور ہمدردی سے کام لیا جاتا تھا۔

مریضوں سے ملنے کے قاعدہ:

مریض کے ہسپتال میں جانے کے پندرہ دن بعد مریض کی خواہش پر جن احباب سے وہ ملنا چاہے وہ جمعہ یا بارکوان کا نام لکھوادے ان لوگوں کو بذریعہ آفس اطلاع دے دی جاتی تھی اور دوشنبہ کے دن ۲ بجے ان لوگوں کو جنرل ہسپتال میں لے جاتے تھے محافظ فوجی ساتھ ساتھ ہوتے تھے آدھا گھنٹہ مریضوں کے پاس بیٹھ کر رخصت ہو جاتے تھے پھر اسی طرح ہر آٹھ دن میں ایک دفعہ دوشنبہ کے دن ملاقات ہو سکتی تھی یہ عام قانون تھا البتہ اگر کوئی خاص ضرورت ہو یا کسی کی کوئی رعایت ہو تو وہ علیحدہ بات تھی مریضوں کو خطوط بھیجنے یا ضروری اشیاء کے کیمپ سے منگانے کا بھی طریقہ بذریعہ افسران ہسپتال و آفس تھا ہسپتال میں بھی ایک ٹھیکہ دار کی دوکان تھی جہاں پر عموماً ضروریات کی چیزیں جن کی ڈاکٹر کی طرف سے ممانعت نہ ہو مریض خرید سکتا تھا ہسپتال کے دروازہ اور اطراف پر پہرہ فوجی رہتا تھا مگر بہت سے لوگ مصنوعی صورت مریضانہ بنا کر وہاں رہنا پسند کرتے تھے کیونکہ خوراک کا انتظام وہاں اچھا تھا اس ہسپتال میں ایک قطعہ پاگل خانہ کا بھی تھا چونکہ اسیروں کے تخیلات (خیالات) اور براوہام ان کے دماغ پر بہت زیادہ اثر ڈالتے ہیں اس جنگ عمومی کے زمانہ میں یہ حالت زیادہ پیدا ہو گئی تھی اس لیے عموماً دماغی حالت ہر ایک شخص کی جادہ استقامت پر نہیں رہ سکتی پھر فوجیوں کو اپنے افکار نیز اپنی سلطنت اپنی قوم اور ملک کے مستقبل کی بے چینی بحالت مغلوبیت بہت ستاتی ہے تاجروں کو ان کے تمام تجارتی مال کا مصادرہ ہو جانا جس قدر ان کے دل ودماغ ناکارہ کردے کم نہیں ادھر ہر اسیر کو اپنی مدت اسارت معلوم نہیں اسراء جنگ (جنگی

قیدی) قانوناً خواہ وہ ملٹری ہوں یا سویلین فقط مبادلہ پر نجات پاسکتے ہیں یا صلح پر اور یہ دونوں حالتیں غیر معین وقت کی خواہاں ہیں۔

الحاصل مذکورہ بالا وجوہ اور دیگر وجوہ شخصیت وغیرہ سے دماغ پر بہت برا اثر پڑتا ہے اس سے ضعف دماغ والا آدمی بسا اوقات مجنوں ہو جاتا ہے متعدد آدمیوں نے اس مدت اسارت میں اپنے آپ کو پھانسی دے دی بعض نے اپنے آپ کو زخمی کر لیا اور پاگل تو بہت سے ہو گئے تھے اس لیے پاگل خانہ کا بھی اسارت گاہ کے لیے ہونا ضروری تھا بعض متعدی امراض کے مریضوں کے لیے مالٹا میں ہسپتال خاص تھے جہاں پر مریض کو خاص طور سے پہنچاتے تھے اور اس میں (جنرل ہسپتال) میں نہیں رکھتے تھے انفلوئنزا کے لیے بھی یہی معاملہ تھا اسی طرح طیفس کے لیے علیحدہ ہسپتال تھا۔

کیمپوں کا انتظام:

ہر کیمپ میں باتفاق سکانِ کیمپ (باشندگان) ایک افسر مقرر کیا جاتا تھا جس کو صدر کمیٹی یا کمیٹی کہتے تھے وہ کیمپ کے تمام انتظام کا کفیل ہوتا تھا افسران آفس اس سے کیمپ کے متعلق گفت وشنید کرتے تھے اور وہ اہل کیمپ سے مراجعت کرتا تھا یہ صدر حسب خواہش اہل کیمپ ماہوار بدلتا رہتا تھا یہی شخص ہر ہفتہ میں اپنے کیمپ کے اسراء کے لیے ارزاق (رسد) وصول کرتا اور کیمپ میں اسراء کو حصہ رسد بانٹا کرتا تھا اور یہی روزانہ روٹی گوشت ترکاری بھی وصول کر کے بانٹتا تھا یہی اسراء سے خدمت کی ماہوار بھی وصول کرتا تھا کیونکہ ہر اسیر پر خواہ فوجی ہو یا سویلین لازم تھا کہ اپنے کیمپ کی روزانہ صفائی' پائخانہ کی روزانہ علاوہ نجاست اٹھانے کی صفائی کیونکہ فقط پائخانہ اٹھانے کے لیے تو ایک مالٹی حکومت کی طرف سے نوکر تھا جو روزانہ صبح کو اٹھاتا تھا مگر وہ دوسری صفائی کا ذمہ دار نہ تھا اپنے کیمپ کی رسد ہفتہ وار روٹی گوشت ترکاری کوئلہ وغیرہ وغیرہ روزانہ انجام دے اس لیے اصحاب مقدرت کسی کو تنخواہ

دے کر مقرر کرتے تھے اور جو اصحاب مقدرت (جو لوگ قادر) نہ تھے وہ خود کام کرتے تھے مگر چونکہ کام کے لیے سب آدمیوں کی روزانہ ضرورت نہ ہوتی تھی اس لیے باری مقرر کی جاتی تھی صدر کمیٹی ان سب باتوں کا انتظام کرتا تھا باورچی خانہ کا بھی انتظام اگر اہل کیمپ چاہتے تھے تو اسی کے ذمہ ہوتا تھا بڑے بڑے کیمپوں میں مختلف باورچی خانے تھے بعض لوگ فقط انگریزی رسد پر اکتفا کرتے تھے اس کا کھانا نہایت گرا ہوا ہوتا تھا اور بعض کچھ اپنے پاس سے بھی ماہوار زیادہ دے کر عمدہ اور مکلف (باتکلف) کھانا پکواتے تھے اس لیے مختلف میزیں تھیں، بعض لوگ اپنا روزانہ اور ہفتہ وار سامان رسد لے کر علیحدہ علیحدہ پکاتے تھے غرض کہ اس میں آزادی تھی۔

رسد کی اشیاء:

خشک سیاہ چائے ڈبہ کا دودھ شکر سفید۔ مرگرین۔ پنیر۔ چاول۔ دال مسور جیلی۔ نمک۔ موم بتی۔ یہ چیزیں ایک خاص وزن اور مقدار سے ہفتہ وار ملتی تھیں اور روٹی گوشت۔ ترکاری۔ کوئلہ روزانہ ملتا تھا صابون کپڑے دھونے کا ایک مہینہ میں ایک مرتبہ ملتا تھا گوشت وہ ملتا تھا جو کہ وہاں مدتوں سے برف میں محفوظ چلا آتا تھا چونکہ مالٹا جنگی حرکات کے لیے ایک مرکز ہے اس لیے وہاں تمام فوجی ضروریات بہت بڑے پیمانہ پر ہمیشہ موجود رہتی ہیں۔ وہاں پر گوشت کے لیے بھی سنگ مرمر کا ایک بہت بڑا مکان ہندسی طریقہ پر بنا ہوا ہے جس میں برف کی سلوں میں گوشت ہزاروں من ہمیشہ دبا رہتا ہے یہ گوشت کے بڑے بڑے ٹکڑے آسٹریلیا نیوزی لینڈ وغیرہ سے لائے جاتے اور ذخیرہ کیے جاتے ہیں اور بوقت ضرورت صرف ہوتے ہیں۔ ہر ٹکڑے پر ڈاکٹری سرٹیفکیٹ کا کاغذ لگا ہوتا تھا جس سے جملہ کیفیات گوشت کی معلوم ہوتی تھیں۔ بعض بعض ٹکڑے سولہ سولہ اور سترہ سترہ برس کے نکلے مگر ظاہری صورت میں کوئی فرق تازہ گوشت سے نہیں ہوتا تھا البتہ کھانے والوں

سے سنا گیا کہ تازہ گوشت کی سی لذت نہیں ہوتی تھی۔

ان چیزوں کی انواع تو بیشک بہت سی تھیں مگر روزانہ علیحدہ علیحدہ کر کے دیجائیں تو کوئی شخص گزارا نہیں کر سکتا تھا۔ البتہ اکٹھا کرنے اور ہفتہ بھر کی ایک دفعہ لینے کی وجہ سے ایک مقدار ضرور معلوم ہوتی تھی روٹی بڑی اور ڈبل آتی تھی جس کا چوتھائی حصہ فی کس روزانہ دیا جاتا تھا کم خوراک والے آدمی اس پر بسر کر لیتے تھے مگر اچھے کھانے والے اس پر ہرگز بسر نہیں کر سکتے تھے اسی لیے دوکاندار کو روزانہ شہر سے بڑی مقدار روٹیوں کی لانی پڑتی تھی اور اگر کبھی اس میں کمی ہو جاتی تھی یا نہیں آ سکتی تھی تو کہرام مچ جاتا تھا ہم نے سنا تھا اور کچھ دیکھا بھی کہ پہلے پہل اسیروں کو نہایت فراخدلی سے رسد دی جاتی تھی جو کہ بڑے سے بڑے خوراک والے آدمی کو کافی ہوتی تھی مگر جب جنگ نے طول کھینچا مصاریف (اخراجات) جنگ بہت زیادہ بڑھ گئے بحری راستہ نہایت خطرہ میں ہو گیا اسیروں کی زیادتی ہوگئی تو پھر گورنمنٹ کو ہاتھ کھینچنا پڑا چنانچہ بعض ایام میں تو بہت ہی کمی کرنی پڑی جرمنوں میں اُن جوان اور کثیر الاکل (زیادہ کھانے والے) لوگوں نے جن کو کسی طرح یہ غذا کافی نہیں ہوتی تھی کتے ذبح کر کے کھائے اور کھالوں کو علی الاعلان لٹکایا اور ظاہر کیا کہ ہم نے یہ فعل قلت خوراک کی وجہ سے کیا ہے۔

اسراء (قیدیوں) کو آپس میں ملنے کا طریق:

روزانہ ہر کیمپ میں صبح اور شام گنتی ہوتی تھی، صبح کو تقریباً ۹ تا ۱۲ بجے اور شام کو چار بجے جتنے سویلین اور فوجی سپاہی تھے۔ سب کو قطار باندھ کر کھڑا ہونا ہوتا تھا سارجنٹ یا کپلر آ کر گنتا تھا اور چلا جاتا تھا صبح کو گنتی کے بعد بڑے کیمپوں میں خرید و فروخت کے لیے اور دوسرے احباب سے ملنے کے لیے کبھی تمام اہل کیمپ کو اور کبھی ایک معین مقدار کو اجازت ملتی تھی ہر کیمپ کا متعین سارجنٹ یا کپلر ان کے ساتھ ان دروازوں تک جاتا تھا

جن سے ان لوگوں کو گزارنا ہے کیونکہ ہر دروازہ کا محافظ بغیر اس کے دروازہ نہیں کھول سکتا تھا افسر اور نہایت معزز سویلین آدمیوں کی گنتی ان کے جاء قیام پر ہوتی تھی۔ ان کو ضروری ہوتا تھا کہ وہ اپنے اپنے مقام پر گنتی کی سیٹی کے بعد موجود ہو جائیں اور جب تک اس سے فراغت نہ ہو اپنی جگہ سے نہ ٹلیں حضرت مولاناؒ کی بھی گنتی ان کی قیام گاہ میں ہوتی تھی بڑے کیمپوں میں چونکہ تمام افراد کو دوسرے کیمپ کے لیے اجازت نہ ہوتی تھی بلکہ ایک خاص عدد مقرر تھا اس لیے ایک دن پہلے ان کو ضروری ہوتا تھا کہ اپنے ناموں کو اس کاغذ پر جو کہ کیمپ کے صدر کمیٹی کے پاس ہوتا تھا یا اس کے انتظام سے روزانہ کہیں چسپاں کر دیا جاتا تھا لکھ دیں وہ بوقت اجازت روانگی سب کے نام پکار پکار کر دروازہ پر پڑھتا تھا اور ان کو کیمپ مقصود میں پہنچوا دیتا تھا۔

ڈاک کا انتظام:

ہفتہ میں دو دن یعنی دوشنبہ اور جمعرات کو ہر ایک شخص کو ایک ایک کھلا لفافہ دیا جاتا تھا جو کہ طول میں تقریباً تین پوسٹ کارڈوں کے عرض کے مجموعہ کے برابر ہوتا تھا اس طویل ورق پر ایک خاص قسم کا سپید مصالحہ چڑھا ہوا ہوتا تھا جس کی وجہ سے کوئی خفیہ کتابت اس پر نہیں ہو سکتی تھی اس میں سطریں سیاہ پڑی ہوئی تھیں ان پر لکھنا ہوتا تھا دوشنبہ اور جمعرات کو گننے والے سپاہیوں کو یا صدر کمیٹی کو لکھے ہوئے لفافے دے دیئے جاتے اور سادے لفافے مل جاتے تھے اگر کوئی پوسٹ کارڈ بھیجنا چاہتا تھا تو اس کو خود خریدنے ہوتے تھے جو کہ عموماً بکتے تھے۔ تین کارڈ ایک ڈاک میں ایک شخص بھیج سکتا تھا ڈاکخانہ کی اجرت ان لفافوں اور کارڈوں پر نہ تھی بلکہ بلا ٹکٹ جاتے تھے اولاً یہ جملہ لفافے اور کارڈ سنسر کے آفس میں جاتے تھے جس میں مختلف زبانوں کے جاننے والے لوگ موجود رہتے تھے وہ ان خطوط کو پڑھا کرتے تھے اگر کوئی بات خلاف سیاست پاتے تھے تو اس کو کاٹ ڈالتے تھے یا خط ہی کو پھاڑ

ڈالتے تھے مگر چونکہ وہاں اردو کا واقف کوئی سنسر نہ تھا اس لیے ہمارے خطوط مصر یا بمبئی میں سنسر ہوتے تھے جو دول متحاربہ تھیں ان کے خطوط کے لیے مشترک مرکز سوئزرلینڈ میں تھا جہاں خطوط دوسری مرتبہ سنسر ہوتے تھے اور پھر آپس میں مبادلہ ہوتا تھا وہاں پر ہر محارب حکومت کے نمائندے اور افسر موجود رہتے تھے اسراء کے جو خطوط آتے تھے ان کے لیے کوئی مقدار معین نہ تھی وہ بھی کھلے ہوئے آتے تھے ان کا بھی سنسر وہاں ہوتا تھا اگرچہ وہ پہلے بھی دو تین دفعہ مختلف مقامات پر سنسر ہو چکے ہوتے تھے اس کے بعد اس ڈاک خانہ میں یہ خطوط بھیج دیئے جاتے تھے جس کو خود اہل کیمپ نے قائم کر رکھا تھا ہر بڑے کیمپ میں جیسا کہ انتظام صدر کمیٹی کا تھا ایسے ہی اہل کیمپ کی طرف سے ڈاکخانہ کا انتظام تھا اہل کیمپ اپنے میں سے ایک یا زیادہ آدمیوں کو ماہوار انتخاب کرتے تھے جو کہ نوبت بہ نوبت اس کام کو انجام دیتا تھا جتنے خطوط اس کے پاس آفس سے آتے تھے ان کو وہ تقسیم کرتا تھا اس طرح پر کہ اصحاب خطوط کے نام لکھ کر ایک پرچہ پر اشتہار کی اس جگہ میں جہاں خاص ڈاک خانہ کے اشتہار لگائے جاتے تھے مخصوص تختی پر چسپاں کر دیا کرتا تھا وقت معین پر جن صاحبوں کے نام ہوتے تھے اپنے اپنے خطوط لے آتے تھے چھوٹے کیمپوں کے خطوط کو گنتی کرنے والے سپاہی کے ذریعہ سے وہاں بھجوا دیتے تھے یا آفس والے مستقل طور پر وہاں بھیج دیتے تھے ہر خط پر ہر اسیر کو اپنے نمبر لکھنے ضروری ہوتے تھے اس نمبر اور کیمپ کے نام کے ذریعہ سے وہ پہچانا جا سکتا تھا چونکہ ہندوستان سے ہمارے ہی خطوط آتے تھے لہذا اہل آفس ان سبھوں کو ہمارے پاس بھیج دیا کرتے تھے۔

اسراء (قیدیوں) کی تعداد اور نمبر:

مجموعہ اسراء کا تقریباً تین ہزار تھا جن میں اکثر جرمنی تھے یعنی تقریباً نصف حصہ جرمن تھے جو کہ عموماً سویلین تھے اور مصر وسوڈان وغیرہ سے پکڑے گئے تھے اور باقی فوجی

تھے جو مختلف افریقہ کے میدانوں وغیرہ سے ہاتھ آئے تھے انہی میں ایڈن جہاز کے لوگ بھی تھے اور باقی ماندہ آسٹرین بلغاری ترکی مصری شامی وغیرہ تھے عموماً جو لوگ مشرقی محاذ سے پکڑے جاتے تھے وہ قبرص اسکندریہ مصر وغیرہ اور جو لوگ عراق (ماسوپوٹامیا) سے پکڑے جاتے تھے وہ برما ہندوستان کے مختلف مقامات میں بھیجے جاتے تھے مگر ان لوگوں میں جن کو زیادہ خطرناک شمار کیا جاتا تھا ان کو مالٹا بھی بھیجا گیا تھا چناق قلعہ درہ دانیال سے بھی لوگ یہاں پر لائے گئے تھے ان کو جب داخل کیا جاتا تھا تو ان کو نمبر بتلا دیا جاتا تھا اور ایک کاغذ ان کے نمبر کا دیا جاتا تھا تا کہ بوقت ضرورت تمیز ہو سکے چنانچہ ہمارے ساتھ بھی یہی کیا گیا ہے اور ہمارے نمبر حسب ذیل تھے مولوی عزیز گل صاحب نمبر ۲۲۱۵ حکیم نصرت حسین صاحب نمبر ۲۲۱۶ حسین احمد نمبر ۲۲۱۷۔ وحید احمد نمبر ۲۲۱۸۔ حضرت مولانا مرحوم نمبر ۲۲۱۹۔

اسراء (قیدیوں) کی تفریح:

ان جملہ اسراء کو خواہ وہ سویلین ہوں یا فوجی افسر ہوں یا سپاہی اسارت گاہ (قید خانہ) سے باہر جانے کی کسی وقت میں اجازت نہ تھی البتہ جیسا کہ میں پہلے ذکر کر چکا ہوں آپس میں دو گھنٹہ کی مقدار دس بجے تک مل سکتے تھے ہاں بعض لوگوں کو خاص طور سے دوسرے وقت بھی اجازت دو بجے تک سے چار بجے تک دی جاتی تھی جن کو کوئی تحریر آفس سے دیدی جاتی تھی یا اس کیمپ کے سارجنٹ سے کہہ دیا جاتا تھا کہ ہفتہ میں دو دن یا چار دن یا پورے ہفتہ بھر اس کو دو بجے سے چار بجے تک فلاں کیمپ میں لے جایا کرو چنانچہ ہم لوگوں کو بھی اخیر میں ہفتہ میں تین دن کی اجازت اس طرح پر مل گئی تھی علاوہ اس کے تفریح کے لیے بھی روز ایک مقدار اسیروں کی جایا کرتی تھی جس کی حیثیت سے ہفتہ میں ایک مرتبہ نوبت آتی تھی سویلین اور سپاہیوں کو سنگینوں کی قطار کے بیچ میں چلنے کا حکم تھا یعنی دونوں طر

ف حفاظت کے لیے سپاہی کھلی ہوئی سنگین و بندوق لیے ہوئے چلتے تھے اور بیچ میں نہتے اسیر لوگ اسی طرح ان کو تین چار میل کی مسافت تک لیجاتے اور پھر واپس لاتے تھے کہیں کہیں دس پندرہ منٹ راحت کے لیے دیتے تھے مگر عموماً شہر میں نہیں لیجاتے تھے بلکہ بیرون شہر جنگل کی طرف جاڑوں کے دنوں میں دو بجے دن سے چار ساڑھے چار بجے دن تک اور گرمیوں میں پانچ ساڑھے پانچ بجے صبح سے آٹھ بجے تک یہ تفریح ہوتی تھی مگر گرمیوں میں سمندر پر لے جاتے تھے اور وہاں پر دریا میں جن لوگوں کو شوق ہوتا تھا نہاتے تھے تقریباً پندرہ ۱۵ منٹ یا بیس منٹ وہاں ٹھہرتے تھے اور پھر واپس ہو جاتے تھے جن لوگوں کو دریا میں تیرنے یا نہانے کا شوق نہیں ہوتا تھا وہ کنارے پر بیٹھے رہتے تھے سپاہی چاروں طرف حفاظت کے لیے کھڑے رہتے تھے دریا میں بھی حد مقرر ہوتی تھی جس پر چھوٹی چھوٹی کشتیاں تھوڑی تھوڑی دور میں کھڑی رہتی تھیں اور ان میں سپاہی مع آلات جنگ موجود رہتے تھے افسروں کے ساتھ عام سپاہی نہیں جاتے تھے اور نہ اس طرح قطار کے اندر وہ جاتے تھے بلکہ ان کے ساتھ سارجنٹ یا کپتان وغیرہ ریوالور لیے ہوئے ساتھ رہتا تھا اس کے لیے گھوڑے گاڑیاں لائی جاتی تھیں جن کا کرایہ خود اسیر افسروں کو اپنی تنخواہ میں سے دینا ہوتا تھا اور اگر کوئی افسر اپنے پیروں چلنا چاہتا تھا تو اس کو کوئی روک ٹوک نہ ہوتی تھی اس کے ساتھ ہی سارجنٹ یا کپلر ریوالور لیے ہوئے جاتا تھا عام اسراء اگر ضعیف العمر یا کمزور ہوں تو ان کے لیے بھی سواری منگا دی جاتی تھی بشرطیکہ کرایہ وہ اپنے پاس سے ادا کریں اس لیے چند ضعیف العمر ایک گاڑی منگا لیتے تھے وہ گاڑی اسی قطار فوج میں ساتھ ساتھ چلتی تھی حضرت مولانا عموماً مولوی عزیز گل صاحب اور وحید جایا کرتے تھے اور کبھی کبھی مولوی حکیم نصرت حسین صاحب بھی۔

اسراء (قیدیوں) کے لیے اخبار اور تار:

اسراء کے لیے اخباروں میں سے فقط ٹائمز لندن اور ماتان پیرس اور اٹالیہ کے ایک اخبار کی اجازت تھی اور مصر کے اخباروں میں سے الاہرام اور المقطم کی اجازت تھی دوسرے اخبار نہیں آسکتے تھے ریوٹر کا تار بھی روزانہ آتا تھا جن لوگوں کو اس تار کی یا کسی اخبار کی ان میں سے ضرورت ہوتی تھی وہ آپس میں عرضی دیتے تھے آفس ان کی ایجنسیوں سے گفتگو کر کے مقرر کرا دیتا تھا اور قیمت ماہوار وصول کر لیتا تھا ان اخباروں اور تاروں میں جو خبریں ہوتی تھیں وہ اسی وقت مختلف زبانوں میں ترجمہ ہو جاتی تھیں۔ ہر ہر قوم نے اس کا ایک خاص آپس میں انتظام کر رکھا تھا چند آدمی منتخب تھے جو کہ ترجمہ کر کے ایک خاص تختی پر ٹ کلیمت کیمپ اور دردآلہ براکس میں چسپاں کر دیتے تھے اہل مصر نے بھی اس کا انتظام کر رکھا تھا وہ عربی میں اور ترک ترکی میں ترجمہ کرتے تھے بسا اوقات ترکی افسر دونوں کے منتظم ہوتے تھے جرمن اور آسٹرین لوگ اپنی اپنی زبانوں میں ترجمہ کر کے لگاتے تھے۔

ہلال احمر اور صلیب احمر کی ہمدردی:

جو اسراء عیسائی مذہب کے تھے ان کی ضروریات کے لیے صلیب احمر سے خاص خبر گیری ہوتی تھی ان کے لیے کتابیں پارسل کپڑے ماہوار نقد وغیرہ ان کے ملکوں سے برابر آتے تھے جو کہ ان میں تقسیم کیا جاتا تھا استنبول سے بھی مسلمان اسراء کے لیے ہلال احمر نے بارہا اشرفیاں اور کتابیں وغیرہ بھیجیں جس کے ذریعہ سے عام طور پر مسلمانوں کی خوراک تعلیم اور دیگر ضروریات وغیرہ کی خبر گیری کی گئی اور آخیر تک جاری رہی اور بوقت واپسی اوطان ان کو تھوڑی مقدار نقد کی بھی دی گئی اس تقسیم میں ترکی افسر کسی ملک کی خصوصیت نہ کرتے تھے بلکہ مسلمان خواہ کہیں کا ہو اور عثمانی رعیت خواہ کسی مذہب کی ہو سب

کو علی حسب المرتبہ والحاجۃ دیتے تھے ہم کو بھی دینا چاہا مگر حضرت مولاناؒ اور ہم سبھوں نے کہا ہم اگر اتنی طاقت نہیں رکھتے کہ ایسے وقت میں دولت علیہ اور خلافت سنیہ کو مدد دے سکیں تو کیا ہم کو کسی طرح مناسب ہے کہ ہم اس نقد کو لیں اور پھر بفضلہ تعالیٰ ہمارے پاس ضرورت کے موافق گورنمنٹ سے نقد بھی ملتا ہے اور کچھ ہمارے پاس بھی ہے بلکہ جب تک یہ مقدار ہلال احمر سے استنبول سے نہ آئی تھی اور کرنیل اشرف بیگ نے چندہ سے اس کا انتظام کیا تھا تو حضرت مولاناؒ نصف پونڈ ماہوار اس چندہ میں برابر دیتے رہے مگر جب وہ مقدار نقد کی ہلال احمر سے آئی تو کرنیل موصوف نے مولانا مرحوم سے درخواست کی کہ اب ہم چندہ سے مستغنی ہو گئے اب آپ بند کر دیں استنبول میں خطوط کا بھی انتظام ہلال احمر کا آفس اچھا رکھتا تھا اور اپنی تمام انجمنوں کے ذریعہ سے جو تمام عثمانی ممالک میں موجود تھیں اس کا پورا انتظام قائم کراتا تھا۔

کیمپوں میں اپنے اپنے لکڑی کے مکانات:

کیمپوں میں خیمے تو سرکاری تھے مگر ہر خیمہ میں تین آدمی یا کم از کم دو آدمی ضرور رہتے تھے اور گورنمنٹ کو اختیار رہتا تھا کہ اگر اس کو ضرورت ہو تو تیسرا آدمی اس میں رکھے اس لیے علیحدہ مستقل طور سے رہنے کی غرض سے افتادہ جگہ میں کیمپ ہی کے اندر بعضے بعضے اسراء لکڑی کے گھر بنا لیتے تھے چیڑ کی لکڑی کے صندوق یا تختے شہر سے منگا کر ان کو بطور ستونوں کے بنا کر اس پر ٹاٹ جڑتے تھے اور ٹاٹ پر چونا پھیر کر ایک خوبصورت کمرہ ہو جاتا تھا جرمنی اور آسٹرین ترکی وغیرہ سفر مینا کے سپاہی یا سویلین کاریگر ایسے موجود تھے جو عمدہ سے عمدہ کام لکڑی اور لوہے اور تعمیر وغیرہ کا جانتے تھے وہ لوگ نہایت پاکیزہ اور صاف عمارت کھڑی کر دیتے تھے جس میں آدمی نہایت آرام سے بسر کر سکتا تھا اور گورنمنٹ کی طرف سے اس پر کوئی زور دوسرے شخص کے داخل کرنے کا بھی نہ ہو سکتا تھا جن کیمپوں میں

پتھر مٹی میسر ہوسکتی تھی وہاں پر لوگوں نے ایسی عمارت مٹی یا پتھر سے بنائی تھی بعض لوگوں نے یہی پیشہ اختیار کر لیا تھا اپنے ہاتھوں میں ایسی مختصر سی عمارت بنائی اور اس کو بیچ دیا دردالہ کے بیرونی حصہ میں جس میں دن بھر پھرنے اور بیٹھنے کی اجازت اور رات کو دروازہ بند ہو جانے کی وجہ سے وہاں کوئی نہیں رہ سکتا تھا بہت سے لوگوں نے دن کو تفریح اور بیٹھنے کی غرض سے ایسے ایسے مختصر کمرے بنا لیے تھے اور مختلف قسم کے پھول اور بیلیں اور درخت لگا کر ایک عمدہ چمنستان تیار کر لیا تھا جو کہ حقیقتاً ایک سیر کی جگہ ہوگئی تھی۔

اسراء (قیدیوں) کے علمی مشاغل:

چونکہ اس عظیم مجمع میں ہر قسم اور ہر لیاقت اور مختلف زبانوں کے لوگ جمع تھے اور کوئی کام اور خدمت کسی کے ذمہ نہ تھی اس لیے ترقی پسند لوگوں کو اس کی فکر لازم تھی کہ وہ اپنی عمر کا یہ حصہ ضائع نہ کریں اس لیے عموماً لوگوں نے اپنے اوقات کو علوم کی تحصیل اور زبانوں کے سیکھنے میں صرف کیا اس مجمع میں بڑے بڑے پروفیسر مختلف زبانوں اور فنون کے موجود تھے کتابیں یا تو ہر زبان کی وہاں مل جاتی تھیں یا طلب پر مصر یا انگلینڈ‘ جرمن‘ اٹالیا‘ فرانس وغیرہ سے آ سکتی تھیں اس لیے یہ اسارت گاہ (قید خانہ) ایک حیثیت سے ایک اچھا خاصا دار العلوم (یونیورسٹی) بن گیا تھا خصوصاً زبانوں کے لیے ہم نے بہت کم ایسے آدمی دیکھے جنہوں نے علمی مذاق رکھتے ہوئے کم از کم ایک دو زبان نہ سیکھ لی ہو سیاسی امور اور اقوام کے تاریخی حالات اور خصوصاً ازمنہ حاضرہ (دورِ حاضر) کی سیاست کے لیے تو گویا یہ مقام ایک خالص کالج تھا پھر جس قدر یہاں آزادی تھی دوسری جگہ کہاں نہ سی آئی ڈی کا خوف ہے نہ کسی گورنمنٹ کی ناراضگی کا خیال ہے نہ کوئی مخالف طبع شخص وقت مکدر کرنے والے ہے بلکہ سب کے سب ایک خیال اور ایک درد اور ایک ہی دکھ والے تھے۔

اسراء کی باہم ہمدردی:

سب کے سب اتحادیوں اور خصوصاً برٹش گورنمنٹ اور انگلش قوم کے دشمن تھے علانیہ (واضح) انگریزوں کو برا کہتے تھے اگر انگریزوں کی شکست اور ان پر ان کے خلفاء پر کسی مصیبت کی خبر آتی تھی تو خوشیاں مناتے تھے جھنڈے اڑاتے تھے شور وشغب مچاتے تھے اور اگر خدانخواستہ جرمن' ٹرکی' آسٹریا' بلغار کسی کی کوئی بُری خبر آجاتی تھی تو سب کے سب غمگین نظر آتے تھے اگرچہ اس تین ہزار کی جماعت میں کوئی مسلمان تھا کوئی عیسائی کوئی یہودی تھا کوئی کیتھولک کوئی کالا تھا کوئی افریقی کوئی یورپین تھا کوئی ٹرکی مگر مصیبت نے سب میں ایسا رشتہ اتحاد جوڑ دیا تھا کہ ہر ایک دوسرے پر جان نثار اور فدا نظر آتا تھا اور حقیقت میں دل سے عموماً ایک دوسرے کی خیر خواہی کا دم بھرتا تھا وہاں پر ایک عجیب منظر دکھائی دیتا تھا گویا کہ تفریق مذاہب واقوام واوطان عالم انسانیت سے بالکل اٹھ گیا ہے۔ انسانیت کے رشتہ اتحاد نے ایک کو دوسرے سے ایسا جکڑ بند کر دیا ہے کہ گویا ہر ایک دوسرے کا حقیقی بھائی اور رشتہ دار ہے اگر ایک شخص کو تکلیف پہنچتی تھی تو سب اس کے ازالہ کی فکر میں متوجہ ہوتے تھے عموماً ہر ایک کو دوسرے کا خیال رہتا تھا سب کے سب انگریزی افسروں اور فوجیوں کو نہایت غصہ اور غضب کی نگاہ سے دیکھتے تھے ہر اسیر کو نہایت عظمت اور وقعت کی آنکھ سے دیکھتے ہوئے حسب مراتب معاملہ کرتے تھے حضرت مولاناؒ سے عموماً ہر قوم کے ذی علم اور مقتدر لوگوں کو بہت زیادہ ہمدردی تھی اور بہت زیادہ تعظیم سے پیش آتے تھے عید کے ایام میں مسلمانوں کے علاوہ جرمنی آسٹرین وغیرہ کے مقتدر اور ذی وجاہت (معزز) لوگ ملنے اور مبارکبادی دینے کے لیے آتے اور گل دستہ وغیرہ پیش کرتے تھے پرنس جرمنی جو کہ غالباً قیصر جرمن کا بھتیجا تھا اور آمڈن جہاز میں بحری فوجی کپتان کے عہدہ پر تھا اور جملہ جرمنی اسراء میں باعتبار مرتبہ کے یعنی شاہی خاندان ہونے کے بہت بڑی عظمت رکھتا تھا وہ ہمیشہ عید

میں مولانا مرحوم کے پاس آتا تھا چند منٹ بیٹھتا اور چائے نوش کر کے چلا جاتا تھا مولانا بھی دو چار دفعہ اس کے بعد اس کے یہاں نہایت مختصر طور پر تشریف لے گئے جب کبھی راستہ میں مولانا اس کو نظر پڑ جاتے تھے تو دور سے ٹوپی اتارتا اور سر جھکا کر سلام کرتا تھا مولانا مرحوم کی صداقت ان کی حقانیت ان کی للّٰہیت تقویٰ طہارت نے فقط احباب ہی کے دل پر سکہ نہ جمایا تھا بلکہ مخالف بھی ان کی وقعت دل میں بہت زیادہ رکھتا تھا اور معاملہ عظمت ہی کا برتتا تھا بڑے بڑے فوجی افسروں جرنیل اور کرنیل میجر باوجود انگریز ہونے اور اس بات کے سمجھنے کے کہ مولانا ہمارے سیاسی امور میں مخالف ہیں ہماری موجودہ حکومت کو ہند میں نہیں چاہتے وہ ہندوستان کی آزادی کے خواہاں اور اسلام اور مسلمانوں کی خلافت کے دوست ہیں جب مولانا کو دیکھ لیتے تھے تو نہایت تعظیم سے پیش آتے تھے ٹوپی اتار لیتے تھے اور بعض بعض تو بہت زیادہ جھک جاتے تھے حقیقت تو یہ ہے سچائی اور للّٰہیت ایک ایسی چیز ہے کہ ضرور بالضرور اپنا اثر پیدا کر دیتی ہے۔ موافق اور مخالف دونوں وقعت کی نظر سے دیکھتے اور دل میں مانتے ہیں اور خود غرضی نفسی پرستی خیانت مذہبی و قومی ایسی قبیح (بری) چیز ہے کہ مخالف تو درکنار موافق بلکہ عزیز قریب بھی نہایت تحقیر کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ مَنْ کَانَ لِلّٰهِ کَانَ اللّٰہُ لَهٗ (ترجمہ) جو اللہ تعالیٰ کا ہو جاتا ہے اللہ اس کا ہو جاتا ہے۔

عام اسراء کی تجارت:

عام اسراء میں سے بعض لوگ تجارت کرتے تھے جن میں سے بہت سے لوگوں نے قہوہ خانے کھول رکھے تھے اور اس کے ذریعہ سے انہوں نے اچھی مقدار جمع کر لی تھی بعض لوگ مختلف چیزیں اسراء کی خرید کر دوسرے اغنیا کے ہاتھ فروخت کا سلسلہ کرتے تھے اور اس طریقے سے بعض چیزیں مالٹا سے منگا کر خرید و فروخت کا سلسلہ جاری رکھتے تھے بعض اہل صناعت سگار بنا بنا کر فروخت کرتے غرضیکہ طرح طرح کے مشاغل لوگوں نے

جاری کر رکھے تھے جس کی بنا پر بہت سے لوگ مالدار ہو کر نکلے۔

اسراء کی صناعت:

عموماً بہت سے لوگ کپڑے دھو دھو کر ایک اچھی خاصی مقدار جمع کر لیتے تھے کیونکہ کپڑوں کے باہر جانے کا کوئی انتظام نہ تھا گورنمنٹ سے صابن ملتا تھا اس لیے بہت سے لوگ اسی پیشہ کو کرتے تھے بہت سے جن کو کھانا پکانا آتا تھا اچھی اچھی تنخواہوں پر باورچی خانوں میں نوکری کرتے تھے بہت سے لوگ افسروں کی خدمت کی نوکری کرتے تھے بہت سے لوگ مختلف مصنوعات بنا کر روپیہ کماتے تھے۔

چھوٹے کیمپ مختلف وجوہ سے بڑے کیمپوں کے تابع شمار کیے جاتے تھے روگیٹ کیمپ وردالہ کے تابع تھا عرب کیمپ روم کیمپ بلغار کیمپ سینٹ کلیمت کے تابع تھے وال فرسٹہ مستقل تھا تابع کی ضروریات اس کے مرکز سے پوری کی جاتی تھیں وہیں کا حاکم ان کے امور کا متکفل ہوتا تھا اور دورہ کرنے کو بھی وہی جاتا تھا۔

اسراء کے مقدمات:

عموماً اسراء میں باوجود قید اور کثرت اذکار ومصائب آپس میں لڑائی جھگڑے بہت کم ہوتے تھے کیونکہ حسب عرض سابق آپس میں بہت زیادہ ہمدردی تھی اور اگر کبھی کچھ ہوتا تھا تو عموماً اس قوم کے ذی رائے اور مقتدر (طاقتور) لوگ انگریزوں اور حکام تک جانے نہیں دیتے تھے اور اپنی بڑی ہتک سمجھتے تھے کہ دشمن کے سامنے اپنے جھگڑوں کو لے جائیں مگر اس پر بھی کبھی ایسے وقاع (واقعے) ضرور پیش آتے ہیں کہ جن میں انگریزی حکام تک آپس میں جھگڑے پہنچے ہیں بسا اوقات اسیروں کے جھگڑے انگریزی محافظ فوجیوں کپلروں اور سارجنٹوں سے پیش آتے ہیں غرض کہ ہر دو قسم کے جھگڑے آفس میں

پیش ہوتے تھے اگر کوئی چھوٹا معاملہ ہوتا تھا تو خود کمانڈر یا اس کا نائب فیصلہ کر دیتا تھا اور مجرم کو سزائے قید محض یا قید بامشقت دیتا تھا۔

قید خانہ اسارت گاہ:

درداله میں چند کوٹھڑیاں بنی ہوئی تھیں جن میں تقریباً دو چار پائیاں پڑ سکتی تھیں ان میں قید کر دیا کرتے تھے اور دروازہ بند کر دیتے تھے چار پائی سونے کے لیے نہیں ملتی تھیں فقط کمبل ملتا تھا اور رات کو قضاء حاجت بھی وہاں ہی بالٹی میں کرنا ہوتا تھا دن کو البتہ بوقت ضرورت درداله کے پائخانے میں لے جاتے تھے سپاہی ساتھ جاتا تھا دن کو علی الصباح دروازہ کھول کر قیدی سے درداله کی صفائی اور جھاڑو وغیرہ دینے کی یا دوسری خدمت لی جاتی تھی۔ کھانا اسکے کیمپ سے مع چائے وغیرہ کے دونوں وقت کیلر لے جاتا تھا جس کو اس کے احباب بھیجتے تھے یا جس باورچی خانہ میں اس کا کھانا پکتا تھا وہاں لے جاتا تھا یہ حالت ان مجرموں کی ہوتی تھی جن کی قید چودہ پندرہ دن کی ہوتی تھی اور جن پر حکم زیادہ کا ہوتا تھا ان کو شہر کے فوجی جیل خانہ میں لے جاتے تھے اور فوجی معاملات ان سے کرتے تھے فقط سویل آدمیوں سے مشقت نہیں کراتے تھے اور اگر مقدمہ کوئی بڑا ہوا تو اس کے لیے کورٹ مارشل ہوتا تھا جس میں وکلاء اور فوجی حکام کا مجمع ہوتا تھا اور پھر مقدمہ کا فیصلہ کیا جاتا تھا۔

* * *

مولانا کا کیمپ اسارت میں داخلہ

مولانا مرحوم بندرگاہ سے سالٹر کے ساتھ اکے پر سوار ہو کر آگے آگے چلے آئے تھے اور ہم لوگ پیدل سپاہیوں کے ساتھ آئے روگیٹ کیمپ میں پہلے سے ہمارے آنے کی اسی دن سے خبر ہو گئی تھی جس دن ہمارا آگبوٹ اسکندریہ سے روانہ ہوا تھا وہاں پر بذریعہ تار آفس مالٹا کو اطلاع دی گئی تھی آفس نے روگیٹ کیمپ میں انتظام کیا اور خبر بھی دیدی کہ پانچ ہندوستانی آرہے ہیں الغرض دو خیمے وہاں ہمارے لیے نصب کیے گئے تھے اور لکڑی کے تختہ کی پانچ چارپائیاں ان کے گدے کمبل وغیرہ جملہ ضروریات مہیا تھیں چونکہ اس کیمپ میں پہلے سے دو ہندوستانی ایک ڈاکٹر غلام محمد پنجابی آدم پوری اور دوسرے مسٹر سیدار بنگالی ساکن چندرنگر وہاں موجود تھے مسٹر سیدار برہمن تھا فرانسیسی زبان عمدہ جانتا تھا انگریزی اور جرمنی بھی جانتا تھا مگر اردو بالکل نہیں جانتا تھا سنسکرت سے بھی خوب واقف تھا وہ بم بازی کی تہمت میں گرفتار کیا گیا مگر باوجودیکہ اس پر کوئی ثبوت واقعی نہیں پہنچ سکا تھا گورنمنٹ بنگال نے اس کو مصر بھجوادیا اور پھر وہاں سے مالٹا روانہ کردیا گیا اس پر مصائب اسارت (قید کی مصیبتوں) نے اتنا ضرور اثر کیا تھا کہ اس کی عقل میں فتور ہو گیا تھا۔

ڈاکٹر غلام محمد مصر میں ایک مدت سے مقیم تھے وہاں ان کے والد اور بھائی بھی آگئے تھے یہاں انہوں نے اپنی شادی بھی کرلی تھی ابتداء جنگ میں ان پر بھی ان کے دشمنوں نے کچھ خبریں اڑا کر گورنمنٹ کو بدظن کردیا ان کو سخت تکلیفیں پہنچائی گئیں اور بالآخر جیزہ کی سیاسی قیدگاہ جس میں ہم بھی ایک ماہ رکھے گئے تھے اس میں یہ بھی گئے وہاں پر مختلف

وقائع ایک جماعت سے ایسے ہوئے کہ گورنمنٹ کو یقین ہو گیا کہ یہ لوگ بہت زیادہ خطرناک ہیں اس لیے ان سبھوں کو مالٹا بھیج دیا گیا اس میں سے ڈاکٹر موصوف بھی تھے۔

الحاصل ڈاکٹر صاحب موصوف نے پہلے تو یہ خیال کیا کہ غالباً جیزہ میں جو اور چند ہندوستانی قید تھے جن سے یہ واقف تھے وہ لوگ ہیں اس لیے یہ خوش تھے مگر جب مولانا کو دیکھا تو ان کو معلوم ہو گیا کہ وہ خیال غلط تھا مگر انہوں نے وطنی تعلق کی وہ سے نہایت تپاک سے مولانا کا استقبال کیا اور اپنے خیمہ میں لے گئے مولانا تقریباً مغرب کے قریب روگیٹ کیمپ کے دروازہ پر پہنچے تھے اسی وقت ان کو وہاں داخل کر دیا گیا مولانا نے جا کر وضو کر کے نماز ادا کی اتنے میں ہم سب بھی پہنچ گئے ہم نے بھی جا کر نماز پڑھی کچھ مختصر سامان چائے وغیرہ کا اس وقت موجود تھا اس کو تناول کر کے سامان درست کیا چارپائیوں وغیرہ کو لگایا اور پھر عشاء کے بعد سونے کی تیاری کر دی اس روز تھوڑی تھوڑی بارش ہو رہی تھی اور نہایت سرد ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں جس نے اور بھی ہم کو مجبور کیا کہ نہایت جلد آمدورفت بند کر دیں مگر اتفاق سے اس کیمپ میں عموماً وہ لوگ تھے جو کہ مکہ معظمہ سے پکڑے گئے تھے اور اکثر لوگ مکہ کے رہنے والے یا عرصہ سے رہے ہوئے ترکی حکام تھے اور حج سے بہت پہلے پکڑے جا چکے تھے انہوں جمع ہو کر مکہ معظمہ کے احوال وغیرہ کے پوچھنے میں بہت بڑا حصہ رات کا لے لیا ایک خیمہ میں حضرت مولانا مرحوم اور مولوی عزیز گل صاحب اور کاتب الحروف کی چارپائی رکھی گئی اور دوسرے میں حکیم صاحب اور وحید کی تھی۔

صبح کے وقت ہم سبھوں کو آفس میں بلایا گیا ہم کو خیال ہوا کہ غالباً ہم سے کوئی اظہار مثل مصر لیا جاوے گا مگر وہاں معمولی طور سے پتہ وغیرہ پوچھا گیا اور رجسٹروں میں درج کر لیا گیا ہر ایک کو تولا بھی گیا اور وزن بھی درج کر لیا گیا بعد ازاں ہم کو کیمپ میں واپس کر دیا حسب قاعدہ رسد کی چیزیں جاری کر دی گئیں چونکہ گوشت قابل اعتبار نہ تھا اس لیے

ہم کو اس کے کھانے سے انکار ہوا مگر چونکہ گورنمنٹ نہ اس کو واپس لیتی تھی او نہ اس کے بدلے میں دوسری کوئی چیز دیتی تھی ادھر پہلے سے آئے ہوئے مسلمان اپنی کمزوری کی وجہ سے اس کو برابر کھا رہے تھے اس لیے گورنمنٹ کو اور بھی حیلہ مل گیا تھا۔

اس گوشت کے حلال نہ ہونے کی وجہ:

چونکہ قرآن شریف میں فرمایا گیا ہے ﴿وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ﴾ (جس حیوان پر ذبح کرتے وقت اللہ کا نام نہیں لیا گیا اس کو مت کھاؤ وہ حقیقت میں فسق ہو گیا شیاطین اپنے دوستوں کو سمجھاتے اور تلقین کرتے ہیں کہ تم سے ایسے حیوانوں کے بارہ میں جھگڑے اور بحث کریں اگر ان کی تابعداری کرو گے تو تم مشترک ہو) اس لیے ہر حیوان حلال کے کھانے کے بارہ میں دو شرطیں ضروری ہیں اول تو شرعی ذبح ہونا دوسرے ذبح کرتے وقت اسم الٰہی کا ذکر ہونا اگر دونوں یا ایک فوت ہو گئی تو حیوان کسی طرح حلال نہیں ہو سکتا ہاں اگر مسلمان ذبح کرنے والا ہو اور وہ بھول کر تکبیر ذبح کرتے وقت ذکر نہ کرے تو حسب ارشاد حضور سرور کائنات حلال ہے جو حیوانات عیسائی ملکوں میں ذبح ہوتے ہیں اور ان کے کارکن عیسائی ہوتے ہیں وہاں نہ ذبح پایا جاتا ہے نہ تکبیر بلکہ بڑے بڑے شہروں اور کارخانوں میں تو حیوانات کو مشینوں کے ذریعہ سے ذبح کیا جاتا ہے ایک طرف سے حیوان کو داخل کیا اور تھوڑی ہی دیر میں دوسری طرف کھال علیحدہ گوشت کے ٹکڑے علیحدہ اور جملہ دیگر اشیاء علیحدہ نکلتی ہیں۔ ہاں جہاں یہودی ذبح کرتے ہیں وہ البتہ مشروط ذبح کی رعایت کرتے ہیں بعض لوگ کہتے ہیں کہ جیسے کہ کسی چیز کی طہارت اور نجاست وغیرہ میں یا کھانے کی چیزوں میں جب تک نجاست اور حرمت کا یقین یا غلبہ ظن نہ ہو جاوے جب تک اس کی حرمت یا کراہت کا فتویٰ نہیں ہو سکتا اسی طرح

سے حکم ذبیحہ کا ہوگا مگر یہ سخت غلطی ہے ذبیحہ کا حکم ان دونوں کے خلاف ہے جو خود صحیح حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اگر کسی شخص نے ایک شکار پر اپنا شکاری کتا جس کو اس نے تکبیر کہہ کر چھوڑا تھا پایا اور ایک دوسرا کتا پایا اور نہیں جانتا کہ کس نے اس کو قتل کیا ہے اور نہ یہ جانتا ہے کہ دوسرے کتے کو تکبیر کہہ کر چھوڑا گیا ہے یا نہیں تو حضرت سرور کائنات علیہ السلام اس کو حرام فرما رہے ہیں اس کے علاوہ اور بھی بہت سی ایسی نظریں (مثالیں) موجود ہیں جن سے صاف طور سے ظاہر ہوتا ہے کہ ذبیحہ میں شروط ذبح کا جب تک علم نہ ہو جائے حلال نہیں اور یہی مسئلہ فقہاء کا ہے یورپ کے سفر کرنے والے عموماً ہر جگہ کے مسلمان ایسے محرمات میں مبتلا ہوتے ہیں اور واہی تباہی حیلے کر کے خود بھی گمراہ ہوتے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں بعض لوگ کہتے ہیں کہ قرآن میں فرمایا گیا ہے ﴿وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ﴾ (اہل کتاب یہود و نصاریٰ کا کھانا تم کو حلال ہے) اس لیے ہم کو ان کے ذبح کیے ہوئے حیوان میں حرام ہونے کا کوئی شبہ نہیں مگر یہ بہت بڑی غلطی ہے جو چیز مسلمان سے حلال نہیں ہو سکتی وہ اہل کتاب سے کیونکہ حلال ہو سکتی ہے۔ اگر مسلمان ذبح کرتے وقت قصداً تکبیر چھوڑ دے تو وہ کسی طرح حلال نہیں پھر کتابی جب ایسا کرے تو کیونکر حلال ہو سکتا ہے بہر حال وہ مسلمان سے تو کم ہی ہے اور اگر ظاہر الفاظ آیت پر جائیں تو چاہیے کہ سور بھی حلال ہو جائے کیونکہ وہ بھی نصاریٰ کا طعام اور ان کا ذبیحہ ہے یا شراب میں پکا ہوا کوئی دوسرا کھانا ان کا حلال ہو (والعیاذ باللہ) اگر ان چیزوں کے حرام ہونے کا یقین دوسری آیتوں کی وجہ سے کیا جاتا ہے تو متروک التسمیہ مذبوح نصاریٰ کی حرمت کا بھی قائل ہونا ضروری ہے اس قسم کے مباحث کا وہاں بھی لوگوں سے تذکرہ آیا جن لوگوں کے دلوں میں اسلام کا پاس خدا کا خوف اور آخرت کا خیال تھا انہوں نے چھوڑ دیا تھا اور جن کے دلوں پر سیاہی جمی ہوئی تھی یا کمزوری بے حد تھی وہ نہ مانے حالانکہ یورپ کے موجودہ نصاریٰ پر کتابی کا اطلاق اس

وقت میں علی العموم آتا ہے یا نہیں یہ بھی ایک مسئلہ قابل غور ہے جس میں اکثر اہل تحقیق وتجربہ اسی طرف ہیں کہ عموماً نصاری یورپ دہریئے غیر کتابی ہیں ہاں ان کے پادری وغیرہ جن میں اعتقادات مکمل سماویہ اور انبیاء رسل کی حقانیت کا یقین صفات الہی اور معاد وقیامت کا اعتقاد واثق (پختہ) موجود ہے ان کی نسبت یہ خیال درست ہوسکتا ہے۔

بہت سے لوگوں کا یہ بھی حیلہ تھا کہ ہم مضطر (مجبور) ہیں اور مضطر کے لیے قرآن میتہ (مردار) اور خنزیر وغیرہ سب کو حلال بتلا رہا ہے مگر یہ بھی ان کی سخت غلطی تھی اور ایسے ہی خیالات بعض یورپ کے سفر کرنے والے پکایا کرتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ مضطر اس کو شرعی زبان اور قرآن کی اصطلاح اور عربی لغت میں کہا جاتا ہے کہ جس کو بھوک کا وہ درجہ پہنچ گیا ہو کہ مرنے کا اندیشہ غالب ہوگیا ہو اور بھوک کی تکلیف دفع کرنے لیے کوئی حلال چیز نہ ملتی ہو اس وقت مردار حلال ہے اور وہ بھی اسی قدر جتنی سے زندگانی محفوظ ہوجائے پیٹ بھر کر نہیں پھر یہاں تو علاوہ گوشت کے سینکڑوں چیزیں حلال ملتی ہیں اور کم از کم روٹی اور نمک تو سب جگہ موجود ہے اس لیے یہ سب حجتیں شیطانی ہیں۔ بارگاہ خداوندی میں کسی کا اعتبار نہیں چونکہ یہ گوشت حسب قاعدہ شریعت میتہ (مردار) تھا اس لیے ہم نہ اس کو کھا سکتے تھے اور نہ کسی مسلمان کو کھلا سکتے تھے اب اس میں فکر کرنا پڑی کہ آیا اس کی بیع وشرا (خرید وفروخت) بھی جائز ہے یا نہیں چونکہ قاعدہ ہے کہ جو چیز حرام ہے اس کی خرید وفروخت بھی حرام ہے وہ بیع باطل ہوگی اس کی قیمت بھی حرام ہوگی اس لیے مولانا سے جب پوچھا گیا تو فرمایا کہ ہاں اس کی خرید وفروخت ناجائز ہے مگر تم فقہ کی کتابوں کو دیکھو اسیر کے لیے دار الحرب میں بیع باطل اور قمار (جوابازی) وغیرہ کی سب اجازت دی گئی ہے اسیر کو کافروں سے جس طرح ہوسکے مال لینا جائز ہے اور مال حلال ہے۔ چنانچہ اس وقت شروح کنز موجود تھیں ان کی طرف رجوع کیا یہ مسئلہ صاف اور واضح طور سے مل گیا اس وقت سے ہم نے گوشت کو ہمیشہ

کافروں کے ہاتھ جس قیمت سے وہ لیتے تھے بیچ دینا شروع کر دیا اور اخیر تک یہی کرتے رہے اس کے پیسوں میں اپنے پاس سے کچھ نقد ملا کر اور دوسری چیزیں خریدتے تھے اور پکا کر کھاتے تھے۔

کیمپ میں حلال گوشت کے طریقے:

تمام اسراء کی قیام گاہ میں جملہ حیوانات کا سوائے چڑیوں کے پالنا ممنوع تھا ہاں کتے تو (البتہ چونکہ یورپین لوگوں کی جان ان سے متعلق ہے) ماذون بہ تھے (ان کی اجازت تھی) اور علی ہذا القیاس بڑے جانوروں کا باہر سے لانا اور وہاں ذبح کرنا بھی ممنوع تھا جو لوگ تازہ گوشت کسی حیوان کا چاہتے تھے وہ شہر ہی کا ذبح کیا ہوا آ سکتا تھا جو لوگ مرغ یا کبوتر یا خرگوش منگاتے تھے وہ وہاں سے ذبح کردہ شدہ پیٹ کی آلائش صاف کی ہوئی حالت میں آتا تھا اس لیے ہم کو کوئی طریقہ اس کے استعمال کا بھی نہیں ہو سکتا تھا ہم نے آفس سے مراجعت کی اور اپنے مذہبی عزروں کو بیان کیا تو ہم کو بعد دشواریوں کے اس قدر اجازت ہوگئی کہ ہم زندہ مرغ یا کبوتر یا خرگوش منگائیں اور اس کو سرکاری سپاہی کے سامنے ہی ذبح کر لیں اور پھر صفائی کے قوانین کا پورا لحاظ رکھیں چنانچہ ہم نے اس کی ذمہ داری کی اور اس کے بعد سے ان زندہ حیوانات کے آنے کی ابتدا ہوئی کچھ دنوں تو یہ ہمارے ہی ساتھ مخصوص رہا پھر اس کے بعد اور لوگوں کو بھی اجازت مل گئی مگر یہ چیزیں اس قدر گراں تھیں کہ الامان (خدا کی پناہ) کبوتر فی عدد ۸ یا ۲ عدد میں پڑتا تھا مرغی فی عدد ۸ یا ۱/۶ میں پڑتی تھی البتہ خرگوش ۸ یا اللکہ یا اللعہ میں پڑتا تھا گوشت بھی اس کا زیادہ ہوتا تھا اسی لیے اسی پر اعتماد کیا گیا۔

ہفتہ میں اول اول ایک یا دو مرتبہ اس کو کھاتے تھے اور باقی ایام میں دال اور ترکاری وغیرہ سے گذران کرتے تھے ایک خرگوش کو دو وقت کرتے تھے اس میں آلو یا دوسری ترکاری

ڈالتے تھے کبھی کبھی مچھلی منگاتے تھے مگر وہ بھی نہایت گراں آتی تھی تقریبا تین روپے سیر یا چار روپے سیر معمولی مچھلیاں آتی تھیں اس لیے ہمیشہ اس کا بھی منگانا دشوار ہوتا تھا۔

دال کی اقسام:

دال وہاں پر مسور کی ملتی تھی مگر کچھ دنوں کے بعد وہ بھی ایک عرصہ تک بند ہوگئی گول مٹر سفید دلی ہوئی اور بے دلی ہمیشہ ملتی رہی کبھی کبھی بے دلی مسور بھی مل جاتی تھی مصری فول بھی ملتے تھے دوسری دالیں وہاں نہیں ملتی تھیں البتہ ہندوستان اور مکہ معظمہ سے پارسلوں میں ماش کی دال دھلی ہوئی اور بے دھلی اور بڑیاں وغیرہ آجاتی تھیں جن کو ہم سب نہایت عظیم الشان نعمت سمجھ کر بہت چاہ سے استعمال کرتے تھے۔

ترکاریاں:

ترکاریاں حسب موسم اکثر ملتی تھیں البتہ گوبھی کی تینوں قسمیں اور آلو اکثر اوقات میں بکثرت پائے جاتے تھے بھنڈی جب بہت سستی ہوتی تھی تو ۳ درجن بغیر چھانٹے ہوئے ملتی تھی اسی طرح کدو طویل اور کدو سرخ چقندر، پالک فول کی پھلیاں مٹر کی پھلیاں وغیرہ آتی تھیں مگر نہایت گراں روزانہ ہم کھانوں کی اقسام بدلتے رہتے تھے تاکہ کھانے والوں کو ایک ہی کھانے کی وجہ سے گھبراہٹ اور بدمزگی نہ پیدا ہو سالن عموماً ہم ایک ہی پکاتے تھے۔

اسارت میں کھانے کا ہمارا طریقہ:

روزانہ دو وقت کھانا تیار کیا جاتا تھا صبح کو تقریباً نو بجے اور شام کو تقریباً پانچ بجے چونکہ دیگر رفقاء کھانے پکانے سے ناواقف تھے علاوہ ازیں ان کو دیگر مشغولیتیں فرصت بھی نہ دیتی تھیں پھر وہ مداومت (ہمیشہ) بھی نہ کرسکتے تھے اور میرا ہمراہ ہونا فقط اداء خدمت کی غرض سے تھا اس لیے تمام ضروری خدمتوں کے انجام دینے کی کوشش کرنا میرا فرض منصبی تھا

جس کے لیے میں نے مالٹا پہنچتے ہی اپنے آپ کو تیار کیا اور ہر کام کی باگ اپنے ہاتھ میں لی جدہ میں یا مصر میں یہ بات کسی طرح ممکن ہی نہ تھی البتہ حجاز میں حتی الوسع میں بھی کوشش کرتا تھا اور دوسرے احباب بھی اعانت کرتے تھے مالٹا میں دوسرے رفقاء نے معارضہ کیا اور کاروبار کے بعض یا اکثر حصہ کو اپنے ہاتھ میں لینا چاہا بعضوں نے نوبت مقرر کرنے کی خواستگاری کی مگر میں نے مخالفت کی اور یہی کہا کہ میرے فرض منصبی میں آپ لوگوں کو دخل نہ دینا چاہیے ہاں جب کبھی اعانت کی ضرورت ہوگی میں آپ لوگوں کو تکلیف دوں گا روٹی عموماً دوپہر کے وقت آتی تھی اس کا آدھا حصہ شام کے وقت صرف ہوتا تھا اور آدھا صبح کے وقت چونکہ بہت بڑی اور موٹی ہوتی تھی اس لیے اس کو چھری سے کاٹنا پڑتا تھا سالن جو کہ حسب عرض سابق عموماً ایک ہی قسم کا ہوتا تھا ایک بڑے برق یا طباق یا لگن میں نکال لیا جاتا تھا اور دسترخوان کے بیچ میں طشت یا طباق رکھ دیا جاتا تھا اور اردگرد روٹیوں کے ٹکڑے کٹے ہوئے ہوتے تھے اور پھر ہم سب جمع ہو کر کھاتے تھے عموماً دسترخوان پر فقط ہم ہی پانچ آدمی نہیں ہوتے تھے بلکہ دو چار آدمی اور بھی زائد ہوتے تھے کیونکہ مولاناؒ کی طبیعت سخاوت اور مہمانداری پر مجبول اور مفطور ہوئی تھی ان کو جس قدر مہمانداری اور سخاوت میں لطف آتا تھا کسی حال میں نہ آتا تھا اکیلے کھانا ان کو سخت ناگوار ہوتا تھا یہی حال ان کا ہمیشہ ہندوستان میں رہا کہا اور اس وجہ سے وہ ہمیشہ مقروض رہے اور عموماً جائداد اپنی بیچ کر قرضہ ادا کرتے تھے مدرسہ کی تنخواہ اور بیرونی آمدنی ان کو کبھی کافی نہ ہوئی مہمانداری کی وسعت دیکھ کر عموماً اہل دنیا اور اصحاب ثروت (مالدار لوگ) دنگ رہ جاتے تھے مگر ہمیشہ سے یہ خداوندی کارخانہ جاری رہا۔

علی الصباح (صبح کے وقت) اندرون خانہ جھاڑو دینا اور اپنے اپنے بستروں کا درست کرنا ضروری تھا کیونکہ کپلیر یا سارجنٹ روزانہ بستروں وغیرہ کو دیکھتا تھا اگر

درست نہیں ہوتا تھا تو تاکید کرتا تھا اس کے بعد ڈاکٹر آتا تھا اور کمروں کے باہر اور اندر مکان کا معائنہ کرتا تھا اس کے بعد چائے بنائی ہوتی تھی مولانا مرحوم کے لیے دوانڈے نیم برشت کر کے پیش کیے جاتے تھے اگرچہ اس میں انہوں نے بارہا سختی کی اور ناک بھوں چڑھایا کیے مگر خدام کسی طرح اس کے ترک (چھوڑنے) کرنے پر راضی نہ ہوئے مولانا کی خوراک بہت کم تھی اور ضعیف العمری کا زمانہ تھا غذا حسب عادت اور طبیعت میسر نہ ہوتی تھی اس لیے تقویت کے لیے اس کا انتظام ضروری خیال کیا گیا تھا ہندوستان میں بھی اس کا انتظام تھا اس کے بعد سب مل کر کچھ روٹی کے ٹکڑے کے ساتھ چائے پیتے تھے اس کے بعد کھانا پکایا جاتا تھا جو کہ تقریباً دو گھنٹہ میں تیار ہو جاتا تھا تقریباً نو یا ساڑھے نو بجے صبح کو کھانا کھا لیتے تھے اس کے بعد دوسرا کھانا ظہر کی نماز کے بعد تیار کیا جاتا تھا اور عموماً عصر اور مغرب کے درمیان میں اس سے فارغ ہو جاتے تھے ہمیشہ دونوں کھانوں کے بعد سادی چائے پی جاتی تھی اس لیے روزانہ تین دفعہ چائے لازمی طور سے پکتی تھی اور اگر کوئی مہمان آ جاتا تھا تو وہ دوسری بات تھی شام کا کھانا ایک عرصہ تک اصرار کر کے ڈاکٹر غلام محمد صاحب اور حکیم نصرت حسین صاحب پکاتے رہے اور پھر میں نے اس کا بھی انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا کبھی کبھی مولوی عزیز گل صاحب یا وحید بھی انتظام کر لیتے تھے۔

روگیٹ کیمپ کا قیام:

روگیٹ کیمپ کا قیام تقریباً ایک ماہ کامل رہا وہاں کے لوگوں سے بخوبی واقفیت اور انس بھی ہو گیا مگر تکلیف بہت زیادہ ہوئی وجہ اس کی یہ تھی کہ اگرچہ وہ زمانہ فروری کے آخر کا تھا مگر مالٹا نہایت سرد جزیرہ واقع ہوا ہے اگرچہ شمالی یورپ کے باشندے جو سخت برفستان کے رہنے والے ہیں اس کو نہایت معتدل خیال کرتے تھے مگر اہل ہند کے لیے تو وہ نہایت آزاردہ (تکلیف دہ) ہے پھر چھوٹا جزیرہ ہونے کی وجہ سے اس میں ہوا نہایت تیز چلتی ہے

اور چھوٹے پہاڑ برف باری بھی نہیں ہونے دیتے جن ملکوں میں برف باری ہوتی ہے وہاں کی سردی زیادہ آزاردہ نہیں ہوتی جس قدر کہ ان ملکوں میں ہوتی ہے جہاں پر سرد ہوائیں چلتی ہیں اور برف باری نہ ہوتی ہو پھر اس پر طرہ یہ کہ ماہ نومبر سے اور کبھی وسط اکتوبر سے وہاں بارش شروع ہوتی ہے دریا میں بھی طغیانی اور ہوا میں طوفان انہی دنوں میں ہوتا ہے دسمبر اور جنوری پورے زور وشور سے سردی ہوا طوفان، بارش کے دکھانے والے مہینے ہیں فروری میں ہوا کی تو کثرت رہتی ہے مگر بارش اور سردی میں خفت ضرور شروع ہو جاتی ہے ادھر دھوپ میں ذرا قوت اور تیزی آ جاتی ہے۔

روگیٹ کیمپ اگرچہ خندق میں واقع تھا مگر چونکہ اس میں فقط خیمے تھے اس لیے وہ سردی سے پوری محافظت نہ کر سکتے تھے اور پھر کھلا ہوا میدان تھا رات کو باوجودیکہ ہم نے اپنے کپڑوں کو پہنے ہوئے دو کمبل اور ایک چادر اوڑھے ہوئے گدوں پر ایک کمبل بچھائے ہوئے سوتے تھے مگر تقریباً دو ڈھائی بجے رات سے کثرت سردی کی وجہ سے نہ اٹھنے کی ہمت ہوتی تھی اور نہ نیند ہی آتی تھی صبح کے وقت مجبور ہو کر نماز کے لیے اٹھنا پڑتا تھا تو خیمہ سے سر نکالنا ایک عذاب الیم (دردناک عذاب) کا سامنا ہوتا تھا سرد ہوا کے اس زور کے تھپڑے لگتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ جسم ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا وضو کرنے کی کوئی ایسی جگہ نہ تھی جہاں پر ہوا اور سردی سے محافظت ہو پانی جو ہم بالٹیوں اور برتنوں میں بھر کر رات سے وضو کے لیے رکھ لیتے تھے وہ برف سے زیادہ سرد ہو جاتا تھا پیشاب اور پاخانہ کی جگہ ایسی نہ تھی جہاں پر ہوا اور سردی سے پوری محافظت ہو جو لوگ نماز کے پابند نہیں تھے وہ تو آفتاب نکلنے سے پہلے اپنے خیموں سے سر بھی نہ نکالتے تھے مگر جس طرح بھی ہو سکتا تھا ہم سب ایک دوسرے کو اٹھاتے اور پانچوں آدمی جماعت سے نماز حضرت مولانا کے خیمہ میں پڑھتے تھے۔

مولانا کی جفاکشی اور استقامت:

مولانا مرحوم کو ہندوستان کی سردی بھی سخت اذیت (تکلیف) دیتی تھی وہ سردی کے ایام میں دن کو ہمیشہ دھوپ میں سوتے تھے بلکہ بسا اوقات گرمیوں کے زمانہ میں بھی سردیوں میں آگ اور کوئلہ سے تاپنے کی اکثر عادت تھی روئی کے کپڑے بہت استعمال فرمایا کرتے تھے گھٹنوں میں اکثر درد رہا کرتا تھا سردی کے ایام میں ہاتھوں اور پیروں پر ورم ہو جاتا تھا جو سیکنے سے جاتا تھا مگر مالٹا کی اس سخت سردی میں حسب عادت شب کو سوا ایک یا دو بجے کا اٹھنا کبھی انہوں نے نہ چھوڑا اسی وقت پیشاب فرماتے وضو کرتے تہجد کی نمازیں ادا فرماتے اور اس کے بعد صبح تک مراقبہ اور ذکر خفی میں وقت گزارتے ہم جوانوں کو تو منہ کھولنا بھی قیامت معلوم ہوتا تھا اٹھنا یا نماز پڑھنا یا وضو کرنا تو ہزار قیامت سے بھی زیادہ تھا مگر ان کی استقامت ان کو اپنے اوقات کی پابندی اور اپنے پروردگار کی عبادت پر مجبور کرتی تھی یہی حالت ہمیشہ سفر اور حضر میں مولانا کی رہی پھر اس پر طرہ یہ تھا کہ اس طرح اٹھتے تھے اور اس طرح آہستہ آہستہ قدم رکھتے اور دروازہ وغیرہ کھولتے تھے کہ کسی کو خبر نہ ہوتی تھی نہ نیند میں اصلاً فرق آتا تھا باوجودیکہ ہم سب خدام ہی تھے اور سفر و حضر میں ہمراہ اور رفیق تھے مگر ہم سبھوں سے بھی چھپانے کی آخر تک برابر کوشش فرماتے رہے چونکہ پیشاب کا عارضہ تھا اس لیے عموماً شب میں چند مرتبہ وضو کرنے کی ضرورت پڑتی تھی پانی بھی نہایت سرد ملتا تھا مگر خدا کے فضل و کرم سے باوجود ان سب امور مخالفت طبع کے کوئی تکلیف مولانا کو روگیٹ کیمپ کے ایک ماہ قیام میں مرض وغیرہ کی نہیں ہوئی۔

روگیٹ کیمپ سے عرب کیمپ کو انتقال:

ہم روگیٹ کیمپ سے بہت اچھی طرح مانوس اور وہاں کے لوگوں سے پوری

طرح تعارف پیدا کر چکے تھے کہ یکایک کمانڈر کا بلا ہماری درخواست کے حکم آیا کہ تم کو کل عرب کیمپ میں جانا ہوگا ہم کو طبعی طور پر نہایت ناگوار معلوم ہوا ہم نے چارہ جوئی کی فکریں کیں سب بے سود ہوئیں اس مدت میں چونکہ ڈاکٹر غلام محمد صاحب اور مسٹر سیدار سے تعارف ہوگیا تھا اور ڈاکٹر صاحب وہاں کے احوال سے واقف تھے اس لیے ان کے اشارہ پر ہم نے درخواست کی کہ اگر ہم کو بغیر ہماری مرضی کے وہاں منتقل کیا جاتا ہے تو کم از کم اتنا تو کیا جائے کہ ہمارے ساتھ یہ دو ہندوستانی کر دیے جائیں تاکہ ہم سب اہل وطن ایک جگہ بسر کریں یہ استدعا (درخواست) منظور کر لی گئی ہمارا خیال تھا کہ ہم کو وہ راحت جو کہ روگیٹ کیمپ میں ہے عرب کیمپ میں نہ ملے گی اسی وجہ سے ہم کو پس وپیش تھی مگر حقیقت میں ہم کو وہاں پہنچ کر بہت ہی زیادہ راحتیں ملیں وہاں پر ہم کو ایک بہت بڑا کمرہ صاف کر کے دیدیا گیا اور کہا گیا کہ اس میں تمہارے سوا اور کوئی نہیں رہے گا یہ کمرہ نہایت وسیع تھا اس کے دو ٹکڑے تھے درمیان میں ایک دیوار حائل تھی جس میں دروازہ لگا ہوا تھا قطعہ نمبر ا کے بھی دو حصے کر دیے تھے یعنی ایک پردہ ڈال کر جس کی صورت یہ دکھائی گئی ہے اندرونی اور بیرونی حصہ کو جدا کر دیا تھا۔

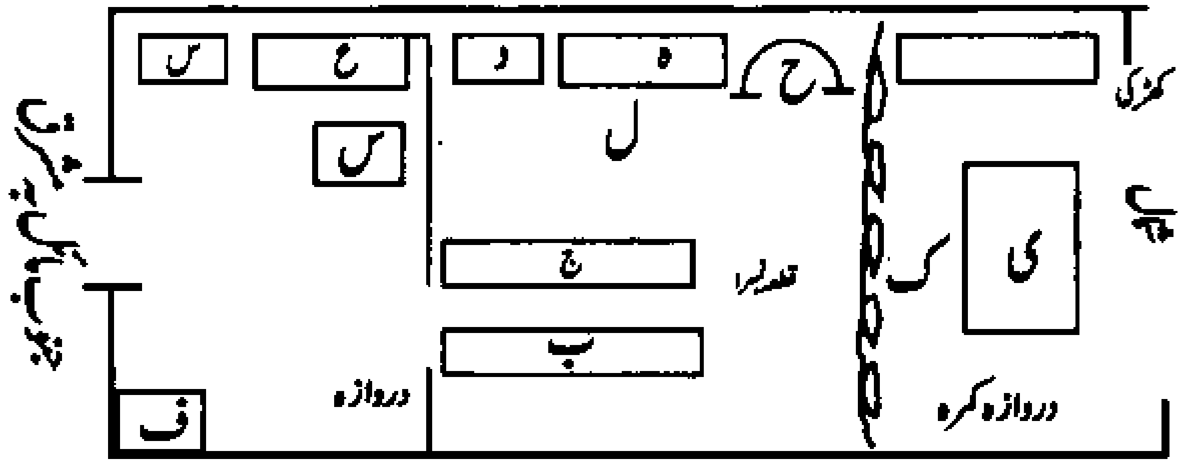

بیرونی حصہ (ک) کی جگہ میں ایک مستطیل ٹیبل (میز) رکھی رہتی تھی جس پر چادر بچھی رہتی تھی اور چند کتابیں چنی رہتی تھیں۔ اس پر دیا سلائی اور سگریٹ بھی اکثر رکھے

رہتے تھے اسکے طول میں دونوں جانب اور دروازہ کی طرف عرض میں کرسیاں بچھی رہتی تھیں جن میں سے اکثر آفس سے ملی تھیں اور بعض خود ہم نے بنوائی تھیں دوسری طرف عرض کی جانب (ط) ایک چار پائی لکڑی کی جس پر گدے اور کمبل اور سفید چادر پڑی رہتی تھی یہ سب باہر سے جو مہمان ملنے کے لیے آتے تھے ان کے لیے انتظام تھا جب مہمان نہیں ہوتے تھے ہم سب کتابوں کے دیکھنے یا خطوط وغیرہ لکھنے کے لیے یہاں بیٹھتے تھے (ی) یہ ایک بڑی کھڑکی لگی ہوئی تھی جس میں لوہے کی سلاخیں تھیں اور شیشے کا دروازہ سردی کے روکنے کے لیے لگا ہوا تھا دیوار کا وہ حجم جو کہ کھڑکی میں سطح زمین سے بقدر ایک کرسی کے اونچا تھا اس کے ساتھ ایک تختہ لگا کر اس پر گدا ڈال دیا گیا تھا یہاں پر مولانا اکثر اوقات میں بیٹھتے اور تحریر وغیرہ کرتے تھے اپنے درود و وظائف بھی سردی کے ایام اور اوقات میں یہاں ہی پڑھتے تھے گرمی کے اوقات میں بیٹھتے تھے اور شیشے کا دروازہ کھول دیا جاتا تھا اور خوب ہوا دیتا تھا مولانا کو روشنی اور ہوا کی وجہ سے یہ جگہ زیادہ مرغوب تھی یہاں ہی بیٹھ کر ترجمہ قرآن شریف لکھتے اور تصحیح فرمایا کرتے تھے۔ اس کھڑکی کے باہر صحن میں گرمیوں کے ایام میں ایک چار پائی دیوار سے متصل بچھادی جاتی تھی عصر کے بعد سے مولانا وہاں بیٹھتے تھے اور شب کو بھی اس پر ہی آرام فرماتے تھے۔

قطعہ نمبر ۱ کا اندرونی حصہ (ب) مولانا کی لکڑی کی چار پائی ہے اس پر ہمیشہ آرام فرماتے تھے اور (ج) مولوی عزیز گل صاحب کی چار پائی ہے یہاں ہی آخیر تک آرام کرتے رہے اور (د) حضرت مولانا کی لوہے کی چار پائی ہے یہ چار پائی مکلف (پُر تکلف) تھی مگر اس پر مولانا فقط ایک دو شب ہی سوئے حالانکہ اس میں راحت زیادہ تھی ہم سبھوں نے جب زیادہ اصرار کیا تو حضرت سرور کائنات کا وہ قصہ یاد دلایا جب کہ آپ کے لیے بستر کی کئی تہ بنادی گئی تھی اور اس وجہ سے آپ کے شب میں اٹھنے میں ذرا سی دیر ہو گئی

تھی یہ چارپائی اخیر تک فقط بچھی رہی کسی نے اس کو استعمال نہیں کیا (ہ) حسین احمد (کاتب الحروف) کی چارپائی ہے (ل) درمیان میں ایک جگہ بچھی رہتی تھی اطراف میں گدے پڑے رہتے تھے یہاں ہی بیٹھ کر کھانا دونوں وقت کھایا جاتا تھا یہ تمام میدان پردے تک بچا رہتا تھا اور اگر کبھی مجمع زیادہ ہوتا تھا تو سب لوگ اسی پر بیٹھتے تھے (ح) یہ جگہ لوہے کے بڑے چولہے کی ہے جس میں سردی کے زمانہ میں کوئلہ جلایا جاتا تھا اور دیوار میں اوپر تک دھواں نکلنے کا راستہ بنا ہوا تھا اس میں کھانا پکانے اور گرم کرنے کا بھی موقع بنا ہوا تھا یورپ میں سردی کی وجہ سے مکانوں میں یہ ضرور لگایا جاتا ہے۔

قطعہ نمبر ۳ میں (ع) حکیم نصرت حسین صاحب مرحوم کی چارپائی کی جگہ ہے اور (س) وحید کی چارپائی ہے اور (ف اور ص) دو بہت چھوٹی کوٹھڑیاں ہیں جن میں مختلف سامان صندوق وغیرہ رکھا کرتے تھے اسی قطعہ نمبر ۳ میں سب اسباب صندوق وغیرہ بھی رہتا تھا اور اس میں کھانے اور پکانے کا سامان الماریوں وغیرہ میں رہتا تھا اس میں دو کھڑکیاں بھی جانب جنوب کو تھیں جن سے ہوا خوب آتی تھی اور اس میں چونکہ شیشے کا مضبوط دروازہ لگا ہوا تھا اس لیے وہ سردی سے پوری حفاظت بھی کرتا تھا اس بڑے کمرہ کے مشرق کی جانب اسی طول اور عرض کے دو بڑے کمرے اور تھے جو آپس میں ملے ہوئے تھے اس میں قصبہ صیدا ملک شام (سوریہ) کے مسلمان بحری سوداگر اور ملاح تھے اور مغربی جانب میں اس میں ملا ہوا ایک اسی طول کا کمرہ تھا جس میں دو حصے تھے جو حصہ نمبر ۲ کے برابر تھا اس کو ہم نے کمبلوں سے بچھا کر مسجد بنالیا تھا۔ گورنمنٹ نے کچھ کمبل دیدئے تھے باقی ان صیدا والے عربوں نے اپنے پاس سے ڈال کر بچھائے تھے سب مل کر یہاں نماز پڑھتے تھے یہ عرب تقریباً بیس یا پچیس آدمی تھے اس بڑے کمرہ کے بیرونی حصہ میں جو کہ ہمارے نمبر ۱ کے مقابل تھا پانی کا نل لگا ہوا تھا اسی کے پاس ایک بڑا تخت لمبا بنا ہوا تھا تاکہ اس پر کپڑے

زمین پر آدمی کھڑا ہو کر دھو سکے اسی نل سے سب وضو کرتے تھے ان کمروں کے سامنے ایک مختصر سا صحن تھا جس کا احاطہ کانٹے دار تاروں سے کیا گیا تھا جس کی صورت نقشہ میں یہ دی گئی ہے تین قطار ایسے تاروں کی تھی تار کے باہر مختصر راستہ فوجیوں کے باہر سے آنے کا تھا۔

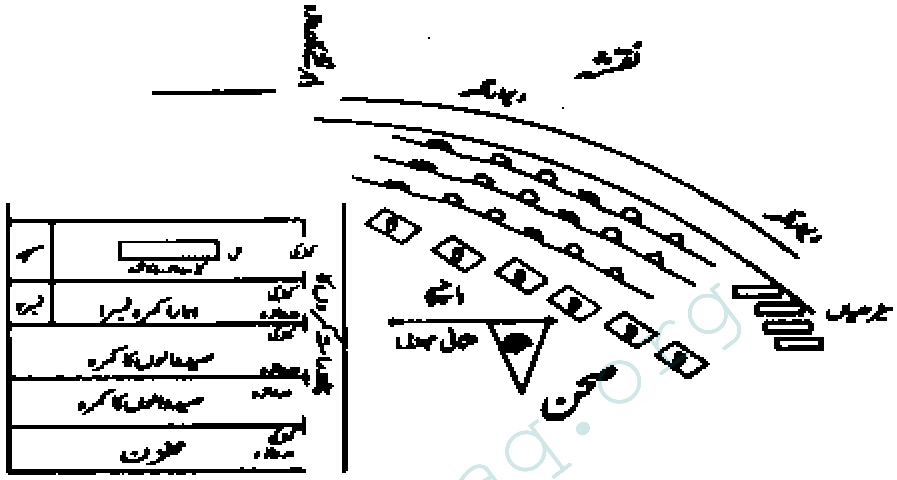

تار کے پاس ان شامی صیدا دی عربوں نے مٹی صاف اور جمع کر کے چھوٹے چھوٹے باغیچے لگا لیے تھے ان میں سے ایک یا دو باغیچہ مولوی عزیز گل صاحب کا بھی تھا اس میں مرچ' پودینہ' دھنیا' مولی وغیرہ بوتے رہتے تھے بعض بعض درخت پھول یا ارنڈ کے بھی تھے اس صحن کے وسط میں ایک بڑا عمود ان لوگوں نے گاڑ رکھا تھا جس پر ہر جمعہ اور عید کو یا جب کبھی کوئی خوشخبری ترکوں اور ان کے خلفاء کی آتی تھی تو ترکی پھریرا اور ہلال (جھنڈا) اڑایا جاتا تھا گرمیوں میں اس صحن میں سب سوتے تھے ۱' ۲' ۳' چھوٹی چھوٹی کوٹھڑیاں تھیں جن میں مختلف سامان کیمپ کا رہتا تھا یہ کوٹھڑیاں صحن کے کنارہ واقع تھیں جن کی چھت پر بالائی سیڑھیاں تھیں انہی میں سے بیچ کی کوٹھڑی کو مولانا مرحوم کے لیے گورنمنٹ نے خالی کرا کر ایک بالٹی اور چوکی رکھوا دی تھی کیونکہ جب حکام سے مولانا نے دریافت کیا کہ کسی قسم کی تکلیف تو نہیں جس کا مفصل تذکرہ ہم آگے کریں گے تو ان سے پاخانہ کی دوری کی

شکایت کی گئی اور یہ کہ سردی اور بارش کے ایام میں رات کو اندھیرے میں وہاں جانا بہت اذیت دیتا تھا اور مولانا کو پیشاب کی ضرورت ہمیشہ رات کو کئی دفعہ ہوتی تھی تو انہوں نے چینی کا برتن دیا کہ رات کو اس میں پیشاب کر کے صبح کو پھینک دیا کرو مولانا اس پر راضی نہ ہوئے تو انہوں نے اس کوٹھڑی میں بالٹی اور چوکی رکھوادی جس کی وجہ سے دوسرے لوگوں کو بھی بہت آرام ہو گیا۔

انتظام پارچہ شوئی و دیگر خدمات خارجیہ:

چونکہ ہر اسیر پر اپنے کیمپ کا صاف کرنا پاخانہ کا دھونا اور باہر سے رسد وغیرہ کا لانا ضروری تھا اس لیے ہم نے اس کام کے لیے و نیز کپڑوں کے دھونے اور جھاڑو دینے کے لیے ہم پانچوں اشخاص بلکہ ابتداء میں تو ساتوں ہندوستانیوں کی طرف سے ایک شخص کو انہی صیداوی عربوں میں سے نوکر رکھ لیا تھا اس کو نصف پونڈ ماہوار دیا کرتے تھے ہفتہ میں ایک دفعہ یہ سبھوں کے کپڑے دھوتا تھا صابن وغیرہ ہم دیتے تھے اور جب ہماری باری دوسری بیرونی خدمات کی آتی تھی ان کو بھی انجام دیتا تھا۔ اگرچہ اس میں کھانا کھلانا شرط نہ تھا مگر چونکہ یہ شخص نہایت امانت دار تھا اس لیے ہم نے اس کو کھانے میں بھی شریک کر دیا تھا اس نے بھی غیر مشروط امور میں ہماری بہت زیادہ مدد کرنی شروع کر دی تھی اور اخیر تک اس نے بہت سے کاروبار میں نہایت ہمدردی سے حصہ لیا جس کے صلہ میں ہم نے بھی علاوہ مقررہ تنخواہ کے اپنی طاقت کے موافق خبر گیری میں کمی نہیں کی۔

ان صیداوی عربوں کے حالات:

شہر صیدا سوریہ (ملک شام) میں ایک پرانا شہر ہے جو کہ برلب سمندر بیروت اور حیفا کے درمیان واقع ہے بیروت سے خشکی میں بھی سڑک جاتی ہے اور گھوڑے گاڑیاں

وغیرہ آتی جاتی ہیں۔ مکہ اور حیفا کو یہاں سے راستہ جاتا ہے یہ شہر قدیمی تاریخ میں بہت بڑا اور پرانا دکھایا جاتا ہے مگر زمانہ کے تقلبات (تبدیلیوں) نے اس کو اس قدر بڑے پیمانے پر باقی نہیں رکھا بلکہ بیروت جو قدیم زمانہ میں اس قدر بڑا شہر نہ تھا اب بڑا مرکز اور تمام سوریہ کا بندر ہوگیا ہے۔ صیدا میں مسلمانوں کی آبادی بہ نسبت عیسائیوں اور یہودیوں کے زیادہ ہے اس میں باغات نہایت کثرت سے ہیں۔ سنگترے لوکاٹ سیب انگور وغیرہ میوہ جات عمدہ اور بکثرت پیدا ہوتے ہیں۔ یہاں کے لوگ زراعت اور باغبانی کرتے ہیں۔ اور بعضے تجارت پیشہ ہیں جو کہ میوہ جات یہاں سے خرید کر مصر لیجاتے ہیں اور وہاں سے غلہ وغیرہ لاتے ہیں۔ بہت سے لوگوں نے کشتی بانی اپنا پیشہ اختیار کر رکھا ہے۔ بادبانی بڑی بڑی کشتیاں چند شخصوں کی کمپنی بنا کر حصوں پر تیار کرتے ہیں اور ان پر تجارتی مال لاتے ہیں۔ سوریہ اور افریقہ اور یورپ کے قریب کے بندروں سے اپنے تعلقات قائم رکھتے ہیں اور سردی کے وہ زمانے جن میں دریا میں طوفان ہوتا ہے اپنے گھروں میں بسر کرتے ہیں کیونکہ ان ایام میں بادبانی جہاز کام نہیں دیتے۔ ان لوگوں کو دریائی سفر اور اس کے احوال کی واقفیت موسموں اور پانی کے احوال کی اطلاع میں بہت زیادہ کمال ہے۔ ان میں اکثر لوگ پانی میں اُسی طرح آنکھوں سے دیکھتے ہیں جیسے کہ باہر۔ غوطہ لگانا' تیرنا کمال درجہ کا جانتے ہیں پھر صحت بھی ان کی اچھی ہے۔ جفاکش دیندار لوگ ہیں جن ایام میں دریا قابل سفر نہیں رہتا مچھلی کا شکار کھیلتے ہیں اور بعضے لوگ ہمیشہ مچھلی ہی کے شکار پر بسر کرتے ہیں۔ مختلف طریقوں سے بڑی بڑی مقدار شکار کر کے اپنے مصاریف (اخراجات) نہایت وسعت سے چلاتے ہیں جو لوگ مالٹا میں ہمارے ساتھ اسیر تھے یہ سب وہی تجارت پیشہ اور جہاز راں لوگ تھے۔ جو کہ قبل از اعلان جنگ اپنے اپنے مال اور جہازوں کو مصر میں لاتے ہوئے تھے اور قصد تھا کہ مال فروخت کر کے اس کے بدلہ میں وہاں سے مال خرید کر کے واپس

ہوں گے کہ یکا یک ترکی اور اتحادیوں کے درمیان اعلان جنگ ہو گیا۔ انگریزی حکومت نے ان لوگوں کو بغیر مہلت دیئے اور خبر کرنے کے یکبارگی پکڑ لیا۔ جہازوں اور جملہ مال اورنقد کا مصادرہ کر لیا۔ ان کو قید کر کے مالٹا روانہ کر دیا۔ بیچارے ابتداء جنگ سے اخیر تک تقریباً چھ برس تک اسیر رہے۔ ان کے اہل وعیال اکثر ہلاک ہو گئے۔ طرح طرح مصیبتوں کے شکار ہوئے۔ التواء جنگ کے بھی تقریباً ایک برس یا اس سے زیادہ کے بعد یہ لوگ چھوٹے۔ ان لوگوں کی جملہ مقدار تیس یا پچیس آدمیوں کی تھی جن میں سے بعض بلغار کیمپ اور رودگیٹ کیمپ میں بھی رہتے تھے۔ ہمارے کیمپ میں تقریباً پچیس آدمی تھے بیچارے عموماً نہایت نرم اخلاق والے اور دیانتدار تھے ہم لوگوں سے عموماً اور حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے خصوصاً ان کے معاملات نہایت ہی شریفانہ رہے ہر ایک ہماری ہمدردی اور غمگساری کے لیے تیار رہتا تھا۔ ان لوگوں کے ساتھ اور ہمارے ساتھ ان کو نہایت زیادہ تعلق ہو گیا تھا۔ ان کو دینی باتیں جو کچھ بتائی جاتی تھیں نہایت بشاشت سے قبول کرتے تھے ان میں سے بہت سے لوگوں نے جب ان کو معلوم ہوا کہ یہ گوشت جائز نہیں بالکل چھوڑ دیا تھا۔ ڈاڑھی منڈانے کی عادت تھی حکم شرعی جان کر ڈاڑھیاں چھوڑ دی تھیں۔ جماعت سے ہمیشہ نمازوں کی پابندی کرتے تھے۔ اذان تکبیر وغیرہ سے سب کے ہی لوگ متکفل (ذمہ دار) تھے ان میں سے چند آدمی حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت بھی ہوئے تھے اور خط وکتابت وغیرہ بھی ہم لوگوں سے سیکھا۔ علمی مجالس میں شریک ہوتے تھے۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے اوقات:

مولانا عشاء کی نماز کے بعد بہت تھوڑی دیر جاگتے تھے کچھ اپنے اوراد پڑھتے تھے اور پھر پیشاب وغیرہ سے فارغ ہو کر اکثر وضو فرماتے کبھی کبھی کچھ باتیں بھی فرماتے اور پھر سو جاتے تھے کیونکہ دس بجے کے بعد حکماً روشنیاں بجھا دی جاتی تھیں جہاں دس بجے اسی

وقت سپاہی آواز دیتا تھا سب چراغ اور موم بتیاں بجھانی پڑتی تھیں۔ اور پھر تمام شب جلانے کی اجازت نہ ہوتی تھی جہاں جہاں کمروں میں برقی روشنیاں تھیں وہاں پر خود ہی بجھ جاتی تھیں البتہ وہ برقی روشنیاں جو کیمپ اور راستوں کی رشنی کے لیے تھیں وہ تمام رات جلا کرتی تھیں ان کا تار برقی کمروں کی روشنی کے تار سے علیحدہ تھا الغرض دس بجے سے سب لوگ سوجاتے تھے مولاناؒ تقریباً ایک بجے یا ڈیڑھ بجے شب کو اٹھتے تھے نہایت دبے پیروں نکلتے دروازہ سے باہر تشریف لے جاتے پیشاب سے فارغ ہو کر وضو فرماتے تھے گرمیوں میں تو گرم پانی کی ضرورت ہوتی ہی نہ تھی نل کا پانی مناسب ہوتا تھا۔ سردی کے زمانہ میں ہم نے یہ خاص انتظام کیا تھا کہ چولہے پر کھانے کے بعد ایک بہت بڑے ٹین کے لوٹے میں جو کہ چائے کے لیے گورنمنٹ کی طرف سے ملتا تھا اور اس میں نیچے ٹیٹو پیچدار لگی ہوئی تھی اور اس میں ہمارے معمولی دس بارہ لوٹے پانی آجاتا تھا۔ پانی خوب گرم کرلیا جاتا تھا اور پھر اسی پاس والے کمرہ میں جہاں پر نل لگا ہوا تھا اس لکڑی کے تخت پر جس پر سب کپڑے دھوتے تھے ایک کمبل میں لپیٹ کر عشاء کے بعد رکھ دیتے تھے۔ یہ پانی صبح تک خوب گرم رہتا تھا حالانکہ سردی بہت ہی زیادہ پڑتی تھی۔ الغرض مولانا کو شب میں جتنی دفعہ وضو کی ضرورت ہوتی تھی اسی سے پانی گرم لیتے تھے اور وضو فرماتے تھے اور مسجد کے کمرہ میں محراب کی دائیں جانب مولانا کی سفید اُونی جانماز کمبلوں پر ہمیشہ بچھی رہتی تھی اندھیرے ہی میں جاکر اس پر نماز تہجد ادا فرماتے تھے جب اس سے فارغ ہوجاتے تو پھر آکر اپنی چارپائی پر بیٹھ جاتے تھے اور صبح تک مراقبہ اور ذکر خفی میں مشغول رہتے تھے ہزار دانوں کی تسبیح ہمیشہ سرہانے رکھی رہتی تھی اسم ذات کی کوئی مقدار معین فرما رکھی تھی اس کو ہمیشہ بالالتزام پورا فرماتے تھے مراقبہ کا اس قدر انہماک ہوگیا تھا کہ اکثر حصہ دن رات کا اس میں گزرتا تھا۔ استغراق بعض اوقات میں غالب ہوجاتا تھا ہم بعض اوقات میں دو دو تین تین دفعہ باتیں

دہراتے تھے مگر سمجھتے نہ تھے صبح کی نماز سے پہلے اکثر پیشاب کرتے تھے وضو کی تجدید فرما کر نماز با جماعت ادا فرما کر وہیں مصلے (سجادہ) پر آفتاب کے بلند ہونے تک مراقب رہتے تھے اس کے بعد اشراق کی نماز ادا فرما کر اپنے کمرہ میں تشریف لاتے اس وقت مولانا کے لیے ابلے ہوئے انڈے اور چائے تیار ہوتی تھی وہ پیش کر دی جاتی تھی اس کو نوش فرما کر دلائل الخیرات اور قرآن شریف کی تلاوت فرماتے تھے اس سے فارغ ہو کر کچھ ترجمہ قرآن شریف تحریر فرماتے یا اس پر نظر ثانی کرتے یا اگر خط لکھنے کا دن ہوتا تو خط تحریر فرماتے یا وحید کو سبق پڑھاتے اتنے میں کھانا کا وقت آجاتا کھانا تناول فرما کر چائے نوش فرماتے تھے اس کے بعد اگر کسی سے ملنے کے لئے وردالہ یا سینٹ کلمیت کیمپ یا بلغار کیمپ میں جانا ہوتا تو وہاں کا قصد فرماتے اور کپڑے پہن کر تیار ہو جاتے تھے اگر جانے کا قصد نہ ہوتا تو آرام فرماتے اور اگر کوئی ملنے کے لیے دوسرے کیمپ میں سے آجاتا تو اس سے باتیں کرتے اگر تیز گرمی کا زمانہ ہوتا تھا تب تو وہیں اپنی چارپائی پر اور اگر کچھ بھی سردی ہوتی تھی تو صحن میں دھوپ میں قیلولہ فرماتے تھے وہاں پر ہم سب دو تین گدے ڈال دیتے تھے اور اس پر کمبل اور تکیہ پہنچا دیا جاتا تھا اور اگر کسی نے غفلت کی تو خود تکیہ لے جاتے اور ان گدوں اور کمبل کو بچھا کر آرام فرماتے تھے۔ دو تین گدے ہم نے زائد اسی واسطے لے رکھے تھے جو کہ ہمیشہ علیحدہ رکھے رہتے تھے اور جب تک وہ حاصل نہ ہوئے تھے تو بعض چارپائیوں کے گدے اُٹھائے جاتے تھے گاڑھے کی بول سے رنگی ہوئی چادر اوڑھ کر دھوپ میں آرام فرمایا کرتے تھے یہی عادت مولانا کی وطن میں بھی تھی تقریباً ڈیڑھ یا دو گھنٹہ اس طرح آرام فرمانے کے بعد قضاء حاجت کے لیے تشریف لے جاتے اور پھر وضو فرمانے کے بعد تلاوت قرآن شریف اور دلائل الخیرات حزب الاعظم وغیرہ میں مشغول ہوتے تھے مگر قرآن شریف بہت زیادہ پڑھتے تھے غالباً روزانہ دس بارہ پارے پڑھا کرتے تھے ظہر کی

اذان تک اسی حالت میں مشغول رہتے تھے پھر مسجد میں تشریف لاتے اور نماز سے فارغ ہوکر اگر وحید کا سبق ہوتا تو کبھی اس وقت میں اور کبھی صبح کو اپنے اوراد سے فارغ ہوکر کھانے کے وقت تک پڑھاتے تھے بلکہ اکثر صبح ہی کو پڑھاتے تھے چونکہ عربی کتابوں میں سے فقط مشکوٰۃ اور ترمذی پاس تھیں۔ اس لیے انہی دونوں کو پڑھاتے رہے یہاں تک کہ دونوں ختم ہوگئیں جلالین شریف بھی ساتھ تھی وہ بھی غالباً ختم ہوگئی تھی اس کے بعد کتابوں کے نہ ہونے وحید کی بے شوقی مدت اقامت کی لاعلمی کی وجہ سے اور کتابیں شروع نہ ہوئیں اس کے بعد اکثر ترجمہ قرآن پر نظر ثانی فرماتے تھے اور کبھی کبھی مولوی نصرت حسین صاحب مرحوم اور مولوی عزیز گل صاحب کو ترجمہ سناتے تھے کچھ دنوں تک میں بھی اس میں شریک ہوتا رہا مگر چونکہ مجھ کو تمام دن میں قرآن کے ورد کرنے کے لیے یہی وقت فارغ ملتا تھا اس لیے میں نے شرکت اس میں چھوڑ دی تھی دونوں حضرات کی بحثیں بھی ترجمہ کے متعلق مولانا مرحوم سے ہوتی رہتی تھیں اگر کوئی تاریخ ایسی ہوئی جس میں ظہر کے بعد دوسرے کیمپ میں جانا ہے جیسا کہ میں پہلے ذکر کر چکا ہوں کہ ہم کو بھی ہفتہ میں تین دن دوسرے کیمپوں میں ظہر کے بعد جانے کی اجازت تھی تو وہاں تشریف لے جاتے تھے اور ہم سب یا بعض ضرور ساتھ ہوتے تھے اس لیے یہ انتظام تھا کہ ہفتہ میں ظہر کے بعد ایک دن روگیٹ کیمپ میں جاتے اور ایک دن سینٹ کلیمنٹ کیمپ میں اور ایک دن بلغار کیمپ میں عصر کی نماز کے بعد اکثر مولاناؒ ذکر خفی لسانی میں مشغول ہوتے وہ ایک ہزار دانے والی تسبیح کو چادر یا رومال کے نیچے چھپا کر بیٹھ جاتے اور ذکر کرتے رہتے ہاں اگر ورد کسی وجہ سے رہ گیا ہوتا تھا تو اس کو اس وقت میں پورا فرمالیتے اکثر جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے اس وقت کھانا تیار ہوجاتا تھا تو جب دسترخوان چن لیا جاتا تھا اس وقت مولانا سے عرض کیا جاتا تھا کہ تشریف لائیے کھانا نوش فرما کر پھر اپنی جگہ پر جا بیٹھے اور اپنے کام میں مشغول ہوجاتے چائے وہیں پیش کردی جایا کرتی

تھی۔ مغرب کے بعد بھی نوافل وغیرہ سے فارغ ہو کر ذکر اسم ذات میں خفیہ طور پر اسی بڑی تسبیح کو لے کر عشاء تک مشغول رہتے اس درمیان میں اگر ہم میں سے کوئی کسی بات کے لیے پاس جا بیٹھتا تو کچھ بات بھی کر لیتے ورنہ اپنے کام میں مشغول رہتے تھے کبھی کبھی صبح کو دس بجے سے ۱۲ بجے تک اور کبھی کبھی ظہر کے بعد ۲ بجے سے ۴ بجے تک بعض ترکی احباب وغیرہ تشریف لاتے تھے تو اس وقت مولانا اپنے کام چھوڑ کر ان کے پاس آ بیٹھتے تھے۔

خلاصہ یہ کہ حقیقت میں مولانا کو اپنے روحانی کاروبار اور باطنی ترقی اور اپنے محبوب حقیقی سے راز و نیاز کرنے کا فارغ وقت تمام عمر میں کبھی ایسا نصیب نہیں ہوا تھا جیسا کہ مالٹا کی اقامت کے ایام میں ہوا دن رات ان کو یہی دھن تھی اور یہی مشغلہ تھا نہ کبھی ان کی طبیعت گھبراتی تھی اور نہ کسی دوسری طرف کو رغبت ہوتی تھی بسا اوقات تو ان کو ہم لوگوں سے بات کرنا بھی ناگوار ہوتی تھی یہ ایک واقعی اور حقیقی انعام خداوندی تھا جس میں مولاناؒ کے ترقی معنوی کے مدارج طے کرانے تھے کاتب ازلی نے جو مقامات ازل سے مقدر فرما دیے تھے ان کے طے کرنے کا ذریعہ یہ سفر اور یہ اسارت قرار دی گئی طے ہو جانے کے بعد ان کو وطن بھجوا کر بہت جلد بلا لیا گیا۔

ایں سعادت بزور بازو نیست گر نہ بخشد خدائے بخشندہ

دنیا اور آخرت کی سرخ روئی اہل زمین اور اہل آسماں میں نیک نامی اور رفعت ذکر معنوی اور مادی ترقی، قبولیت حقیقی اور بے نہایت اجر و ثواب قیامت تک کے لیے صدقہ جاریہ اور ذکر محمود نشر (اشاعت) علم حدیث اور (دین میں شعور حاصل کرنا) تفقہ فی الدین جہاد فی سبیل اللہ اور خدمت دین اخلاص وللّٰہیت اور زہد فی الدنیا (دنیا سے بے رغبتی) خدمت قرآن اور ریاضت باطنیہ استقلال و ثبات اور تحمل و تواضع خالص عشق حقیقی اور معرفت کاملہ وغیرہ وغیرہ کمالات قسام ازل نے اس پردہ میں مولانا کے پیشتر سے دوبالا بلکہ

اضعافا مضاعفۃ (دوگنا چوگنا) کر کے اپنا خاص مقرب بندہ بنا لیا اور آنے والوں کے لیے مثال اور نمونہ چھوڑ دیا یہ وہ فضائل ہیں کہ جن کا مجموعہ قرنوں (زمانوں) میں بھی کسی ہی کسی فرد میں پایا جاتا ہے ازمنہ حاضرہ (دور حاضر) میں چراغ لے کر ڈھونڈھیے اور مشرق سے مغرب تک کے گاؤں گاؤں اور شہر شہر کو چھانیے تو ایسے مجموعہ کا وجود ہاتھ نہ آئے گا بلکہ غالبًا انفرادی حیثیت بھی کبریت احمر (کمیاب ہونے) کا سماں دکھلائے گی۔

فضائل ہائی شتی میں سے کوئی ایک دکھلاوے — کیے تھے حق تعالیٰ نے جو مولانا کو ارزانی
قبولیت اسے کہتے ہیں مقبول ایسے ہوتے ہیں — عبید سود کا ان کے لقب ہے یوسف ثانی

مالٹا میں پہنچنے پر نقد میں تنگی:

ہمارے پاس جو کچھ نقد تھا یعنی (۸۱) پونڈ انگریزی اور وہ جیزہ میں ہم سے لے لیا گیا تھا اور اس میں سے چار پونڈ ہم مصاریف (اخراجات) کے لیے وہاں دیا گیا تھا جس سے تقریباً ڈیڑھ پونڈ ہم نے راستہ کے خرچ کے لیے اپنے پاس رکھ لیا تھا باقی (۷۷) پونڈ کے لیے جیزہ کے انگریزی افسر نے بوقت روانگی یہ کہا کہ یہ نقد روپیہ وہیں مالٹا میں مل جائے گا ہم نے اس سے کوئی رسید وغیرہ نہ مانگی اور اس کے قول پر اطمینان کر کے یقین کر لیا کہ ابھی ہمارے ساتھ بذریعہ ڈاک وہاں یہ خبر بھیج دی جائے گی مگر مالٹا پہنچنے پر جب ہم کو ضرورت ہوئی تو ہم نے کمانڈار سے طلب کیا اس نے جواب دیا کہ ہمارے پاس کوئی اطلاع نہیں آئی اس کی وجہ سے ہم کو سخت کلفت (تکلیف) کا سامنا ہوا اس نے ایک مرتبہ جب کہ ہماری خاطرداری کو کہا کہ اگر کوئی تکلیف ہو تو اطلاع دو تو ہم نے ان نقود کی نسبت پھر تذکرہ کیا اس نے کہا کہ مجھ کو کوئی اطلاع نہیں ملی اور میں نہایت افسوس کرتا ہوں کہ میں اس کے متعلق کوئی انتظام نہیں کر سکتا تب ہم نے درخواست کی کہ آپ مصر میں تحریر کریں اور استفسار (پوچھ) کر کے منگائیں اس نے قبول کیا ہمارے آنے کے دوسرے دن میجر حسن

عزت بیگ کا درودالہ سے پیام پہنچا کہ میں مولانا سے ملنے کا شائق ہوں۔

میجر حسن عزت بیگ:

میجر حسن عزت بیگ ایک نہایت خلیق شریف وضع (شریفانہ اخلاق علم رکھنے والے) علمی خاندان کا دیانتدار شخص تھا جس کے ہر عمل اور حرکت سے مروت اور انسانیت ٹپکتی تھی اصل میں اس کا وطن دمشق شام تھا اس کا رتبہ فوجی بیکباشی (میجر) تھا وہ عرصہ دراز سے مختلف مرتبوں پر موظف ہوکر حکومت عثمانیہ کے مختلف ممالک میں ہمدردی اور اخلاص کے ساتھ خدمت کر رہا تھا اور اسی وجہ سے اپنے افسروں اور حکومت کے ذمہ داروں میں نہایت وقعت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا جنگ کے زمانہ میں وہ یمن میں عہدہ دار تھا اس کو گورنر یمن کا حکم ملا کہ وہ حجاز میں بحری راستہ سے جائے اور احکام فوجی کے پورے کرنے کی کوشش کرے چنانچہ وہ حسب ہدایت یمن کے بعض بندروں سے مع اپنے سامان وغیرہ کے بادبانی کشتی پر سوار ہوکر جدہ کو روانہ ہوا کیونکہ بحر احمر (قلزم) میں ان دنوں دخانی آگبوٹ کا ملنا ممکن نہ تھا بادبانی کشتی سمندر میں سفر کر رہی تھی کہ انگریزی جنگی جہاز نے اس کو دور سے دیکھ لیا کشتی کو پکڑا۔ اگرچہ میجر موصوف اپنے رسمی اور ترکی لباس میں اس وقت نہ تھا مگر جہاں تک معلوم ہوا کہ جس بندر سے وہ سوار ہوا تھا وہاں پر انگریزی سی آئی ڈی کے لوگ موجود تھے انہوں نے خبر پہنچادی تھی خیال کیا جاتا ہے کہ یہ امور شریف حسین کے ذریعہ سے یمن کے قریب کے بندروں پر تکمیل دیئے گئے تھے غرضیکہ انگریزی آگبوٹ نے جبراً میجر موصوف کو گرفتار کر لیا تمام اسباب لے لیا اور جا کر عدن کے قید خانہ میں ڈال دیا اور پھر کچھ عرصہ کے بعد وہاں سے مصر کو منتقل کر دیا گیا وہاں بھی ایک عرصہ تک قید میں رہنا پڑا پھر مالٹا بھیج دیا گیا اور اخیر وقت تک ممدوح کو وہاں کے ایام کاٹنے پڑے۔

مولانا مرحوم اگلے روز وہاں گئے اور ملاقات کی نہایت اخلاق سے پیش آیا اور درخواست کی کہ آپ ابھی آئے ہیں اس لیے غالباً مصاریف (اخراجات) کی ضرورت ہوگی ہم سب آپ کے ہمدرد اور خادم ہیں جس چیز کی ضرورت ہو بلا تردد (بغیر شک وشبہ کے) دو آپ ہم سب سے ظاہر فرمائیں ہم نے کہا کہ ہم سب آپ کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ ہمارے پاس ایک مقدار معتد بہ موجود ہے۔ جس کو حکومت نے ہم سے لے لیا تھا اور یہاں بھیجنے کا وعدہ کیا تھا غالباً دو چار دن میں یہاں آجائے گی اس نے ہمارے احوال وغیرہ پر نہایت ہمدردی کا اظہار کیا اور کمال توجہ سے ہمیشہ پیش آتا تھا چلتے وقت ڈاکٹر غلام محمد سے کہا کہ ممکن ہے کہ یہ لوگ اپنی حاجت ظاہر کرتے ہوئے شرمائیں اس لیے تم جوان کی ضرورت ہو مجھ سے بیان کر دینا جب ہم کو کچھ عرصہ گزر گیا اور نقد کی کوئی خبر نہ ملی کماندار اسراء نے بھی باوجود تقاضوں کے صاف جواب دیئے تو بہت دقت (مشکل) کا سامنا پیش آیا اس لیے رائے یہی ہوئی کہ میجر موصوف سے قرض لے لیا جائے چنانچہ موصوف سے مختلف اوقات میں تقریباً ۵ پونڈ لینا پڑا علاوہ ازیں اور بھی بعض آدمیوں سے قرض لینا پڑا کیونکہ ہمارے جانے کے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد یعنی تقریباً بیس یا پچیس دن کے بعد میجر موصوف کے افسر کرنیل علی فطری بیگ نے ان کو اپنے پاس دال فرسٹہ میں منتقل ہونے کو فرمایا اس لیے وہ وہاں چلے گئے۔

افسروں کی تنخواہ:

حسب قواعد مقررہ دول متمدنہ فوجی افسروں کو ایام اسارت جنگ (جنگی قید کے دنوں) بہت زیادہ حقوق دیئے جاتے ہیں ان کے لیے تنخواہیں بمقدار کفایت دی جاتی ہیں جن کا بوقت صلح حساب کیا جاتا ہے ہر بادشاہت نے جس قدر خرچ کیا ہے اپنی مقابل بادشاہت سے وصول کرتی ہے اگر دونوں برابر سرابر ہو جاتے ہیں جب تو خیر ورنہ زائد

مصاریف والی حکومت مقدار زائد کو وصول کرتی ہے چھوٹے افسروں کو چھ پونڈ اور بڑے افسروں کو یعنی کرنیل جرنیل وغیرہ کو سات پونڈ ماہوار دیا جاتا تھا جس میں سے خوراک کی رسد میں تقریباً ڈیڑھ پونڈ ماہوار محسوب ہوکر (حساب کرکے) باقی ماندہ دو تین ہفتوں میں پورا کر دیا جاتا تھا کیونکہ مقرر تھا کہ کسی اسیر کو خواہ اس کی تنخواہ ہو یا اس کی مقدار جمع ہو دو پونڈ فی ہفتہ سے زائد نہیں دیجا سکتی افسروں کیلئے علاوہ اس کے پلنگ لوہے کے گدے عمدہ اور صاف چادریں اور کمبل بھی عمدہ قسم کی الماریوں آئینے چینی کے استعمال برتن عمدہ کمرے، کرسی میز وغیرہ دیے جاتے تھے جو کہ سول بڑے بڑے عہدہ داروں کو نہیں ملتے تھے۔ ہاں اگر بڑی کمیٹی سے جو کہ اسراء (قیدیوں) کے انتظام کی ذمہ دار تھی کسی سویلین افسر کے لیے حکم ہوتا تھا کہ اس کے ساتھ ملٹری آفس (فوجی دفتر) کا معائنہ کیا جائے تو اس کے حقوق ویسے ہی ہوتے تھے مذہبی لوگوں کے بھی حقوق زائد شمار ہوتے تھے تقریباً دو مہینہ تک ہم کو یہ انتظار اور تکلیف اٹھانی پڑی معلوم یہ ہوا کہ وہ روپے ہم سے لے کر فوراً برٹش بنک میں جمع کر دیئے گئے تھے اور پھر چونکہ بنکوں کو اپنا نفع ضرور حاصل کرنا چاہیے خصوصاً انگریزی بنکوں کو اس لیے اس کے حوالہ کرنے اور پہنچنے میں تاخیر کی گئی اس مدت میں جب ہم نے تقاضا زیادہ کیا تو آفس کی طرف سے قسطین (دوکان) والے کو کہدیا گیا کہ تم ان کو جن چیزوں کی ضرورت ہو دیدیا کرو ان کے روپے مل جائیں گے چنانچہ وہاں سے بھی ہم نے تقریباً ساڑھے چھ پونڈ کا سودا خریدا تھا اور بعض اور دوسرے لوگوں سے بھی قرض لینے کی نوبت آئی تھی۔ خلاصہ یہ کہ ۲۵ اپریل ۱۹۱۷ء مطابق ۴ رجب ۱۳۳۵ھ کو ہم کو فی کس دو پونڈ کے حساب سے دس پونڈ وصول ہوئے جس سے اکثر قرضہ ادا کر دیا گیا فقط۔ میجر عزت حسن بیگ کا قرضہ اس ہفتہ میں ادا نہیں کیا گیا چونکہ مالٹا میں قیمتیں چیزوں کی اس قدر گراں تھی کہ ذرا ذرا سی چیزوں میں دس بارہ شلنگ خرچ ہو جانا معمولی بات ہوتی تھی (۱ پونڈ ۲۰ شلنگ

کا ہوتا ہے) اس لیے بہت زیادہ مصاریف واقع ہوئے خصوصاً ابتداء میں اس لیے کہ آئندہ کے انتظامات کے لیے بہت ضروریات کا انتظام کرنا پڑا جیسے کہ کسی کو نیا گھر بنانا پڑتا ہے اور کچھ بدانتظامیاں بھی ناواقفیت اور نالائق واسطوں کی وجہ سے پیش آئیں ۴ شعبان تک یہ تمام مقدار (۷۷) پونڈ کی آفس سے وصول ہوگئی جو کہ مولوی عزیز گل صاحب کی تحویل میں رہتی تھی ہفتہ وار خرچ کے لیے ان سے حسب حساب لیا جاتا تھا یہ مقدار نقود کی برابر خرچ میں آتی رہی اگرچہ ہم نے بہت زیادہ کفایت شعاری سے انتظام کیا مگر گرانی اشیاء اور گوشت کے نہ ہونے اور دیگر ضروریات کی وجہ سے ہر مہینہ پانچ چھ گنی کا خرچ پڑتا ہی رہا چونکہ ہندوستان بہت دور تھا چھوٹنے کی کوئی خبر نہ تھی مقدار موجودہ تھوڑی تھی اس لیے پھونک پھونک کر قدم رکھنا پڑتا تھا غرضیکہ ابتداء ماہ جمادی الاول ۱۳۳۵ھ سے (جو کہ اگلا دن دخول مالٹا کا ہے) درمیان ربیع الاول ۱۳۳۶ھ تک ہم نے اس (۷۷) پونڈ کی مقدار کو خرچ کر ڈالا اس مدت میں ہم نے جب خرچ کی حالت یہ دیکھی اور اسارت کی نہایت (انتہا) کی کوئی اطلاع نہ پائی تو مکہ معظمہ کو لکھا کہ بقیہ ہمارے نقود جو کہ تقریباً (۴۰) پونڈ یا کچھ اس سے کم ہوتے ہیں ہمارے پاس بذریعہ حوالہ بھجوا دو چنانچہ منشی محمد حسین صاحب نے (۳۵) پونڈ نقد اور دیگر ضروری اشیاء پان چھالیا وغیرہ بذریعہ معتمد ریطانی مقیم جدہ بھجوایا جس کی صورت یہ واقع ہوئی کہ اگرچہ اولاً جدہ کی حکومت قبول نہیں کرتی تھی مگر جب ہم نے بذریعہ آفس گورنر مالٹا سے خواستگاری کی کہ ہماری ضروری پارسلیں اور نقود مکہ معظمہ سے بذریعہ معتمد بریطانی مقیم جدہ منگادی جائیں اس وقت وہاں سے حسب قاعدہ حکم کیا گیا اور ہمارے نقود وغیرہ آگئے چنانچہ ۲۴ اکتوبر ۱۹۱۷ء مطابق ۷ محرم الحرام ۱۳۳۶ھ سے یہ مقدار دو تین ہفتہ میں ہم کو وصول ہوگئی جس کو بمد امانت علیحدہ مولوی عزیز گل صاحب کے پاس رکھا گیا ۱۶ ربیع الاول ۱۳۳۶ء سے اس مقدار میں سے خرچ کرنا شروع کیا گیا اور ۱۹ جمادی الثانی

۱۳۳٦ھ مطابق ۲۸ مارچ ۱۹۱۸ء تک یعنی تقریباً تین ماہ تک اس مقدار میں سے صرف ۷ پونڈ خرچ کیا گیا اور نہایت کفایت شعاری کو کام میں لایا گیا اس کے بعد اپریل ۱۹۱۸ء سے نقد گورنمنٹ کی طرف سے مقرر ہو گیا جس کی تفصیل کا آئندہ ذکر کیا جائے گا۔

مسٹر سیدار اور ڈاکٹر کی علیحدگی:

مسٹر سیدار اور ڈاکٹر غلام محمد جیسا کہ میں پہلے ذکر کر چکا ہوں ہمارے ساتھ ہی روگیٹ کیمپ سے عرب کیمپ کے کمرہ میں آگئے تھے مگر چونکہ ہم سب تو حضرت مولانا کے زیر اثر تھے اگر خلاف طبائع امور پیش آتے تھے تو ہم پر قوت حاکمہ اور جامعہ موجود تھی مگر ان دونوں کی وہ حالت نہ تھی کچھ ہی دنوں کے بعد رفقاء میں خلاف طبع امور ظاہر ہونے سے کشیدگیاں پیدا ہو گئیں ہم نے ہر طرح اصلاح کی کوشش کی ان دونوں حضرات کو مصاریف زائدہ کی گرانباری کا بھی تحمل نہ کیا خدمات وغیرہ میں بھی حتی الوسع ان کی خبر گیری اور ہمدردی پوری طرح کی گئی مگر آخر کار کوئی نتیجہ نہ ہوا ماہ رمضان ۱۳۳۵ھ مطابق اوائل جولائی ۱۷ھ میں مسٹر سیدار علیحدہ ہو کر روگیٹ کیمپ کو چلا گیا اور پھر ڈاکٹر غلام محمد ماہ اکتوبر ۱۷ء مطابق اواخر ذی الحجہ ۳۵ھ میں روگیٹ کیمپ میں چلے گئے۔

علی بیک کا واقعہ:

ہمارے مالٹا پہنچنے سے پہلے ترکی کے دو افسروں میں کچھ اختلاف روگیٹ کیمپ واقع ہوئے یہ دونوں ترکی گورنمنٹ کے مجرم تھے اور فرار ہو کر مصر میں موجود تھے کہ اعلان جنگ ہوا حکومت انگریزی نے دونوں کو مع دیگر اسراء کے یہاں مالٹا میں بھیج دیا تھا علی بیک ترکی حکومت میں یوزباشی (کپتان) فوجی تھا اور دوسرا ڈاکٹر تھا۔ ایک شب دونوں میں سخت ناچاقی ہوئی شب میں سوتے ہوئے علی بیک نے ڈاکٹر پر حملہ کیا اور چھری سے سخت زخمی کر دیا

ڈاکٹر کو ہسپتال پہنچایا گیا اور علی بیگ کو قید خانہ میں پہنچا دیا گیا ڈاکٹر کو ایسا زخم کاری لگا تھا کہ وہ جانبر نہ ہوسکا مقدمہ قائم کیا گیا حکام نے اس کی نسبت پھانسی کا فیصلہ کیا ٹرکی گورنمنٹ کو حسب قاعدہ خبر کی گئی وہاں سے بھی اجازت آگئی آخر کار علی بیگ مرحوم کے لیے پھانسی کی تاریخ مقرر ہوگئی جبکہ اس کی تاریخ کو تقریباً ڈیڑھ ماہ باقی تھا ہم سب مالٹا پہنچے حضرت مولانا مرحوم کے تقدس کی خبر اس کو پہنچی اس نے وہیں جیل خانہ میں درخواست کی کہ میں مولانا سے ملنا چاہتا ہوں غالباً یہ درخواست اس کی پھانسی سے پانچ چھ دن پہلے ہوئی تھی چنانچہ آفس نے مولانا کو موٹر پر وہاں پہنچایا یہ شخص چونکہ اصلی باشندہ ٹونس یا الجیریا کا تھا اس لیے عربی زبان خوب جانتا تھا اس نے مولانا مرحوم سے باتیں کیں اور بہت زیادہ گرویدہ ہوگیا دوسرے دن پھر طلب کیا اور مجھ کو (کاتب الحروف) کو بھی طلب کیا اور اپنی وصیتوں میں لکھا کہ مولانا میری پھانسی کے وقت میں بھی موجود رہیں اور میرا دفن کفن نماز جنازہ وغیرہ سب مولانا فرمائیں۔ اگرچہ مولانا مرحوم کو ان امور سے کوئی سابقہ خاص طور سے نہ پڑا تھا اور نہ ان کو ایسی باتوں سے دلچسپی تھی مگر اس وقت میں اس کے سامنے انکار کرنا بھی غیر مناسب معلوم ہوا اس کے علاوہ کاتب الحروف) اور مولانا مرحوم کے اور بھی مصر اور ٹرکی کے بعض آدمیوں کو اپنی تکفین وغیرہ کے لئے طلب کیا تھا۔ چنانچہ پھانسی کے دن صبح صادق کے وقت ہم سبھوں کو آپس میں لے گئے وہیں ہم سبھوں نے نمازِ فجر ادا کی اور پھر موٹر میں قید خانہ میں پہنچے۔ تقریباً سات یا آٹھ بجے پھانسی کا وقت آگیا وہاں ہی سبھوں کے لئے چائے حاضر کی گئی تھی۔ سبھوں نے اور خود علی بیگ نے بھی چائے پی اور پھر کچھ وصیتیں کیں اور جب وقت پھانسی کا آگیا اور اس کو ہتھکڑیاں پہنائی گئیں اس وقت اس نے مولانا سے درخواست کی کہ آپ میرے ساتھ پھانسی کے چبوترہ اور تختہ تک رہیں چنانچہ اس نے مولانا کے ہاتھ پکڑ لئے اور پھانسی کے تختہ تک برابر لے گیا باقی لوگ سب کے سب چبوترہ کے

نیچے کھڑے تھے۔ جب اس کو تختہ پر کھڑا کیا گیا تب اس نے ہاتھ چھوڑا' مولانا مرحوم اس کے قریب وہاں ہی رہے اسی دم اس کو حلقہ پھانسی کا پہنا دیا گیا اس نے کلماتِ شہادت ادا کئے اور تختہ ہٹا دیا گیا اس کے بعد سب لوگ باہر کر دیئے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد مرحوم کی نعش لکڑی کے صندوق میں لائی گئی اور ایک خاص گاڑی میں جو اسی نعش کے ڈھونے کے لئے گھوڑوں کی وہاں ہوتی ہے رکھ دی گئی اور ہم سبھوں کو موٹر میں زیرِ حراست قبرستان اسلام میں پہنچا دیا گیا۔

اسلامی قبرستان:

سلطان عبدالعزیز خاں مرحوم نے مالٹا میں اس وجہ سے کہ اب اس میں کوئی اسلامی مقبرہ نہیں رہا تھا اور لوگ اسلامی مذہب کے وہاں مرتے تھے کیونکہ وہ ایک جہازوں کا مرکز ہے بعض مسلمان تاجر بھی وہاں رہتے ہیں۔ جہازوں میں بعض مسلمان مریض ہوتے اور وہاں برائے مداوت (علاج معالجہ کے لیے) اتار دیئے جاتے ہیں۔ پھر ان میں سے بعض مر بھی جاتے ہیں۔ بعض جہازوں کے مردے بھی وہاں اتار دیئے جاتے ہیں۔ ایک بڑا قطعہ زمین کا برٹش گورنمنٹ سے خرید کر یا بلا قیمت لے کر اس کا بڑا احاطہ اور حسب ضرورت اس میں تعمیر بنوائی ہے۔ تعمیر فقط احاطہ کے آخری حصہ میں ہے جس میں ایک طرف کے حصہ میں غسل دینے کا سفید پتھر کا چبوترہ بنا ہوا ہے اور دیگر ضروریاتِ غسل بھی وہاں مہیا ہیں اور دوسرے سامنے کے کمرہ میں بعض ضروریات نمازِ جنازہ و فرش وغیرہ رکھے ہوئے۔ بیچ کا دالان نمازِ جنازہ کے لئے ہے دروازہ کے پاس ایک کونہ میں اس قبرستان کا محافظ ایک عیسائی مع اپنے اہل وعیال کے رہتا ہے جو ٹرکی حکومت کی طرف سے تنخواہ پاتا ہے۔ قبروں کا کھودنا اور غسل کے لئے پانی وغیرہ حاضر کرنا اس کا منصبی فریضہ ہے چونکہ مالٹا میں کوئی مسلمان نہیں دو ایک باہر کے تجارت کرنے والے اگر ہیں بھی تو وہ ایسے کاروبار نہیں کر سکتے اس لئے بطور مجبوری اس کام کے لئے عیسائی کو رکھنا پڑا۔ ٹرکی حکومت کی

طرف سے ہمیشہ ایک عالم امام یہاں رہتا ہے جو کہ اپنے ہاتھ سے ہر مسلمان مردہ کی تجہیز و تکفین غسل اور جنازہ وغیرہ کے فرائض کو ادا کرتا ہے وہ ایک بڑی تنخواہ ترکی گورنمنٹ کی طرف سے پاتا ہے اس کی جائے قیام ترکی سفیر کا بنگلہ ہے۔ جب کوئی مسلمان مرتا ہے تو گورنمنٹ مالٹا کی طرف سے اس کو اطلاع دی جاتی ہے وہ گورکن (قبر بنانے والے) کو اطلاع دیتا ہے اور حسب قاعدہ شرعیہ عمل کرتا ہے گورنمنٹ مالٹا کی طرف سے بھی اس کو ایک پونڈ فی کس ملتا ہے اور غالباً گورکن کو بھی کچھ ملتا ہے۔ ایام جنگ میں وہاں کے امام جلال الدین آفندی دیار بکری تھے۔ سفیر تو حسب قاعدہ اعلان جنگ سے پہلے ہی چلا گیا تھا مگر امام موصوف کو انگریزوں نے پکڑ لیا اور اسیر کو رہا کر دیا گیا بدیں حیلہ کہ ترکوں نے ہماری ایک عورت کو اسیر کر لیا ہے۔ اس لیے ہم اس کے بدلہ میں تم کو بھی اسیر کرتے ہیں سنا گیا ہے کہ اسی قسم کا انتظام خلافت ترکی کی طرف سے یورپ کے جملہ ان مقامات میں ہے جہاں مسلمانوں کی آمد و رفت ہو یا سفراء دول (ملکوں کے مسافر) وہاں رہتے ہوں جیسے لندن پیرس مارسیلیا وغیرہ وغیرہ ہمارے قبرستان میں پہنچنے کے بعد ہی تھوڑی دیر میں جنازہ پہنچا اسی وقت پانی وغیرہ منگایا گیا موجودہ لوگوں میں سے ایسے لوگ نہ تھے جن کو قواعد شرعی کے موافق غسل دینے کی نوبت آچکی ہو اس لیے کاتب الحروف نے اس طرف توجہ کرنی ضروری سمجھی اور شیخ عبدالحمید مصری اور علی آفندی فہمی وغیرہ کو معین لے کر مرحوم کو غسل دے کر کفنایا حضرت مولانا نے نماز پڑھائی اور دفن کر کے واپس ہوئے۔

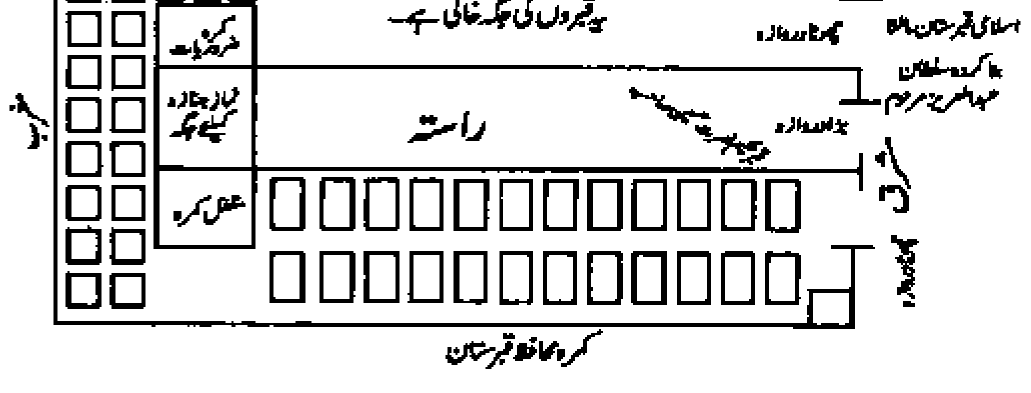
یہ قبروں کی جگہ خالی ہے
چھوٹا دروازہ
اسلامی قبرستان مالٹا
بنا کردہ سلطان عبدالعزیز مرحوم
کمرہ ضروریات
نماز جنازہ کیلئے جگہ
راستہ
بڑا دروازہ
غسل کمرہ
کمرہ محافظ قبرستان

قبرستان کا پڑا ہوا نقشہ تقریباً بصورت مذکورہ ہے مگر چونکہ رخ قبلہ کا ذرا ٹیڑھا ہے اس لیے قبر میں عمارت کے لحاظ سے ذرا ٹیڑھی بنائی جاتی ہے حضرت مولانا کو علی بیگ مرحوم کا خیال رہتا تھا اس کے بعد جب کبھی قبرستان میں جانا ہوا ہے تو اس کی قبر پر ضرور جاتے اور کچھ پڑھتے تھے۔

مولانا کی مراعات کا حکم:

غالباً ستمبر یا اکتوبر ۱۷ء میں ایک روز مولانا کو آفس میں بلایا گیا اور کمانڈار نے کہا کہ ہمارے پاس آپ کے لیے خاص طور سے حکم آیا ہے کہ آپ کی خاطر داری غایت درجہ کریں اور جو مراعات اور حقوق فوجی کپتان کے کیے جاتے ہیں وہ آپ کے ساتھ ملحوظ ہوں اس لیے ہم آئندہ ان کا اہتمام کریں گے مگر آپ کو کوئی ضرورت یا شکایت ہو تو بیان فرمائیے مولانا مرحوم نے فرمایا کہ میں کیمپ میں جا کر کل کو لکھ کر بھیجوں گا اس نے کہا کہ اپنے قیام کے لئے جس کیمپ اور جس کمرہ کو آپ چاہیں پسند فرمائیں ہم وہاں انتظام کر دیں گے مولانا مرحوم نے فرمایا کہ میں اسی کیمپ ہی میں رہنا پسند کرتا ہوں میں یہاں سے دوسری جگہ جانا نہیں چاہتا اس نے کہا کہ وردالہ اور ودال فرشہ میں اچھے اور آرام کے مکانات ہیں مولانا نے فرمایا کہ میرے لیے پیشاب کی سخت تکلیف ہے اس کا کوئی انتظام کر دیجئے باقی امور کو میں کل لکھوں گا۔

عرب کیمپ کو پسند کرنے کی وجہ:

مولانا مرحوم کا طبعی مزاج تھا کہ وہ غرباء اور معمولی آدمیوں میں رہنا پسند فرماتے تھے اور اپنی عادت' لباس۔ چال۔ معاملات وغیرہ اسی قسم کا رکھنا چاہتے تھے اہل دنیا اور امراء اور تکلف والوں سے گھبراتے تھے طالب علموں سے بے حد انس تھا ریل میں تیسرے

درجہ میں سفر کرنا پسند فرماتے تھے مگر بایں ہمہ طبیعت میں صفائی بھی بہت زیادہ تھی سفر میں عموماً کافور ساتھ رکھتے تھے کیونکہ بہت سے میلے کچیلے آدمیوں کی بدبو سے سخت تکلیف ہوتی تھی عطر اور وہ بھی گلاب کا نہایت ہی مرغوب تھا سادگی اور سادہ لوگوں سے میل ملاپ اور ان سے مجالست (ہم نشینی) نہایت زیادہ محبوب تھی اپنے آپ کو بنانا وضعداری تکلف سے طبعی نفرت تھی بارہا حضرت مولانا نانوتویؒ کا مقولہ نقل فرمایا کرتے تھے کہ عوام الناس کا پائخانہ (قضاء حاجت کی جگہ) بھی برکت والا ہے یعنی وہ پائخانے جو خواص اور امراء کے لیے بنائے جاتے ہیں اگرچہ وہ صاف اور ستھرے اور بدبو سے منزہ (صاف) بہت زیادہ ہوتے ہیں مگر ان میں نحوست اور خرابی ہوتی ہے بخلاف عوام کے پائخانوں کے حقیقت یہ ہے کہ نفس کو اپنی تعلّی (بڑائی) مرغوب ہے وہ اپنی رفعت اور برائی کا از حد خواہاں اور یہی تمام برائیوں اور دنیا و آخرت کی سیاہ رویوں کی جڑ ہے اس لیے اہل اللہ اور روحانی کامل حضرات جن امور میں تھوڑی سی بھی نفس کی تعلّی (بڑائی) اور اس کا تمیز احساس کرتے ہیں اس کو برائی کی نظر سے دیکھتے ہیں اور جس میں کسر نفسی (عاجزی) اور ذلت ظاہری نظر آتی ہے اس کو محبوب رکھتے ہیں ظاہری بدبو اور کثافت مادی معنوی بدبو اور کثافت روحانی کے مقابلہ میں کوئی چیز نہیں اور نہ کوئی ہستی رکھتی ہے۔ امراء کا پائخانہ نفس میں عجب اور رعونت پیدا کرتا ہے اور عوام الناس کا پائخانہ اس کو نہیں پیدا کرتا بلکہ برخلاف اس کے تواضع اور نفس کی حقارت دکھلاتا ہے اور انسانوں کو قدرے اپنی حالت اور نجاست کو بھی یاد دلاتا ہے جب کہ پائخانہ کی یہ حالت ہے تو دوسرے اوضاع اطوار مکانات البسہ (لباس) وغیرہ کو اسی پر قیاس فرما لیجئے فرماتے تھے کہ فقہا نے حوض سے وضو کرنے کو افضل لکھا ہے شراح فرماتے ہیں کہ اس کی وجہ ہے کہ معتزلہ کا خلاف ہو اور ان کی دل شکنی کی جائے مگر کہیں منقول نہیں کہ معتزلہ نے حوض سے وضو کرنے پر کسی قسم کا انکار کیا ہو میری سمجھ میں تو یہ آتا ہے کہ نفس کی اصلاح

اس میں بہت زیادہ ہوتی ہے اور اس پر نہایت شاق (مشکل) بھی گزرتا ہے کیونکہ ایک ہی جگہ سے ایک شخص پاؤں دھوتا ہے دوسرا آتا ہے اور اسی پانی کو منہ میں اور ناک میں ڈالتا اور اس سے چہرہ کو دھوتا ہے اس لیے نفس امارہ والے اور بڑے بڑے دنیا دار اس سے وضو کرنے میں اپنی ہتک اور بے عزتی سمجھیں گے غالباً حوض میں وضو کرنا اسی بنا پر نہایت افضل ہے واقفیت تو یہ ہے کہ یہ دونوں استاد شاگرد یعنی حضرت مولانا نانوتوی قدس اللہ سرہ العزیز اور حضرت مولانا شیخ الہند رحمۃ اللہ اس بات کی تلاش میں رہتے تھے کہ کس بات میں فروتنی ،نفس کشی، خمول، تواضع، انکساری ہوتی ہے اس کے لیے از حد کوشاں ہوتے تھے اور جس چیز میں رعونت (غرور) جاہ طلبی، نفس پرستی، شہرت، تعلّی خود داری ہوتی تھی اس سے کوسوں بھاگنے کی فکریں کرتے تھے پھر یہ نہ تھا کہ عام قاعدہ کے موافق زبانی اور ظاہری جمع خرچ ہو یوں تو ہم سبھوں کی حالت ہے کہ اپنے آپ کو زبان سے کمترین خلائق سگ دنیا، ذرہ بے مقدار، نابکار، ننگ خلائق وغیرہ کہتے رہتے ہیں اور لکھتے بھی ہیں مگر یہ سب کارروائی منافقانہ اور ریاکاری کی بنا پر ہوتی ہے قلب میں اس کا ذرا بھی اثر نہیں ہوتا بلکہ اس کے برعکس یہی خیال دل میں جاگزیں ہوتا ہے کہ ہمچو من دیگرے نیست (ہم جیسا تو دوسرا ہے ہی نہیں) اور اسی وجہ سے دوسروں کی عیب جوئی ان کی نکتہ چینی غیبت وغیرہ ہوتی رہتی ہے۔ کسی اپنے معاصرہ کی بلکہ بسا اوقات اپنے سے پہلوں کی کوئی بھلائی سن لیتے ہیں تو بدن میں آگ سی لگ جاتی ہے اور طرح طرح سے اس میں عیب نکالے جاتے ہیں کوشش کی جاتی ہے کہ یہ شخص لوگوں کی نظروں سے ساقط ہو جائے اگر کوئی ہم کو جاہل، نالائق، احمق، گدھا کتا سور وغیرہ کہہ دیتا ہے تو آگ بگولا ہو جاتے ہیں اگر ہم کمترین خلائق کہنے میں سچے تھے تو گدھا کتا وغیرہ کہنے سے کیوں برا مانتے ہیں آخر خلائق میں سے تو وہ بھی ہے۔

الغرض مولانا نے اپنے نفس کو ریاضتوں وغیرہ سے اس طرح مہذب بنا لیا تھا کہ

صادقین کے زمرہ شریفہ میں داخل ہو کر منصب عظیم حاصل کر لیا تھا ان کی یہ فروتنی کسر نفسی حالی تھی قالی (دکھاوے کی باتیں) نہ تھی ان کا قلب اسی بات کو دیکھتا تھا جس کو ان کی زبان اور آنکھ ظاہر کر رہی تھی وہ اپنے آپ کو واقع میں ایک معمولی مخلوق اور ایک ادنیٰ درجہ کا انسان دیکھتے تھے مجھ کو اس وقت مولانا عبدالصمد مرحوم مدرس دارالعلوم دیوبند کا مقولہ یاد آتا ہے وہ مولانا مرحوم کی شان میں فرمایا کرتے تھے کہ غالباً اس شخص کے دل پر کبھی خطرہ بھی نہیں گزرتا ہے کہ میں کوئی چیز یا عالم ہوں جن لوگوں نے مولانا کے احوال اور ان کی لائف پر تھوڑی سی بھی نظر ڈالی ہوگی وہ اس کو صحیح اور واقعی بات سمجھیں گے وہ ہر ایک کو اپنے سے بڑا اور افضل دیکھتے اور ایسا ہی اس سے معاملہ کرتے تھے یہ حالت ان کی طبیعت بن گئی تھی جس میں ذرا بھی تکلف کرنا نہ پڑتا تھا۔

الحاصل یہ شام کے عرب لوگ چونکہ اہل منصب نہ تھے اہل مال نہ تھے اہل علم نہ تھے بلکہ عوام الناس میں سے تھے مگر قلوب میں ان کے ایمان تھا دماغ میں ان کے انکساری تھی سینہ میں ان کے اسلام کا روشن چراغ تھا ان کے جگر میں سادگی اور مذہبی درد تھا اس لیے مولانا مرحوم کو ان کے ساتھ زندگی بسر کرنا لاکھوں اور کروڑوں اصحاب منصب و دولت کے ساتھ بسر کرنے اور کروڑوں سامان راحت جسمانی سے زیادہ تر محبوب اور پسند تھا یہاں پر روحانی راحت تھی یہاں پر کوئی تکلف کی حاجت نہ تھی یہاں پر جماعت اور نماز کی پابندی تھی ان لوگوں کو جو نصیحت کی جاتی تھی دل و جان سے قبول کر لیتے تھے اور شریعت کی پابندی کی کوشش کرتے تھے اس خواہش میں رہتے تھے کہ ہم کو کوئی خدا اور رسول کا حکم اور فرمان معلوم ہو جائے کہ ایمان تازہ ہو پھر اس کیمپ میں اگرچہ نیچے کے درجہ والوں میں رہنا ہوتا تھا مگر کوئی غیر مسلم نہ تھا کیمپ بھی ایک طرف کو علیحدہ واقع تھا ہر چیز ہم نہایت آزادی سے اسلامی طریقہ پر علانیہ کر سکتے تھے مولانا نے اپنے تشریف لانے کے بعد ہم خدام سے بیان فرمایا

www.shiahaq.org

اور حکم کیا کہ جن چیزوں کی حاجت ہو اور مناسب معلوم ہو اس کو لکھو۔ اس لیے ہم نے اگلے دن ایک مفصل عرضی لکھی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ ہم گرم ملک کے رہنے والے ہیں مالٹا نہایت سرد جگہ ہے جس طرح اہل یورپ کو وسط افریقہ کی گرمی ستاتی اور امراض پیدا کرتی ہے اسی طرح ہم لوگوں کو ان سرد ملکوں کی آب و ہوا مناسب نہیں ہوتی (میں مولانا) چونکہ ضعیف العمر ہوں اور مختلف امراض مزمنہ میں مبتلا بھی ہوں ہمیشہ وطن میں باوجود گرم ملک ہونے کے سردی سے مجھ کو بہت زیادہ ضرر پہنچتا تھا اس لیے میں مالٹا کی تکلیف کا متحمل نہیں ہو سکتا ہمیشہ مجھ کو اپنی اور اپنے رفقاء کی نسبت یہی خوف رہتا ہے کہ یہاں کی نہایت سرد ہوا سے کسی سخت بیماری کا سامنا نہ ہو جائے اس لیے ضروری ہے جب کہ میں کسی قسم کا واقع میں مجرم نہیں ہوں تو جلد آزاد کر دیا جاؤں اور اگر یہ منظور نہیں ہے تو کم از کم اتنا تو ضرور ہو جائے کہ مجھ کو اسارت ہی میں رکھا جائے مگر اپنے وطن ملک ہندوستان میں منتقل کر دیا جاؤں اور اگر یہ بھی نہیں کیا جاتا تو اتنا تو کر دیا جائے کہ مصر کے ان شہروں میں مجھ کو رکھا جائے جہاں پر سردی زیادہ نہیں ہوتی تا کہ اسلامی شہر اور گرم ملک ہونے کی بناء پر مجھ کو مختلف تکالیف کا سامنا نہ ہو مجھ کو اور میرے رفقاء کو کھانے کی سخت تکلیف ہے ہم گوشت کھانے کے عادی ہیں جس پر طبی حیثیت سے بھی مدار زندگانی شمار کیا جاتا ہے مگر موجودہ گوشت ہمارے مذہب کے بالکل خلاف ہے مالٹا سے اگرچہ زندہ حیوان منگانے کی ہم کو اجازت دیدی گئی ہے مگر وہ اس قدر گراں ہے کہ ہمارا موجودہ سرمایہ بہت احتیاط سے صرف کرنے میں بھی اکثر خرچ ہو گیا علاوہ اس کے دیگر اشیاء بھی ہماری طبیعت اور عادت کے موافق جس پر ہمارا نشو ونما ہوا ہے یہاں پر میسر نہیں ہوتیں لباس جو اسراء کو ملتا ہے اس سے بھی ہم نفع نہیں اٹھا سکتے کیونکہ وہ ہماری وضع کے بالکل مخالف ہے ہم کو ایک سال سے زیادہ ہو چکا ہے فقط دو تین چیزیں ضروری لی ہیں اب تک ہم اپنا لباس جو ہمارے ساتھ تھا استعمال کرتے رہے مگر وہ اب پرانا

ہو گیا ہے اس لیے اس کا انتظام ہونا چاہیے ہم کو اس مکان سے بدل کر دوسرے کیمپ میں جانے کی ہرگز خواہش نہیں مگر البتہ ہم کو جو تکالیف ہیں انکا دفعیہ کر دیا جائے یعنی پیشاب وغیرہ کے لیے کوئی قریب جگہ ہم کو بالفعل بنوادی جائے اور ہماری آزادی یا انتقال مکانی کے لیے بہت جلد کوئی صورت پیدا کر دی جائے اس عرضی کو عربی اور انگریزی میں لکھوا کر کمانڈار کے پاس بھجوا دیا گیا اس سے دو ہی ایک دن پہلے یہ بھی واقعہ ہوا تھا کہ ڈاکٹر نے بلا کر مولانا سے ان کی صحت وغیرہ کی نسبت پوچھا تھا اور کہا تھا کہ گورنمنٹ ہند سے حکم آیا ہے کہ آپ کی صحت کی تحقیقات کر کے میں اس کو اطلاع دوں اس سے بھی یہی امور کہہ دیے گئے تھے۔

اس عرضی کے بعد فقط اتنا معاملہ ہوا کہ ایک لوہے کا پلنگ اور ذرا بڑھیا گدا مولانا کے لیے آیا اور ایک کوٹھڑی میں جس کا میں نشان پہلے دے چکا ہوں پیشاب کے لیے بالٹی اور چوکی رکھوادی گئی جس میں شب کو مولاناؒ اور دوسرے ہمسایہ پیشاب کرتے تھے باقی امور کی طرف ادنی توجہ بھی نہ کی گئی۔

مسٹر برن کی آمد:

اس واقعہ کے دو تین ماہ کے بعد اواخر جنوری یا ابتداء فروری ۱۹۱۸ء میں ایک روز ہم سب صبح کو آفس میں بلائے گئے ہم کو کوئی خبر پہلے سے نہ تھی ہم دفتر میں ایک طرف کرسیوں پر بٹھا دیئے گئے کچھ عرصہ کے بعد کمانڈار اور اس کے ساتھ ایک بڈھا انگریز دونوں آئے اور مولانا اور ہم سبھوں سے ہاتھ ملا کر بیٹھ گئے اس بڈھے نے اردو میں باتیں کرنی اور مزاج پرسی وغیرہ شروع کر دی مولوی عزیز گل صاحب نے خیال کیا کہ یہ سنسر ہے اس دفتر میں ملازم ہو کر آیا ہے اس نے جب خطوط اور پارسلوں وغیرہ کی نسبت سوال کیا تو انہوں نے نہایت بے رخی سے کہا کہ آپ ہم سے کیا پوچھتے ہیں اپنے دفتر میں دیکھ لیجئے اور اسی طرح اور بھی کچھ اکھڑی اکھڑی باتیں کیں اس نے کہا کہ آپ عزیز گل ہیں ان کو اس

وقت ان کا تعجب بھی ہوا اور پھر غالباً ان کے مسکن شہر وغیرہ کا بھی ذکر کیا اس وقت ان کا تعجب کچھ زیادہ ہوا اس نے اپنا ہندوستان سے آنا اور انگلستان کا قصد کرنا بیان کیا اور تھوڑی دیر باتیں کر کے رخصت کر دیا مگر حکیم نصرت حسین صاحب مرحوم کو روک لیا اور دوسرے کمرہ میں لے جا کر ان سے بہت دیر تک باتیں کرتا رہا اور کچھ بیان قلم بند کیا اس کا بہنوئی ضلع فتح پورہ ہسوہ میں کلکٹر تھا اس لیے حکیم صاحب موصوف اس کے بہنوئی سے بوجہ زمینداری واقفیت بھی رکھتے تھے اس کو بھی تقریب کا موقع اس وجہ سے ملا اس نے انہی باتوں کے متعلق پوچھا جن کا ذکر مصر کے اظہار میں آیا تھا مگر اختصار کے ساتھ البتہ حکیم صاحب سے ان کے ضلع اور زمینداری اور ہندوستان کے احوال کے متعلق بہت کچھ باتیں کیں اور اپنے عہدوں کے متعلق بیان کیا اور یہ کہ وہ بالفعل گورنر یوپی سرمشٹن کا سیکرٹری ہے کچھ عرصہ کی رخصت لے کر انگلستان کو جا رہا ہے جب حکیم صاحب وہاں سے واپس ہوئے تب حقیقت کی اطلاع ہوئی شام کو دو بجے کے بعد مولانا مرحوم کو بلایا اور انہی معمولی باتوں کی نسبت پوچھا جن کا ذکر مصر میں مولانا سے ہو چکا تھا مولانا نے اسی قسم کے جواب دیئے۔ البتہ نئی بات اس نے ہندوستان کی نسبت دریافت کی اس نے کہا کہ ہندوستان دارالحرب ہے یا دارالاسلام۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ علماء نے اس میں آپس میں اختلاف کیا ہے اس نے کہا کہ آپ کی رائے کیا ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ میرے نزدیک دونوں صحیح کہتے ہیں اس نے تعجب سے کہا کہ یہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ دارالحرب دو معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے اور حقیقت میں یہ دونوں اس کے درجات ہیں جن کے احکام جدا جدا ہیں ایک معنی کی حیثیت سے اس کو دارالحرب کہہ سکتے ہیں۔ اور دوسرے کے اعتبار سے نہیں کہہ سکتے اس نے اس کی تفصیل پوچھی۔ مولانا نے فرمایا کہ دارالحرب اس ملک کو کہتے ہیں جس میں کافروں کی حکومت ہو اور وہ اس قدر با اقتدار ہوں کہ جو حکم چاہیں جاری کریں اس

نے کہا کہ یہ بات تو ہندوستان میں موجود ہے مولانا نے فرمایا کہ ہاں اس لئے ہندوستان ضرور دار الحرب ہے اس نے کہا کہ دوسرے معنی کیا ہیں مولانا نے فرمایا کہ جس میں اعلانیہ طور پر شعائر اسلام اور احکام اسلامیہ کے ادا کرنے کی ممانعت کی جاتی ہو۔ یہ وہ دار الحرب ہے کہ جہاں سے ہجرت واجب ہو جاتی ہے (اگر استطاعتِ اصلاح (درستگی کی طاقت) نہ ہو) اس نے کہا کہ یہ بات تو ہندوستان میں نہیں۔ مولانا نے فرمایا کہ ہاں جس نے دار الحرب کہنے سے احتراز کیا غالباً اس نے اسی کا خیال کیا ہے وہ چپ سا ہو گیا اور لکھ لیا۔ علاوہ اس کے اس نے وہاں (مالٹا) کی کیفیت وغیرہ دریافت کی مولانا نے وہاں کی سردی وغیرہ کا ذکر فرمایا۔ اس نے مزاجی حالت دریافت کی اور یہ کہا کہ یہاں کی ہوا سے آپ کی صحت پر کیسا اثر ہے اسکی نسبت بھی مولانا نے مختصر کیفیت تحائف ہوا اور موسم اور اپنی سن رسیدگی اور ضعیف العمری کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر مجھ کو قید رکھنا ہے یا نظر بند رکھنا ہے تو ہندوستان میں پہنچا کر یا دیو بند میں رکھ کر جس قدر چاہو مجھ پر چوکی پہرے مقرر کر دو یا وہاں ہی کسی دوسرے مقام پر نظر بند کر دو مگر یہاں کی موجودہ حالت تو طبی اور میری صحت کی حیثیت سے کسی طرح موزوں نہیں اس نے ان سب باتوں کو لکھ لیا۔

اس طرح روزانہ صبح و شام اور دوسروں کے بیانات لئے میں (کاتب الحروف) نے حسب عادت اس بیان میں بھی آسمان کے قلابے ملائے اور پھر مالٹا کی غذاؤں اور سامان رسد اور آب و ہوا اور موسم اور کپڑوں کی نسبت تو بہت ہی شکایتیں کیں۔ اور پھر یہ بھی کہا کہ ہم کو تقریباً ڈیڑھ ہزار روپیہ فقط اپنی جیب سے خرچ کرنا پڑا ہے ہمارا نقد بالکل ختم ہونے پر آ گیا ہے ہر چند ہم کفایت شعاری کرتے ہیں مگر اخراجات کی کثرت اور عدم موافقت غذا وغیرہ سے ہم کو یہاں سخت تکلیف ہے اور نہایت افسوس ظاہر کیا کہ گورنمنٹ نے ہمارے ساتھ یہاں بھیج کر اس قدر تو ظالمانہ سلوک کر ہی رکھا ہے اور پھر بھی ہماری

www.alehaq.org

ضروریات اور صحت طبعی کی طرف ادنیٰ درجہ کی بھی خبر گیری نہیں کرتی۔ ہمارے ساتھ مصری قید ہیں گورنمنٹ مصران کے اہل وعیال کے لئے دس دس بارہ بارہ پونڈ اور بعضوں کے لئے اس سے بھی زیادہ ماہوار خرچ دیتی ہے ان میں سے بہتوں کے لئے یہاں پر بھی خرچ آتا ہے۔ میرے بھائی ٹرکی کے یہاں اڈریانوپل میں نظر بند ہیں مگران کو چھ چھ پونڈ ماہوار ٹرکی حکومت دے رہی ہے ان کو قلعہ میں رکھ رکھا ہے دن بھر تمام شہر اور ملحقات شہر میں پھرنے کی اجازت ہے۔ فقط شہر سے دوسری جگہ سفر کرنے کی اجازت نہیں اہل وعیال کی بھی اجازت ہے اور جب سے اہل وعیال ان کے پاس آگئے ہیں۔ جب سے ہر ایک عورت اور بچے کی بھی اسی حساب سے تنخواہ مقرر ہوگئی ہے اس نے اس کی تصدیق سے انکار کیا میں بھائی صاحب کے خط کو (جو کہ اڈریانوپل سے کچھ ہی عرصہ پہلے آیا تھا) لے گیا تھا اس کو جیب سے نکال کر دکھلانا چاہا اور کہا کہ دیکھئے اس خط میں عربی میں یہ صاف لکھا ہوا ہے اس نے عربی جاننے سے انکار کیا اور کہنے لگا کہ انہوں نے اپنے افیسر کے اثر سے یہ لکھ دیا ہوگا حقیقت یہ ہے کہ بقول شاعر **اذا ساء فعل المرء ساء ت ظنونه** (جب آدمی کے اعمال بد ہوتے ہیں تو اس کے خیالات دوسروں کے ساتھ بھی ویسے ہی برے ہوتے ہیں) برٹش گورنمنٹ اپنے ہی جیسا سبھوں کو سمجھتی ہے کہنے لگا کہ وہ تو کھانے کو نہیں دے سکتے ہمارے اسیروں کے ساتھ ایسا اور ایسا برتاؤ انہوں نے کر رکھا ہے اور اس قدر آدمی وہاں مر گئے ہیں میں نے کہا کہ یہ خبر غیر واقعی آپ کو پہنچی ہے۔ یہاں پر خطوط وہاں سے لوگوں کے آرہے ہیں ٹائمز میں لندن سے انگریزی اسراء کے احوال خطوط وغیرہ سے چھپ کر آچکے ہیں وہ نہایت شکریہ کے الفاظ لکھتے ہیں وہاں پر سیاسی اسراء تو درکنار جنگی اسراء بھی کانٹے دار تاروں میں قید کر کے نہیں رکھے گئے۔

ترکی میں اسراء کی حالت:

اور حقیقت بھی یہی تھی کہ ترکی میں جو اسراء کی رعایت اور آزادی تھی انگریزی حکومت نے اس کا آدھا تہائی بھی نہیں کیا بلکہ ابتداء جنگ میں تو برطانیہ نے ترکی اسیروں کے ساتھ جو کہ عراق وغیرہ میں پکڑے گئے تھے نہایت برا سلوک کیا افیسروں اور بڑے رتبہ والوں کے ساتھ مجرمانہ اور معمولی قیدیوں کا سا برتاؤ کیا مگر جب درۂ انیال وغیرہ میں شکستیں ہوئیں اور ان کے بھی اسیر پکڑے گئے اس وقت سے کچھ ہوش آیا اور حقوق اسارت کا خیال ہوا پہلے تو جب اسیر افیسروں نے اپنے حقوق کا حسب قوانین دول مطالبہ کیا تھا تو یہ کہتے تھے کہ تمہاری حکومت مفلس اور دو چار دن کی ہے ہم اگر تم پر خرچ کریں گے تو کس سے وصول کریں گے جو اسراء عراق ہندوستان سے مالٹا آئے تھے ان سے جملہ احوال تفصیلی معلوم ہوئے تھے۔ میری خود ان لوگوں سے ملاقات ہوئی جو کہ ترکی کے یہاں اسیر تھے پھر ان افیسروں سے ملاقات ہوئی جن کے زیر تحویل اسراء انگریزی تھے اور پھر جملہ احوال کی تفصیلی کیفیت سننے میں آئی بعض انگریز اسراء جو کہ انگلستان کے رہنے والے تھے اور ان کی ملاقات پہلے سے اشرف بیگ اور بعضے دیگر افسروں سے تھی وہ چھوٹنے کے بعد مالٹا ہوتے ہوئے انگلستان گئے تھے اور ملنے کے واسطے اسارت گاہ میں آئے تھے انہوں نے اپنے اور دیگر اسراء کے معاملات نہایت شکریہ اور استحسان کے الفاظ میں بیان کئے تھے یہ انگریز استنبول میں تجارت کرتا تھا ایام جنگ میں اسیر ہوگیا تھا اس نے مالٹا کے اسراء کی حالت دیکھ کر ترکی کے اسراء کی حالت کو بدرجہا ترجیح دی اور گورنمنٹ ترکی کی انسانیت اور ہمدردی کی بہت تعریف کی۔

برٹش گورنمنٹ نے اپنی قوت کے گھمنڈ اور اپنی سیاست کے خوف کی وجہ سے اسراء سے وہ معاملات بھی نہ کیے جو بین الدول (ملکوں کے درمیان) ہمیشہ سے مقرر چلے آتے تھے۔

یورپ کی عادت ہے کہ کمزور کو قانون کی پابندی کراتا ہے بلکہ قانون کے مجمل الفاظ کو نئے نئے معنی پہناتا ہوا حسب خواہش عمل کراتا ہے بسا اوقات انسانیت اور حقوق وعدالت کی ایسی کاروائیاں تراشتا ہے جن کا کبھی وہم وخیال بھی نہ ہوتا تھا ان کو فوق القانون قرار دیکر کمزور حکومت سے عمل درآمد کراتا ہے اور جب اپنے عمل کی باری آتی ہے اور خود میں قوت دیکھتا ہے تو سارے قانون دھرے رہ جاتے ہیں اور بے وجہ اور کبھی باوجہ تراشیدہ غیر واقعیہ انواع واقسام کے مظالم اور بے قاعدگی برتتا ہے۔

یورپ کا واقعی تمدن اصلی تہذیب حقیقی قانون نفس الامری عدل فقط قوت ہے اس کا اصلی مذہب ''جس کی لاٹھی اس کی بھینس ہے'' جو قوم غیر یوروپین اور غیر مسیحی ہو وہ اگر کمزور ہے تو ہر طرح وحشی اور غیر متمدن ہے اس کے ساتھ ہر طرح کے مظالم جائز ہیں۔ پھر اس پر طرہ یہ ہے کہ نئی نئی منطقیں گھڑ کر جملہ اعمال بد کو قاعدہ عدل وانصاف میں داخل کر دیتا ہے اس کے یہاں خلف وعد اور نقض عہود (وعدہ خلافی اور عہد توڑنا) کوئی عیب نہیں بلکہ کمال ہے اس کی نظروں میں جو شخص زیادہ مکار فریبی زیادہ دھوکہ دینے والا زیادہ جھوٹ بولنے والا ہے وہی زیادہ پالیٹکس اعلیٰ درجہ کا سیاسی نہایت عقل مند ہے اس کا اصل اصول ہے کہ دوسری اقوام کی مبادی زندگی لوازمات 'حیوۃ' (زندگی کی ضروریات) اسباب خوشحالی وجوہ ترقی کو اپنی قوم اپنے ملک پر قربان کرا دینا اور اس مقصود کے لئے ہر ممکن صورت کو عمل میں لانا اہم ترین فرائض اور سب سے بڑی انسانیت ہے دوسری اقوام خواہ اپنی زندگانی سے محروم ہو جائیں مگر اپنا الو سیدھا ہونا ضروری ہے اگر دیگر اقوام پر کسی درجہ میں رحم کھاتا ہے تو اسی درجہ پر ان کو باقی رکھنا چاہتا ہے کہ ذلیل وخوار ہو کر کتے کی زندگی بسر کرتے ہوئے غلامی میں سرگرم رہیں اس کی چھین کھسوٹ غربا اور کمزور طبقہ پر اغنیاء اور ذی ثروت (مال دار) طبقہ سے زیادہ ہے اس کی بھینٹوں پر چڑھنے والے دو چار نہیں ہوتے بلکہ تمام قوم اور

جملہ افراد ملک کو اس کے ہر مقصد پر نثار ہونا ضروری ہے وہ اپنی ضرورت کے وقت گدھے کو باپ بنانا لازم سمجھتا ہوا اس کو فخر کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور ضرورت کے پورے ہو جانے کے بعد طوطا چشمی کرنا اعلیٰ درجہ کی انسانیت اور کمال خیال کرتا ہے۔

اعلیٰ اور ادنی اہل سیاست اور اعلیٰ درجہ کے فوجیوں کو کانٹے دار تاروں میں بند رکھنا ان پر شب و روز سنگینی پہرے قائم کرنا ان کی جسمانی اور روحانی آزادی بالکل سلب کر دینا ان کے احوال اور مرتبہ اور عادت کے موافق سامان راحت ایام اسارت میں بہم نہ پہنچانا وغیرہ وغیرہ قانون دول (ملکی قانون) کے مطابق کسی طرح جائز نہ تھا ترکی نے حسب قوانین دول ولوازمات انسانیت بہت زیادہ حقوق دیئے مگر بدنصیب ترکی ایشیائی تھا یورپین نہ تھا۔ مسلم تھا مسیحی نہ تھا کمزور تھا قوی نہ تھا اس کی بھلائیاں بھی برائیاں ہوگئیں اس کی مراعاتیں بھی مظالم ہوگئیں اس نے دوسرے دول کے اسراء (ملکیوں کے قیدیوں) کے ساتھ وہ معاملات کئے جو کہ اپنے قومی بچوں اور شاہی فوجیوں اور افسروں کے ساتھ نہ کئے گئے مگر وہ خطاوار نکلا برٹش نے سب کچھ کیا مگر وہ سب کا سب بھلا ہی رہا مصر میں ترکی فوجیوں کے ساتھ جو کاروائیاں کی گئیں ہیں جن کو میں نے اپنے کانوں سے سنا ہے ان کو معلوم کر کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں پھر بالخصوص ارمنی ڈاکٹر ان پر رکھے جاتے تھے جن کو ایک تو پہلے سے ترکوں سے سخت دشمنی تھی ہی اور پھر بھڑکائے جاتے تھے ان کی ہر طرح امداد کی جاتی تھی پھر کچھ نہ پوچھئے کہ انہوں ترکی بے زبان سیدھے سادے مسلمان سپاہیوں پر کیا کیا مظالم ڈھائے ہیں میں جب خیال بھی کرتا ہوں تو خداوند جل وعلا کے حلم اور استغناء (بردباری اور بے پرواہی) پر تعجب ہوتا ہے میں نہیں سمجھ سکتا کہ کیوں زمین نہیں پھٹ جاتی آسمان نہیں ٹوٹ پڑتا یہ قطعہ یورپ کا کس طرح زمین پر قائم ہے یہ ظالم درندے کب تک خداوندی ڈھیل میں سرچڑھتے رہیں گے اور کب تک مخلوق خداوندی کا خون ان کی تیز وسخت کچلیوں کا

شکار بنتا رہے گا اے اللہ اپنے کمزور بندوں کا حامی اور مددگار بن اے پروردگار اپنے سچے دین اور حقیقی مذہب کی خبر گیری کرا دے خدا ہماری اصلاح فرما اور ہمارے دشمنوں کا نام و نشان روئے زمین سے اسی طرح مٹا دے جس طرح تو نے فرعونؔ ہامانؔ قارونؔ نمرودؔ شداد کا نام و نشان گم کر دیا آمین یا رب العالمین۔

میں نے مسٹر برن سے ہندوستان کے سیاسی اسراء کا حال بھی ذکر کیا کہ ہم کو معلوم ہوا ہے کہ گورنمنٹ ان کی دو دو سو اور تین تین سو ماہوار سے خبر گیری کرتی ہے اس نے اقرار کیا مگر بڑی مقداروں کا انکار کیا اس نے مولانا مرحوم سے یہ بھی کہا تھا کہ آپ اپنے اہل و عیال کی طرف سے فکر نہ فرمائیں حکیم عبدالرزاق صاحب ان کو پچاس روپے ماہوار دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ نہایت شرم کی بات انگریزی گورنمنٹ کے لیے تھی قانوناً یہ فریضہ گورنمنٹ کا تھا چنانچہ حکومت مصریہ ترکیہ وغیرہ نے اس قاعدہ کی مراعات رکھی تھی ہمارے بیانات اس نے لکھے اور کہا کہ میں ان کاغذات کو پارلیمنٹ میں پیش کروں گا میں کچھ صورت آپ لوگوں کے لیے نہیں کر سکتا پھر مولوی عزیز گل صاحب کا بھی بیان لیا اور ان سے سرحدی اخبار وغیرہ پوچھیں مگر انہوں نے حسب عادت سختی ہی سے جواب دیا اس نے جہاد کی نسبت بھی ان سے پوچھا انہوں نے جواب دیا کہ آپ مجھ کو مسلمان سمجھتے ہیں یا نہیں اس نے کہا کہ ہاں کہا کہ پھر آپ کا کیا خیال ہے کہ کوئی شخص بغیر قرآن کی تصدیق کیے ہوئے اور اس کے تمام حصوں کو مانتے ہوئے مسلمان ہو سکتا ہے اس نے کہا کہ نہیں انہوں نے کہا کہ پھر اس کے کیا معنی کہ آپ مجھ سے ایسی بات پوچھ رہے ہیں جس کو آپ خود جانتے ہیں کہ قرآن میں مذکور ہے اسی طرح کی بہت سی باتیں ہوئیں۔

* * *

حکیم نصرت حسین صاحب کی استقامت

سبھوں کے بیانات لکھنے کے بعد اس نے حکیم نصرت حسین صاحب مرحوم کو بلایا اور ادھر اُدھر کی باتوں کے بعد یہ کہا کہ میں تم پر کوئی الزام نہیں پاتا اور تم کو چھوڑ سکتا ہوں ہندوستان آپ ابھی جا سکتے ہیں اسی کے قریب ان سے بہاؤ الدین انسپکٹر سی آئی ڈی نے جدہ میں بھی کہا تھا مگر انہوں نے اس وقت بھی اکیلے چھوٹ جانے کی مخالفت کی تھی اور اب بھی کی یہ کہا کہ آپ کو سبھوں کو چھوڑنا چاہیے اس نے جواب دیا کہ یہ میرے اختیار میں نہیں مگر تمہارا امر میرے اختیار میں ہے انہوں نے کہا کہ میں مولانا کو چھوڑ کر اگر ہندوستان چلا گیا تو تمام ہندوستان والے مجھ کو کھا جائیں گے اور کہیں گے کہ تم مولانا کو پھنسوا کر اکیلے چلے آئے میں اکیلا ہرگز نہیں جانا چاہتا وہاں سے لوٹ کر جب آئے اور واقعہ بیان کیا تو مولانا نے اور ہم سبھوں نے بہت ان کو سمجھایا اور زور دیا کہ آپ ہندوستان اکیلے جانے پر راضی ہو جایئے اور چلے جایئے مگر انہوں نے ایک بھی نہ مانی مولانا مرحوم نے یہ بھی فرمایا کہ آپ وہاں جا کر ہماری خلاصی (رہائی) کی کوششیں کر سکتے ہیں مگر یہاں تو ہماری طرح سے ہاتھ پیر بندھے ہوئے پڑے ہیں مگر ان کی سمجھ میں یہ بھی نہ آیا اور پھر تیسری مرتبہ جب وہ سخت بیمار ہوئے تب بھی مولانا مرحوم نے ان کو کہا اور زور دیا کہ تم اپنی تبدیلی آب و ہوا کی درخواست دیدو انہوں نے جواب دیا کہ موت اور حیات خدا کے ہاتھ میں ہے آپ سے جدا نہیں ہو سکتا خداوند کریم ان کی مغفرت فرمائے نہایت مستقیم اور ایماندار شخص تھے۔

نقد کی بجائے رسد مقرر ہونا:

مسٹر برن نے کوشش کی کہ ان لوگوں کو روزانہ ڈیڑھ شلنگ اور مولانا مرحوم کو تین شلنگ دیا جایا کرے اور علاوہ اس کے روٹی (ہمارے اس کہنے کی وجہ سے کہ ہم روٹی نہیں پکا سکتے گورنمنٹ کی روٹی لیں گے) کوئلہ، شمع، صابن حسب عادت سابقہ ملنے کا حکم جاری کر دیا اور یہ کہا کہ ماہوار ان سے قبض الوصول پر دستخط کرا کر ہندوستان بھیج دیا کرو وہاں سے آتا رہے گا کپڑوں کے واسطے بھی اس نے کوشش کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ دنوں کے بعد ہمارے پاس کچھ نمونے کپڑوں کے بھیجے گئے کہ جن کپڑوں کو تم چاہو پسند کر لو مگر چونکہ وہ بہت ہی گھٹیا تھے مولوی عزیز گل صاحب نے ان کو واپس کر دیا اس کے کچھ عرصہ کے بعد اول سے کچھ بڑھیا نمونے آئے اس میں سے ایک نمونہ پسند کیا گیا اور اس سے ہر ایک کے لیے ایک پائجامہ ایک صدری ایک اچکن یا لمبا کوٹ بنوایا گیا مگر آخر میں مولانا مرحوم کے لیے کپڑا کافی نہ ہوا کیونکہ درزی نے جو تخمینہ کر کے بتایا تھا وہ قطع کرنے (کاٹ دینے) کے بعد ناکافی معلوم ہوا جب آفس سے طلب کیا گیا تو آفس نے امروز و فردا میں بالکل ٹال دیا اس کے بعد آخر دم تک پھر نہ گرمیوں کا نہ جاڑوں کا کپڑا بنوایا گیا البتہ جو کپڑے معمولی ملتے تھے ان میں سے تولیہ، پیروں کے بنیائن، کرتا، رومال سلیپر ہم لیتے رہے مگر کوٹ پتلون وغیرہ مثل سابق ہم رد کرتے رہے مسٹر برن نے سردی کی شکایت کی بنا پر جاڑوں کے لیے کوئلہ کی زیادہ مقدار مقرر کرا دی جس سے ہم اپنے کمرہ کو روزانہ گرم کر سکتے تھے اخیر میں وہ ہماری قیام گاہ کو دیکھنے کے لیے خود آیا اور کمرہ کو اندر باہر سے دیکھا اور مولانا سے نہایت ادب اور تپاک سے پیش آ کر مصافحہ کیا اس وقت مولانا ترجمہ قرآن لکھ رہے تھے اس کو دیکھا پھر میز پر جتنی کتابیں رکھیں ہوئیں تھیں ان کو دیکھا ان کے نام پوچھتا رہا ان کے فنون سے واقفیت حاصل کی اس کے بعد کہا کہ میں اب انگلستان چلا جاؤں گا۔ میں نے آپ سب لوگوں کے

لیے ایسا اور ایسا انتظام کرادیا ہے اور پھر مصافحہ کر کے چلا گیا فارسی اچھی جانتا تھا کانوں میں اس کے ثقل (بوجھ) تھا باتیں نلکی لگا کر یا زور سے سنتا تھا اگلے روز کمانڈر نے مولانا مرحوم کو مع رفقاء کے بلایا اور کہا کہ مسٹر برن نے آپ کے حق میں خاص طور سے ہم کو فرمائشیں کیں ہیں۔ اس لیے ہم آپ کو اطلاع دیتے ہیں کہ آپ کے لیے اب سے نقد مقرر ہوگا اور آپ کو خاص خاص رعائتیں کی جائیں گی جب کبھی کوئی ضرورت ہو آپ ہم کو اطلاع دیتے رہیں۔

اس وقت سے ہماری رسد بالکل بند ہوگئی اور تقریباً پندرہ سولہ دن کے بعد ۲۰ فروری ۱۹۱۸ء روز چہار شنبہ سے نقد ملنے لگا اس روز سے ہم کو اپنے مصاریف (اخراجات) میں آسانی ہوگئی یہ مقدار اگرچہ باعتبار مالٹا کی گرانی کی کوئی حیثیت نہیں رکھتی تھی مگر سختیوں کے حساب سے بہت ہی غنیمت معلوم ہوئی اس وقت ہمارے پاس تقریباً (۲۷) پونڈ باقی تھے مولانا مرحوم نے حکم فرمایا کہ ہم نہیں چاہتے کہ مقدار معینہ ماہانہ میں سے کچھ بچے اس کو صرف کرو اور بہ نسبت پہلے کی توسع برتو (فراخدلی سے استعمال کرو) تمہاری حسن انتظامی میں اس میں نہیں سمجھتا کہ اس میں سے بچاؤ ہاں یہ ضرور حسن انتظام میں شمار کروں گا کہ اصلی سرمایہ یعنی ۲۷ پونڈ تم محفوظ رکھو کہ آئندہ کسی ضرورت کے وقت میں کام آئے اس پر توسع کے متعلق رفقاء نے اس قدر پیر پھیلانا چاہا کہ اس مقدار میں بھی پورا پھٹنا مشکل ہوگیا ادھر اس کی خبر ہندوستان لکھی گئی مگر اسی کے ساتھ غالباً وحید نے یا میں نے لکھ دیا کہ اگرچہ یہ مقدار بہت ہی زیادہ مشکلات سے رہائی کی سبب بن گئی ہے مگر مالٹا کی گرانی سخت ورسخت ہے ایک انڈا ان دنوں ۴ اور ایک مرغی چھ روپے کو اور اسی طرح دیگر اشیاء ہیں اس کی بنا پر حضرت مولاناؒ کی اہلیہ مرحومہ نے غالباً گورنر یوپی کے پاس عرضی بھیجی کہ جو مقدار مولانا کے لیے مقرر کی گئی ہے وہ مالٹا کی گرانی کی وجہ سے کافی نہیں ہے اس لیے یا تو تم خود ان کے لیے کافی مقدار پہنچاؤ یا ہم کو اجازت دو اور انتظام کردو ہم یہاں سے نقد روانہ کردیں وہاں سے جواب آیا کہ تم فکر مت کرو ہم خود انتظام کریں گے وہاں سے حکم مالٹا میں زیادتی کا پہنچا

آفس نے مولانا اور کاتب الحروف کو طلب کیا اور مصاریف کی قلت کی نسبت دریافت کیا مولانا نے جواب دیا کہ آپ کو معلوم ہے کہ انسان کا مدار زندگی گوشت پر ہے۔ جس کو جملہ اہل یورپ تسلیم کرتے ہیں ہم یہاں کی گرانی کی وجہ سے زیادہ کفایت کرتے ہوئے ہفتہ میں فقط تین دن گوشت کھا سکتے ہیں گھی یہاں ملتا ہی نہیں بجائے اس کے زیتون کے تیل استعمال کیا جاتا ہے اس کی بھی ایک بوتل چھ شلنگ (للبعہ) میں آتی ہے جو بمشکل تمام ہم کو دو دن کافی ہوتا ہے اور بعض کھانوں میں تو ایک بوتل ایک دن میں خرچ ہو جاتی ہے شکر ۱۱ پونڈ ہے اسی طرح جملہ اشیاء کی حالت ہے اس نے اس وقت سے فی کس دو شلنگ یومیہ اور مولانا کے لیے چار شلنگ یومیہ کر دیے واضح ہو کہ شلنگ ۱۲ کا ہوتا ہے۔

مسٹر برن کے لائے ہوئے خطوط:

مسٹر برن کے جانے کے تقریباً ایک ماہ یا کچھ زیادہ دنوں کے بعد لندن ہوتے ہوئے بہت سے خطوط آئے جن میں حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب مرحوم مولانا خلیل احمد صاحب مولانا حبیب الرحمٰن صاحب، مولانا حافظ محمد احمد صاحب مولانا حکیم محمد حسین صاحب اور دیگر اعزہ اور احباب کے خطوط تھے سب نے بتاکید لکھا تھا کہ مسٹر برن چیف سیکرٹری مسٹن گورنر یو پی جاتے ہیں ہم آپ سے خواہش مند ہیں کہ آپ ان کی پیش کردہ شروط کو قبول فرما کر بہت جلد ہندوستان تشریف لائیں ہرگز ان کے مطالیب کو رد نہ فرمائیں۔ ہماری استدعا (درخواست) پر گورنمنٹ نے یہ صورت قبول کی ہے کہ اس قسم کی باتیں اور یہ مضمون سب میں تھا اس وقت حقیقت مسٹر موصوف کے آنے کی معلوم ہوئی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ حسب اشارہ احباب نے ایک وفد علماء کا گورنمنٹ کے پاس مولانا کی رہائی کے لیے پیش کیا تھا جس کی وجہ سے مسٹر موصوف مالٹا میں اترے ہیں اور ان خطوط کو بھی لائے ہیں مگر غالباً کسی سیاسی غرض سے ان خطوط کا یہاں دینا مستحسن (اچھا) نہ سمجھا گیا بلکہ وہاں پہنچنے پر بھیج دیا گیا۔

اس کے بعد بعض امور میں ہماری خاص خاص رعایتیں کی گئیں۔ مثلاً ایک زمانہ میں شکر بازار میں نہیں تھی اس لیے تمام اسراء کو سخت تکلیف ہوگئی تھی ہم نے آفس سے

مراجعت کی اس نے خاص طور سے انتظام کر دیا جس کی بنا پر بقیمت وقت ہم کو شکر مل جاتی تھی اسی طرح ظہر کے بعد سیر کے لیے دوسرے کیمپوں میں جانے کی بھی ہفتہ میں تین دن کی اجازت ہو گئی جس کو پہلے ذکر کر چکا ہوں۔

مولوی عزیز گل صاحب کا اشتغال:

مولوی عزیز گل صاحب مختلف اوقات میں اعمال سلوک تعلیم کردہ حضرت مولانا مرحوم میں مشغول رہتے تھے اور پھر کچھ وقت قران شریف کے یاد کرنے میں بھی صرف کرتے تھے انہوں نے زبان ترکی کے سیکھنے کی طرف بھی توجہ کی اور تھوڑے ہی دنوں میں بحمد اللہ اچھی خاصی ترکی بولنے لگے اس کے بعد انگریزی زبان کی طرف متوجہ ہوئے مگر سور بخت یا خوش نصیبی نے اس میں دستگیری نہ کی ان کو حسب خواہش کوئی استاد نہ ملا اور کچھ طبعی عدم استقلالی بھی اس فن کے کمال سے مانع ہوئی قرآن شریف کی طرف توجہ بہت کی مگر ضعف حافظہ اور عدم استقلالی طبع سدراہ (مستقل طبیعت نہ ہونا راستہ میں رکاوٹ بھی) ہوتا رہا موصوف کو اس کا شوق بہت ہے یاد بھی جلد کر لیتے ہیں مگر بھول بھی جلد جاتے ہیں مولاناؒ کی نظر عنایت ان پر بہت زیادہ تھی اور بہت بے تکلفی سے ان سے رہتے تھے جو بے تکلفی ان سے برتتے رہے وہ کسی اور کے ساتھ عمل میں نہیں آئی۔

وحید کا اشتغال:

اس نے ابتدا ہی سے اجنبی زبانوں کی طرف توجہ کی اور اولاً فرانسیسی پھر جرمنی زبان کو سیکھا پھر جب دیکھا کہ پانسہ جنگ پلٹ گیا تو انگریزی کی طرف متوجہ ہوا مختلف فنون عربیہ خصوصاً حدیث اور تفسیر کی چند کتابیں اس سفر میں اس نے مولانا سے پڑھیں مگر بد قسمتی سے نہایت بے اعتنائی (بے پرواہی) اور کم محنتی سے پڑھا گیا۔

کاتب الحروف کا اشتغال:

مجھ کو طالب علمی کے زمانہ سے شوق تھا کہ قرآن شریف حفظ کروں۔ مگر بد قسمتی

سے کبھی ایسا فارغ وقت نہ ملا تھا کہ اس مراد کے حصول کی کوئی صورت ہوئی مدینہ منورہ میں بڑی بڑی مشکلوں سے سورۃ بقرہ اور آل عمران کئی دفعہ یاد کی مگر سنبھال نہ سکا بھول بھول گیا جب طائف پہنچا پھر اس کو دہرایا اور سورۃ النساء، مائدہ، انعام یاد کرلیں مگر جب مکہ معظمہ آنا ہوا پھر بھول گیا کثرت اشتغال نے مہلت نہ دی کہ آگے بڑھتا یا انہی کی حفاظت کرتا مالٹا پہنچ کر پھر از سر نو شروع کیا چند دن تو وہاں کے انتظامات وغیرہ میں خرچ ہو گئے اس کے بعد تقریباً نصف جمادی الاول سے اواخر شعبان تک پندرہ پارے یاد ہو گئے چونکہ فارغ وقت فقط ظہر کے بعد دو ڈھائی گھنٹہ یا اس سے بھی کم ملتا تھا اس لیے زیادہ یاد نہ ہو سکا۔ اس رمضان میں مولانا نے فرمایا کہ نوافل میں سنانا چاہیے چنانچہ ہر شب میں تراویح کے بعد (جو کہ الم ترکیف سے ہوا کرتی تھی کیونکہ ہمارے پڑوسی عرب زیادہ دیر تک سب کے سب نہیں کھڑے ہو سکتے تھے) نوافل میں سنا کرتے تھے رمضان شریف کے بعد پھر آگے یاد کرنا شروع کیا مگر اس مدت میں مدینہ منورہ کے واقعات والد مرحوم کی خبر وحشت اثر اور جملہ کنبہ والوں کے رنجیدہ واقعات نے تشویش بہت پیدا کیں تاہم فضل وکرم خداوندی سے ماہ صفر تک پورا قرآن ختم ہو گیا اور پھر روزانہ دور کر کے محفوظ رکھا اور رمضان شریف میں مولانا مرحوم نے سن لیا۔ قرآن شریف یاد کر لینے کے بعد مجھ کو بھی ترکی زبان کی طرف توجہ ہوئی کیونکہ یہ بھی ایک دیرینہ آرزو تھی آہستہ آہستہ کچھ اس میں شدید ہو گئی مالٹا میں داخل ہونے کے وقت بلکہ اسیر ہونے کے زمانہ ہی سے میری تین آرزوئیں تھیں۔ ترکی زبان سیکھنا قرآن شریف حفظ کرنا باطنی اشتغال میں ترقی کرنا خدا کے فضل وکرم سے دو اول کی تو ایک درجہ تک حاصل ہو گئیں اور تیسرا مقصد باوجود صحبت شیخ کامل اور فراغ وقت اپنی بدنصیبی سے ناکام رہا۔

تہیدستان قسمت را چہ سود از رہبر کامل کہ خضر از آب حیواں تشنہ می آرد سکندر را

مگر تاہم مجھ کو افضال خداوندی اور بزرگوں کی جوتیوں کے طفیل سے اس باب

میں بہت کچھ امیدیں ہیں لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ارشاد قرآنی ہے اہل اللہ کی عنایت وتوجہ کبھی نہ کبھی تو ضرور دستگیری فرمائے گی۔

اُولٰئِکَ قَوْمٌ لَا یَشْقٰی جَلِیْسُهُمْ. والله الحمد والمنه

ترجمہ: یہ وہ قوم ہے کہ ان کی مجلس میں بیٹھنے والا کوئی بدبخت نہیں رہتا۔

* * *

مولوی حکیم نصرت حسین صاحب کا انتقال

حکیم صاحب موصوف نہایت سلیم الطبع ذکی القریحہ مستقیم الاوقات تھے انہوں نے علم حدیث وغیرہ دیوبند میں پڑھا تھا باقی کتابیں لاہور، کانپور، دہلی وغیرہ میں پڑھی تھیں دیوبند سے تکمیل کے بعد لکھنو وغیرہ میں طب کی تکمیل کی جلسے دستار بندی دیوبند میں میں ان کی دستار بندی ہوئی مولانا شبیر احمد صاحب کے ساتھ دورہ میں شریک تھے اسی زمانہ جلسہ میں مولانا مرحوم سے بیعت بھی ہوئے تھے اپنے والدین کے اکلوتے بیٹے تھے گھر پر جاگیر زمینداری کے انتظامات اور مطب میں مشغول رہے اسی زمانہ میں انگریزی بھی کچھ پڑھ لی مگر مشق پوری نہ تھی اس سفر میں بولتے بولتے اچھی طرح کام نکالنے لگے تھے تقویٰ طبیعت میں ابتدا ہی سے تھا اس لیے نمازوں کو ہمیشہ اول وقت پر پڑھتے تھے تہجد کا بہت ہی زیادہ خیال تھا فضولیات کی طرف طبیعت کو رغبت نہ تھی اسلام کا درد اور وطن اور قوم کی محبت نہایت زیادہ تھی سیاسی امور میں پوری دلچسپی رکھتے تھے ہندوستان کی آزادی کی ہمیشہ دھن لگی رہتی تھی نہایت معزز خاندان کے نونہال تھے کوڑا جہاں آباد (ضلع فتح پور ہسوہ) ان کا آبائی وطن ہے ان کے بعض احوال پہلے گزر چکے ہیں جب یہ نظر بند ہو گئے تو ان کو جدہ ہی سے خیال ہوا کہ اس وقت کو ہاتھ سے دینا نہ چاہیے بلکہ سلوک طریقت کی طرف توجہ مبذول کرنی چاہیے چنانچہ انہوں نے مولانا مرحوم سے اس کی درخواست کی مولانا نے کوئی ذکر مناسب تعلیم فرمایا۔ چنانچہ انہوں نے نہایت پابندی سے جملہ امور تعلیم کردہ مولانا مرحوم پر عمل کرنا شروع کیا عموماً ہر وقت ذکر اسم ذات جاری رہتا تھا اور کچھ اوقات معینہ میں مراقبہ وغیرہ بھی کیا کرتے تھے وہ اسی طرح ہمیشہ اپنے کام میں مشغول رہتے اور اپنی جملہ کیفیات مولانا مرحوم سے ذکر

فرمایا کرتے تھے بعد مولانا مرحوم کے ہماری جماعت میں کوئی بھی بااوقات شب خیز تہجد گزاران سے زیادہ نہ تھا بلکہ تمام کیمپ اسراء مالٹا میں بھی کوئی ایسا نہ تھا مولانا کی نظر عنایت بھی ان پر بہت تھی ان کو ضعف معدہ کی شکایت بھی تھی اور ہمیشہ گھر پر بھی بخار وغیرہ میں مبتلا رہتے تھے یہ اپنے اوقات قرآن شریف دلائل الخیرات ذکر مراقبہ وغیرہ میں صرف کرتے تھے ڈاکٹر غلام محمد کے چلے جانے کے بعد ایک مدت تک شام کا کھانا بھی پکاتے تھے اور خود اپنی خواہش اور اصرار سے اس کا ذمہ لیا تھا میں نے کوئی زور ان پر نہ ڈالا تھا اور نہ ڈاکٹر غلام محمد پر پھر کچھ عرصہ کے بعد میں نے ان سے یہ کام لے لیا تھا ان کی طبیعت کچھ عرصہ کے بعد مالٹا میں خوب سنبھل گئی تھی اور جو شکائتیں ان کو ضعف معدہ اور بخار وغیرہ کی تھیں جاتی رہیں تھیں مگر ماہ رجب ۱۳۳۶ھ سے ان کو پھر تپ ولرزہ کے دورے شروع ہوئے خیال کیا گیا کہ معمولی جیسے ہمیشہ ان کو اس قسم کے دورے ہوا کرتے تھے ویسے ہی ہیں نہ انہوں نے کوئی فکر کی اور نہ دوسرے لوگوں نے یہی حال تمام شعبان رہا رمضان آنے پر انہوں نے روزے بھی رکھے اور آخیر شعبان میں بعضے مسہلات بھی استعمال کیے کونین بھی استعمال کی مگر فائدہ نہ ہوا اور آخر رمضان میں بمجبوری ڈاکٹر کی طرف رجوع کیا گیا۔ ڈاکٹر نے مختلف دوائیں استعمال کرائیں جن کو حکیم صاحب بوجہ رمضان شریف دن کو استعمال نہ فرماتے تھے بلکہ شب کو استعمال کرتے تھے مگر کوئی فائدہ نہ ہوا عید کے بعد پھر ڈاکٹر آیا اور اس نے کہا کہ ان کو ہسپتال جانا چاہیے ہم نے زور دیا کہ ان کی دوا یہیں کیجاوے مگر اس نے کہا کہ یہاں باقاعدہ علاج نہیں ہوسکتا اب تک کیا گیا مگر کوئی فائدہ ظاہر نہیں ہوا وہاں جانا ضروری ہے ہم نے جب دیکھا کہ یہ صورت نافع نہیں ہے تو درخواست کی کہ اچھا ہم میں سے ایک آدمی ان کے ساتھ رہنا چاہتا ہے اور یہ ضروری امر ہے اس کی اجازت ہونا چاہیے اس نے کہا کہ یہ بھی نہیں ہوسکتا خلاف قاعدہ ہے اور پھر ایک کے ساتھ کیا دوسرا بھی مریض ہوگا الغرض ان کو وہاں پہنچا دیا ہم نے آفس میں اس کے متعلق درخواست کی کہ یا تو ہم میں سے ایک آدمی

کو وہاں رہنے کی اجازت دی جائے ورنہ کم از کم روزانہ ہم کو ان سے ملنے اور ان کی خبر گیری کرنے کی اجازت دی جائے انہوں نے اول بات کی اجازت نہ دی مگر یہ کہا کہ ہر تیسرے دن تم جا کر دو بجے کے بعد مل سکتے چنانچہ اس حکم کے بعد جس کو ان کی روانگی سے پانچ چھ دن کے بعد ہم حاصل کر سکتے تھے ہم وہاں گئے مگر ان کی حالت بہت گری ہوئی اور کمزور پائی معلوم ہوا کہ ڈاکٹروں کی ایک بڑی جماعت جس میں بڑے بڑے افیسر ہیں ان کے مداواۃ (علاج معالجہ) میں مشغول ہے اور بہت توجہ سے کام کر رہے ہیں جو میم کمپوڈری اور دوسری ضرورتوں کو انجام دیتی تھی وہ ان پر خاص طور سے مہربان ہے۔ جس کی وجہ ان کا انگریزی جاننا اور برٹش رعیت ہونا ہے کیونکہ اس تمام ہال میں سب غیر برٹش رعایا بلکہ دشمنان برطانیہ تھے اس نے یہ بھی کہا کہ میں تمہارے لیے یخنی اور دوسری مقوی دوائیں جن میں شراب کا جوہر پڑتا ہے دوں گی جس سے تمہاری صحت بہت جلد کامل ہو جائے گی مگر انہوں نے یخنی اور ایسی مقوی دواؤں سے انکار کر دیا کہ ہمارے مذہب میں یہ چیزیں حلال نہیں اس نے نہایت افسوس کیا پھر ہم کو وہاں سے حکم آیا کہ تم خود مرغی ذبح کر کے اس کی یخنی بھیجا کرو چنانچہ ہم نے اس کا انتظام کر دیا اور روزانہ بھیجتے رہے جو لوگ ہال میں بیمار تھے ان میں بعض مسلمان بھی تھے اور بعض عیسائی تھے مگر اکثر حصہ عیسائیوں کا تھا جن میں سے بعض سے قدرے واقفیت بھی تھی اور ان میں مادہ انسانیت کا بہت زیادہ تھا ان کی صحت بھی تقریباً کمال کو پہنچ چکی تھی ان لوگوں نے بہت اچھی طرح حکیم صاحب کی خبر گیری کی حکیم صاحب نے کچھ نقد بھی لیا کہ خدام کو برابر دیتے رہیں گے تاکہ خبر گیری اور خدمت پوری طرح سے ہو ہم کو کبھی امید ان کی صحت کی بندھ جاتی تھی اور کبھی خوف بھی ہوتا تھا مگر اواخر شوال میں ان کی حالت زیادہ گرنے لگی اس وقت ہم نے آفس سے درخواست کی کہ ہم کو وہاں رہنے کی اجازت دی جائے اور حکیم صاحب سے بھی طلب کرایا مگر اس کے جواب آنے میں وہاں سے بہت تاخیر ہوئی غالباً ۲ ذی قعدہ کو اجازت ملی مگر فقط تحریری اجازت تھی جب ہم نے چاہا تو ایک دو

دن کی تاخیر افسروں کے نہ موجود ہونے یا کسی اور عذر سے کرادی گئی نویں تاریخ کو جب ہم اجازت لینے گئے تو ہم کو خبر دی گئی کہ ان کا شب کو صبح کے قریب انتقال ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ.

اس سے تقریباً دو روز پہلے بھی حسب عادت ہم گئے تھے ان ایام میں ان کو سانس بہت زور سے اور جلدی جلدی آیا کرتا تھا ہوا کے لیے برقی پنکھا ان کے آگے رکھا رہتا تھا وہ اکثر تکیوں کے سہارے پر کمر لگائے ہوئے بیٹھے رہتے تھے وفات سے ایک دن پہلے جب ہم گئے تھے تو آواز بہت پست پائی تھی مگر وہ خود اطمینان سے تھے کسی قسم کی گھبراہٹ ان کو نہ تھی ان کا رخ قبلہ کی طرف ایک عرصہ سے اس وجہ سے کر دیا گیا تھا کہ ان کو اٹھنے اور چلنے کی اجازت ڈاکٹروں کی طرف سے نہ تھی اس لیے ان کو نماز پڑھنا چار پائی ہی پر اشاروں سے پڑتا تھا جس کی وجہ سے ہمیشہ چار پائی روبقبلہ رہتی تھی مگر یہ ہوا کہ وہ رات کو چار پائی سے اتر کر خفیہ نماز پڑھا کرتے تھے (واللہ اعلم) انہوں نے جب جانا ہوا تو کہا کہ ذکر میرا جاری ہے اور تعلق خداوند ذوالجلال سے بندھا ہوا ہے واللہ الحمد والمنۃ۔

چونکہ مرحوم کا مرض نمونہ تجویز کیا گیا تھا اور وہ امراض متعدیہ میں سے ہے اس لیے کماندار اسراء نے مولانا مرحوم کو اور ہم کو بلا کر کہا کہ حکیم صاحب مرحوم کی نعش تم کو قبرستان میں ملے گی لیکن تم فقط دور سے نماز پڑھ لینا تابوت کے پاس بھی مت جانا ہم نے اصرار کیا کہ ہم کو غسل دینا کفن پہنانا ضروری ہے اس نے کہا کہ ڈاکٹر کا حکم ہے کہ ان کے پاس بھی کوئی نہ جائے ہم نے کہا کہ ہم کو شریعت کا حکم ہے غرض کہ اس بارہ میں مولانا مرحوم سے اور کماندار سے بہت زیادہ رد و قدح ہوتی رہی جب اس نے زیادہ رد و قدح کی اور تقریباً آدھ گھنٹہ رد و قدح پر بھی راضی نہ ہوا تو ہم نے کہا اچھا ہم نہ نہلائیں گے مگر کفن تو پہنا دیں۔ بڑی بڑی مشکلوں سے وہ اس پر بھی جب راضی ہوا جب مولانا خفا ہو کر کہنے لگے کہ جب آپ کو ہماری مذہبی ضروریات پر ادنی توجہ نہیں تو پھر ہم کو کیوں بلایا خود ہی جو چاہتے کر دیا ہوتا یہ کہا

اورلوٹ جانے کے لیے آمادہ ہوگئے اس وقت اس نے اجازت دی مولانا مرحوم نے فرمایا اس بہانہ سے ہم ان کو تیمم کرادیں گے اور کفن بھی دیں گے اور یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ شفاخانہ میں ان کو اپنے طریقہ پر دوا کے پانی سے ڈاکٹروں نے خوب نہلایا تھا مولانا نے فرمایا کہ وہ کافی تھا مگر ہم چاہتے تھے کہ طریق مسنون پر ان کو نہلائیں۔

خلاصہ یہ کہ ان کے مقبرہ میں جانے کے واسطے ہم نے تقریباً پچاس یا ساٹھ آدمیوں کی اجازت طلب کی کمانداز نے اجازت دے دی یہ سب وہاں گئے ایسا اجتماع کسی شخص کے جنازہ میں وہاں نہیں ہوسکا تھا ان کو تیمم کراکے کفنایا گیا اور پھر مولانا مرحوم نے بادل غمگین نماز پڑھائی اور دروازہ کے قریب ہی ان کی قبر کھودی ہوئی تیاری تھی اس میں دفن کردیے گئے ان کے مصاریف جو کچھ وہاں واقع ہوئے تھے وہ تو ہم نے اپنے پاس سے دیے ہی تھے مگر گاڑیوں کا کرایہ کرنیل اشرف بیگ نے جو کہ کئی پونڈ کی مقدار میں ہوتا تھا بغیر ہماری اطلاع کے دے دیا ان کی قبر پر جو کہ مثل دیگر قبور کے خام ہے ایک پتھر حسب رائے مولانا مرحوم لگادیا ہے جس پر ذیل کی عبارت کندہ ہے۔

﴿ھذا قبر الحکیم السید نصرت حسین من اھل کوڑا جھان آباد الھند اسر بمکة مع حضرة العلامة مولانا الشیخ محمود حسن صدر المدرسین بکلیة دیو بند فی الحرب العمومی وتوفی اسیرا نی تاسع زی العقد ۱۳۳۴ ھجرة النبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم رحمة اللہ رحمة واسعة وله الفاتحة﴾

ترجمہ:۔ یہ قبر حکیم سید نصرت حسین ساکن کوڑا جہان آباد ہندوستانی کی ہے مکہ میں حضرت علامہ مولنا شیخ محمود حسن صدر مدرسین دارالعلوم دیوبند کے ساتھ جنگ عمومی میں قید کیے گے اور حالت قید میں ۹ ذی القعدہ ۱۳۳۴ھ میں وفات پائی اللہ تعالی

اس پر رحمت واسعہ کرے اور ان کے لیے فاتحہ ہے۔

اس پتھر کو کرنیل اشرف بیگ ہی نے کندہ بھی کرایا تھا اور لگوایا بھی تھا کیونکہ اس نے ایک بڑی مقدار نقود کی خرچ کر کے بطور یادگار جملہ اسراء مدفون کے لیے پتھر کندہ کرائے تھے اور ایک مربع ستون پتھر کا جس میں سنگ مرمر پر جملہ ان ترکی اسراء کا نام کندہ تھا جو کہ ایام اسارت جنگ عمومی میں وہاں مدفون ہوئے کرنیل مذکور کی کیفیت اور تفصیل اس وقت چونکہ ممکن نہیں اس لیے اگر زندگی باقی رہی تو پھر لکھوں گا مرحوم اپنے مرض وفات میں اپنے گھر کو اکثر یاد فرمایا کرتے تھے چونکہ ضعیفہ [illegible] ر والدہ جوان بیوی' دو نو عمر بچے اور دیگر رشتہ دار تھے اس لیے طبعی رغبت ضرور تھی اور پھر وہاں اسارت اور سفر میں کما حقہ خدمت نہیں ہو سکتی تھی مالٹا میں جو اسراء وفات پا جاتے تھے خصوصاً غیر ممالک کے ان کے سینہ کو چاک کر کے اندرونی اعضاء کو دوا میں رکھا جاتا تھا جس سے غالباً یہ مقصود تھا کہ اگر حکومت مخالفہ دعویٰ یا شبہ کرے کہ میت کو کوئی زہر وغیرہ دیا گیا ہے تو دل اور جگر وغیرہ کی کیفیت سے معلوم ہو سکے (واللہ اعلم) اس لیے ہم نے اولاً یہ کوشش کی کہ حکیم صاحب کے شکم کو چاک نہ کیا جائے اور اس پر مولوی عزیز گل صاحب نے بہت زور دیا چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔

اسراء کا چھوڑا جانا:

حکیم صاحب مرحوم کی وفات سے دو تین مہینے کے بعد سے اسراء کا چھوڑا جانا شروع ہو گیا اول اول جرمنی لوگ چھوڑے گئے پھر اسٹرین بلغاری وغیرہ مگر بہت تھوڑی تھوڑی مقدار میں جو لوگ چھوڑے جاتے تھے تقریباً تین ماہ میں اکثر حصہ اسراء کا روانہ کر دیا گیا۔ اس وقت سب اسیروں کو مختلف جگہوں اور کیمپوں سے نقل کر کے وردالہ میں رکھا گیا ترکی اور شامی اسراء اس وقت تک نہیں چھوڑے گئے تھے جو لوگ روگیٹ کیمپ یا دال فرشہ یا سینٹ کلیمت براکس وغیر میں تھے سب کے سب وہاں جمع کر دیئے گئے جو لوگ زمانہ التواء

جنگ کے بعد استنبول سے پکڑے گئے تھے ان کو اس اسارت گاہ سے بہت دور رکھا تھا اور ان قدیمی اسیروں سے ملنے نہیں دیا جاتا تھا انہی میں شیخ الاسلام خیری آفندی اور احمد پاشا انور پاشا کے والد ماجد اور دوسرے ترکی کے معزز اور اکابر عہدہ دار تھے اس وقت میں ان کو بھی یہیں جمع کر دیا گیا شیخ الاسلام خیری آفندی کا کمرہ ہمارے کمرہ کے قریب تھا اس مرتبہ ہم کو وردالہ میں دو کمرے دوسرے طبقہ پر نہایت مکلّف ملے جس میں سے ایک حضرت مولانا مرحوم کے لیے خاص کر دیا گیا اور اس میں ایک طرف مولوی عزیز گل کی چار پائی تھی اور اس میں پردے کے باہر مہمانوں کے لیے میز و کرسیاں بچھا دی گئی تھیں اور دوسرے میں کھانے پکانے کا جملہ سامان تھا اور اس میں میں (کاتب الحروف) اور وحید تھے کھانا بھی وہیں کھایا جاتا تھا ہمارے رفقاء اہل صیدا ہم سے ذرا کچھ دور ہو گئے تھے مگر اسی کیمپ میں تھے کچھ تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ ان کی روانگی کا بھی وقت آ گیا اور وہ بھی اپنے اپنے وطن کو روانہ ہو گئے اس وقت سے ہم کو اپنے کاروبار میں ذرا دقت کا سامنا ہو گیا کیونکہ کوئی شخص کاروبار ضروریہ انجام دینے والا نہ رہ گیا تھا مگر مسبب الاسباب ہر قسم کی آسانی پہنچاتا تھا اس کے کچھ ہی عرصہ کے بعد باقی ماندہ ترک اور دوسری اقوام بھی اپنے اپنے ممالک کو سفر کر گئے جو لوگ کہ التواء جنگ کے بعد پکڑے گئے تھے وہ اور کچھ دوسرے لوگ باقی رہ گئے وردالہ کا اکثر حصہ فارغ ہو گیا تو ہم کو تقریبا ڈیڑھ ماہ رہنے کے بعد وردالہ سے بھی دال فرشہ میں منتقل کر دیا گیا دال فرشہ کے کمرے نہایت ہی آرام کے تھے ہر کمرہ میں چار حصے تھے چوتھے حصہ میں نل اور غسل وغیرہ کا سب سامان تھا ایک کمرہ ہم سبھوں کے لیے کافی تھا وہاں بھی لوگ آہستہ آہستہ سفر کرتے رہے یہ سب کچھ ہوتا رہا اور تقریبا پانچ چھ ماہ اسیروں کو سفر کرتے گزر گئے مگر ہماری نسبت کوئی خبر نہ آئی یہاں تک کہ پرانے اسراء میں فقط دس بارہ آدمی باقی رہ گئے تھے جن میں سے پانچ چھ آسٹرین جرمنی تھے جو کہ مصر کو جانا چاہتے تھے کیونکہ ان کے متعلقین مصر میں تھے حکومت برطانیہ ان کو وہاں بھیجنا اپنی مصلحت کے خلاف

گئی تھی اور اسی طرح پانچ چھ ترکی افیسر تھے جو کہ اپنی قوم اور وطن کے خائن تھے ایام جنگ میں انگریزوں سے مل گئے تھے وہ اپنے ملک میں واپس ہونا نہیں چاہتے تھے وہ بھی مصر جانا چاہتے تھے اسی وال فرسٹ میں سعید حلیم پاشا سابق صدر اعظم ترکی اور ان کے بھائی عباس حلیم پاشا سابق گورنر بورصہ کرنیل جلال بیگ جرنیل علی احسان پاشا جرنیل فخری پاشا شیخ الاسلام خیری آفندی جرنیل محمود پاشا وغیرہ وغیرہ اکابر ترکی تھے جن سے اکثر ملاقات ہوتی تھی اور مولانا سے ملنے کے لیے یہ حضرات آیا کرتے تھے آخر کار انتظار کرتے کرتے ہمارے لیے بھی وقت آ پہنچا۔

مالٹا سے روانگی:

قاعدہ تھا کہ جب کسی اسیر کی نسبت روانگی قرار پاتی تھی تو اس کو آٹھ دس دن پہلے خبر دی جاتی تھی کہ وہ تیار رہے اور جس دن جانا ہوتا تھا یکبارگی اس کو حکم روانگی کا دے دیا جاتا تھا جب کہ ایک مرتبہ حکم دیا گیا ہم تیار ہوئے مگر آٹھویں دن خبر ملی کہ اس آگبوٹ میں بیماری ہے اس لیے دوسرے آگبوٹ میں جانا ہوگا تقریباً دس پندرہ دن کے بعد ۲۲ جمادی الثانی ۱۳۳۸ھ مطابق ۱۲ مارچ ۱۹۲۰ء جمعہ کے دن تقریباً دس بجے دن کے ہم وہاں سے روانہ ہو کر آگبوٹ پر سوار کرا دیے گئے ہم کو سیکنڈ کلاس کے کمرے دیئے گئے اور چونکہ وہ جہاز جنگ کی مہمات کی خدمت کے لیے تھا اس لیے اس میں جملہ کاروبار کرنے والے عموماً افغانی لوگ تھے جو صوبہ فرنٹیر کے تھے ہمارے کھانے کا انتظام انہی کے سپرد کر دیا گیا چونکہ مولوی عزیز گل صاحب اس صوبہ کے پیر ہیں ان سے ان لوگوں کی جب پشتو میں بات چیت ہوئی تو ان کے شیدائی ہو گئے انہوں نے نہایت اخلاص سے کھانے پینے وغیرہ کا انتظام کیا مگر ان پر افسروں کی سخت تاکید تھی کہ کوئی ان میں سے نہ ہمارے پاس بیٹھے نہ بات چیت کرے فقط کھانا وقت پر پیش کر دیا کرے وجہ یہ تھی کہ ان کو خوف تھا کہ یہ سیاسی ہیں ان لوگوں کو خراب نہ کر دیں۔ ۲۵ جمادی الثانی ۱۳۳۸ھ مطابق ۱۵ مارچ ۱۹۲۰ء کو صبح کے قریب یہ

آگبوٹ اسکندریہ پہنچا وہاں عرصہ تک انتظار ہوتا رہا مگر قریب شام کے کچھ سپاہی اور افسر آئے ان کے ساتھ روانہ ہوئے وہ لوگ ہم کو نہایت بے ترتیبی کے ساتھ لے گئے اسباب قلیوں کے سپرد کر دیا اور ہم کو ٹریموے میں سوار کر کے گوروں کے فوجی کیمپ میں لے گئے اور وہاں پر مجرم سپاہیوں کی قید کا جو کیمپ تھا اس میں ہم کو داخل کر دیا اور ہم پر اسی طرح سخت پہرہ کر دیا جیسا کہ ان لوگوں پر تھا شام کا وقت ہو گیا تھا کچھ کھانا انہوں نے ہم کو دیا اور ایک خیمہ میں جس میں نہ گدا تھا نہ بچھونا تھا نہ چارپائی تھی نہ روشنی فقط کمبل دے کر پڑے رہنے کو کہہ دیا۔ اسباب قریب عشاء کے پہنچا اس کو بھی انہوں نے داخل نہ ہونے دیا دروازہ پر باہر ہی رہا اس شب کو ہم کو سخت تکلیف اٹھانی پڑی صبح کو افسر آیا اور ہم نے جو کچھ معاملہ گزرا تھا بیان کیا اس نے بہت عذر معذرت کی اور اپنی لاعلمی ظاہر کر کے کہا کہ میں معافی کا خواستگار ہوں مجھ کو بالکل اطلاع نہ تھی۔ الحاصل اس نے اسی وقت اپنے بڑے آفس میں جا کر گفت وشنید کر کے سیدی بشر میں جو کہ مصر میں قرارگاہ اسراء تھا بھجوا دیا ہمارا اسباب تو گاڑی پر بھجوایا مگر ہم کو پیدل بھجوایا جگہ نہایت دور تھی چلتے چلتے ہم نہایت پریشان ہو گئے چونکہ عرصہ دراز سے قید میں تھے اس لیے چلنے کی عادت چھوٹ گئی تھی اور پھر مولانا کو بھی مشکل تھی سپاہی بندوق لیے ہوئے ہمارے ساتھ تھے آخر کار ہم ۲۶ جمادی الثانی کو تقریباً ایک بجے وہاں پہنچے ہم کو اسی وقت قرارگاہ کے اس کیمپ میں داخل کر دیا گیا جس میں قرنطیہ نئے اسیروں کا ہوا کرتا تھا اس میں تین خیمے نصب کر دیئے گئے اور چارپائیاں گدے وغیرہ جملہ ضروریات مہیا کر دی گئیں داخل ہوتے وقت سب کی تلاشی لی گئی۔ مولوی عزیز گل صاحب غفلت کی حالت میں آئے تھے ان کے پاس (۲۷) پونڈ تھے ان کو لے لیا گیا اور رسید دے دی گئی۔

سیدی بشر میں اس وقت ترکی اسراء کی بہت بڑی مقدار موجود تھی غالباً آٹھ نو کیمپ میں اسراء وہاں موجود تھے یہ سب کیمپ افسروں کے لیے تھے اور ہر کیمپ میں خدمت کے لیے ترکی سپاہی تھے۔ ہمارے کھانے کا انتظام باہر سپاہیوں کے متعلق کیا گیا جو کہ

ہندوستانی یا ولائیتی تھے کیونکہ وہاں پر پہرہ وغیرہ ہندوستانیوں کے ذمہ تھا وہ لوگ جیسا کہ خود کھاتے تھے دال روٹی لاتے تھے گوشت بہت کم ہوتا تھا جو ترکی افیسر اردگرد کے کیمپوں میں موجود تھے وہ ہم پر نہایت شفقت کرتے تھے اور بہت زیادہ محبت اور لطف سے پیش آتے تھے ہم نے خیال کیا کہ گنتی کے بعد حسب عادت جیسے کہ دوسرے کیمپ کھلتے ہیں اور لوگ آپس میں ملتے ہیں ہمارے ساتھ بھی یہی معاملہ کیا جائے گا مگر ہمارے لیے بالکل اجازت کسی سے ملنے اور آنے جانے کی نہ تھی بلکہ دوسرے اسراء سے دور سے باتوں کی بھی اجازت نہ تھی پھر یہ خیال کیا کہ شاید دو تین دن کے بعد جب کہ ایام قرنطینہ ختم ہو جائیں اجازت ہو مگر جب بھی نہ ہوئی جو انگریز افسر اور کماندار تھا اس سے کہا گیا بلکہ ترکی افسروں نے خود درخواست کی تو اس نے کہا کہ یہ لوگ سیاسی ہیں اور تم جنگی ہو تمہارا آپس میں اجتماع خلاف قانون ہے آخیر تک ہم آپس میں نہ مل سکے مگر چونکہ راستہ بعض بعض کیمپوں میں سے تھا اس لیے چلتے چلتے بعض اشخاص سے مصافحہ وغیرہ ہو جاتا تھا وہ لوگ ہمارے پاس اکثر ہدایات وغیرہ بھیجتے تھے ہم اصرار بھی کرتے تھے مگر وہ نہ مانتے تھے کھانے کی حالت پر انہوں نے کہا کہ تم کماندار سے کہہ دو کہ خشک رسد ہمارے باورچی خانہ میں دے دیا کرے ہمارے یہاں سے کھانا پکا ہوا تمہارے واسطے آیا کرے گا چنانچہ یہی انتظام کیا گیا۔

سیدی بشر سے سوئز کو روانگی:

تقریباً اٹھارہ روز وہاں اسی طرح قیام ہوا ۱۳ رجب ۱۳۳۸ھ مطابق ۲ اپریل ۱۹۲۰ء کو وہاں سے روانگی ہوئی اور اسی طرح سنگینوں کے بیچ میں ہم اسٹیشن پر پہنچائے گئے فرسٹ کلاس میں سفر کر کے شام کے قریب سویس پہنچے ہم کو خیال تھا کہ آگبوٹ وہاں تیار ملے گا مگر بدقسمتی سے پھر کیمپ اسراء میں قید کئے گئے وہاں پر آبادی سے دور اسارت گاہ تھی جس میں بہت سے ترکی افیسر اور سپاہی تھے پہرہ ہندوستانی سپاہیوں کا تھا ہم کو مغرب کے

www.alhaq.org

بعد وہاں داخل کر دیا گیا اور دو خیمے دیئے گئے جن میں رہنا شروع کیا یہاں پر ہم کو سبھوں کے ساتھ رکھا گیا وہ بیچارے عراق سے پکڑے گئے تھے اور استنبول بھیجنے کے وعدہ پر سوئز لائے گئے تھے جو کہ دو دو تین تین ماہ سے وہاں پڑے ہوئے تھے ان لوگوں سے مل کر نہایت دلچسپی رہتی تھی نہایت توجہ اور کرم سے پیش آتے تھے مگر عموماً افسر نہایت تنگدستی کی حالت میں تھے کیونکہ ان کی نہ تو تنخواہیں ملتی تھیں نہ ان کو آگے روانہ کیا جاتا تھا فقط کھانے کا انتظام تھا ہم کو بھی یہی دقت پیش آئی چونکہ وہاں بھی چیزیں نہایت گراں آتی تھیں ادھر ہم سے جو پونڈ اسکندریہ میں لے لیے گئے تھے ان کے بدلے ہم کو نوٹ دیئے گئے ساورن نہیں دی ہم نے اصرار بھی کیا مگر ایک نہ سنی گئی ساورن وہاں پندرہ روپے سے زائد کو تھی مگر نوٹ ایک ساورن کا نمبر ۱۰ کو چلتا تھا سیدی بشر میں اور یہاں سوئیس میں یہ مقدار کام آئی یہاں آگبوٹ کے انتظام میں ہم کو بہت زمانہ گزارنا پڑا تقریباً پونے دو مہینے گزر جانے کے بعد آگبوٹ کی آمد ہوئی۔

سوئیس سے روانگی:

پانچویں رمضان المبارک ۱۳۳۸ھ مطابق ۲۲ مئی ۱۹۲۰ء اتوار کے دن دس بجے صبح کو کیمپ سے روانہ ہو کر آگبوٹ پر پہنچے فرسٹ کلاس کمرہ ہم کو دیا گیا اور کمروں میں اسباب وغیرہ جما دیا گیا اسی روز شام کو آگبوٹ روانہ ہو گیا ۱۲ رمضان المبارک کو اتوار ہی کے دن آگبوٹ عدن پہنچا اور پھر ۲۰ رمضان المبارک کو پیر کے دن بمبئی پہنچنا ہوا میں (کاتب الحروف) اور مولوی عزیز گل صاحب اکثر اسباب لے کر کنارہ پہنچے اور ہوڑی کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ اور وحید لے لینے کے لیے روانہ کیا اتنی ہی دیر میں بارش ہو گئی دریا میں طوفان آ گیا جس کی وجہ سے اس روز حضرت مولاناؒ اور وحید نہ آ سکے۔ اگلے دن بمشکل تمام مولانا کو اتارا گیا بمبئی پہنچنے پر معلوم ہوا کہ ہم بالکل آزاد ہیں کسی قسم کی روک ٹوک ہم کو نہیں

بمبئی آگبوٹ پہنچنے پر سب سے اول سی آئی ڈی کا افسر انگریز مع دو تین ہندوستانی افسروں کے جن میں بہاؤ الدین صاحب بھی تھے آئے۔ اس انگریز نے مولانا سے کہا کہ میں کچھ آپ سے علیحدہ باتیں کرنا چاہتا ہوں مولانا کمرہ میں چلے گئے اس نے کہا کہ مولوی رحیم بخش صاحب یہاں آئے ہوئے ہیں آپ بغیر ان سے ملے ہوئے ہرگز جہاز سے نہ اتریں یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔ ہم نے عرصہ تک انتظار کیا آخر کار ہم اسباب لے کر اترے اس کے بعد مولوی رحیم بخش صاحب وہاں پہنچے مولانا سے ملاقات ہوئی معلوم ہوا کہ موصوف گورنمنٹ کی طرف سے مولانا پر اثر ڈالنے کی غرض سے بھیجے گئے تھے جس سے مقصد یہ تھا کہ مولانا یہاں پہنچنے کے بعد سیاسیات میں دلچسپی نہ لیں مگر ایک تو مولانا کچھ اپنے ارادوں میں کمزور نہ تھے ان کی پختگی گورنمنٹ اور خلقت پر ظاہر ہو چکی تھی ادھر مولوی صاحب موصوف مہذب تعلیم یافتہ بزرگوں کے دیکھنے والے مولانا کی شدت عزم واستقلال سے واقف تھے اس لیے وہ کوئی قوی اثر نہ ڈال سکے انہوں نے دھیمے الفاظ استعمال کیے اور جلسوں کی شرکت وغیرہ سے نفرت ضرور دلائی جلسوں میں جو بدعنوانیاں ہوتی تھیں ان کا بھی تذکرہ فرمایا اور اس پر زور دیا کہ مولانا اترنے کے ساتھ ہی ریل پر سوار ہو کر دیو بند کو روانہ ہو جائیں بمبئی میں خلافت والوں کے ہاتھ میں نہ پڑیں انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ میں آپ کو قلبی ارادوں کا اور مذہبی عزائم سے روکنا نہیں چاہتا مگر مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ مبادا آپ پر اس ضعیف العمری میں کوئی اور بدظنی گورنمنٹ کو پیدا نہ ہو جائے مگر وہاں بقول شخصے۔

یہ وہ نشے ہیں جنہیں ترشی اتار دے

ان کا قلبی مذاق یہی تھا مرض وفات کے زمانہ میں کئی مرتبہ فرمایا کہ میں اس مرض سے اچھا ہو کر قصد کرتا ہوں کہ تمام ہندوستان میں اسی تحریک واشاعت کے لیے دورہ کروں گا آخر کار ایک بھی نہ سنی خلافت کمیٹی نے استقبال کیا انہی کے مکان میں قیام فرمایا انہی کے یہاں دعوتیں ہوئیں ایڈریس پیش کیا گیا ۲۲ اور ۲۳ رمضان کو قیام فرما کر جمعرات کی شام کو

۲۴ رمضان کی شب میں ایکسپریس پر روانہ ہو کر ۲۵ رمضان کی صبح کو ہفتہ کے دن دہلی پہنچے ڈاکٹر انصاری صاحب کی کوٹھی پر قیام فرمایا اور اتوار کی شب کو وہاں سے روانہ ہو کر ۲۶ رمضان المبارک کو تقریباً ۹ بجے صبح کو دیوبند پہنچے راستہ میں اہل میرٹھ نے ایڈریس پیش کیا میرٹھ شہر میرٹھ چھاؤنی مظفر نگر وغیرہ پر بہت ہی زیادہ مجمع تھا اور دیوبند میں بھی استقبال کرنے والوں کا جم غفیر تھا (بہت بڑا مجمع تھا) رحمۃ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ وامدنا بامدادہ ولا تحرمنا بعد عن برکاتہ فی الدنیا والآخرۃ۔ آمین یارب العالمین۔

* * *

عرض حال

چونکہ میں اس وقت تک جیل کراچی میں حوالات میں تھا اور غالباً کل کو یعنی غرہ ربیع الاول کو مقدمہ شیشن سے فیصلہ ہو جائے گا اور ہم کو سزاء قید کا حکم قلم دوات کاغذ وغیرہ سے محروم کر دے گا اس لیے آخری واقعات میں میں نے تفصیل سے کام نہیں لیا بعض بعض باتیں چھوڑ دیں میں ناظرین سے معافی کا خواستگار ہوں اور امیدوار ہوں کہ جو کچھ مجھ سے غلطیاں واقع ہوئی ہوں ان سے چشم پوشی فرماتے ہوئے میری مغفرت اور حسن خاتمہ کی دعا فرمائیں۔

﴿وآخر دعوانا ان الحمد الله رب العالمين والصلوة والسلام على اشرف الخلق سيدنا ومولانا محمد وآله وصحبه اجمعين﴾

العبد العاجز العاصی **حسین احمد** غفرلہ الفیض آبادی ثم المدنی

فی لیلۃ الجمعۃ اول ربیع الاول ۱۳۴۰ھ

تتمہ

کرنیل اشرف بیگ کے مفصل حالات

کرنیل اشرف بیگ:

کرنیل اشرف بیگ ترکی حکومت کے نہایت سربرآوردہ لوگوں میں سے اور سمجھدار صاحب مروت وانسانیت شخص تھا ہمارے مالٹا میں پہنچنے کے تقریباً دو ماہ بعد وہ مالٹا پہنچا اور اتفاق سے جس کمرہ میں (بیکباشی) میجر حسن عزت بیگ رہتا تھا اسی میں قیام پذیر ہوا ہماری اور موصوف کی ملاقات پہلے پہل کپتان (یوزباشی) علی بیگ مرحوم سے ملنے کے لیے جاتے وقت ہوئی تھی کیونکہ ایک ہی موٹر میں جانا ہوا تھا۔ اس میں وہ اور ایک اس کا رفیق نوری آفندی مصری اور حضرت مولانا مرحوم اور کاتب الحروف گئے تھے جس وقت روانگی کے وقت آفس میں مجتمع ہوئے اس وقت نوری آفندی نے جو کہ پہلے سے ہم سے واقفیت رکھتا تھا اور اشرف بیگ موصوف سے بھی واقف تھا تعارف کرایا تھا پھر علی بیگ مرحوم کے پاس قید خانہ میں پہنچ کر اور بھی زیادہ تعارف ہوا اس روز سے مولانا مرحوم کو اس سے اور اس کو مولانا مرحوم سے بہت زیادہ تعلق ہو گیا اور اخیر تک نہایت گہرا تعلق رہا کرنیل موصوف کے والد ماجد سرکیشیہ کے رہنے والے ایک بڑے قبیلہ کے سربرآوردہ لوگوں میں سے نہایت دیندار شخص تھے اس کے اس ملک پر تسلط کر لینے کے بعد بہت سے خاندانوں نے وہاں سے ہجرت کر کے مختلف ترکی ممالک میں سکونت اختیار کر لی تھی انکے والد ماجد وہاں سے آئے اور استنبول میں پہنچے سلطان عبد الحمید خان مرحوم نے ان کے حال پر نظر عنایت کی

اور خاص توجہ سے ان کو اور ان کے جملہ متعلقین کو باریاب کیا اور اپنے خاص عجائب خانہ پرند کا ان کو داروغہ (محافظ) بنا دیا جس کو ترکی میں قوش باشی اور عربی میں باشبۃ الطیور کے لفظ سے اس زمانہ میں یاد کیا جاتا تھا۔ اشرف بیگ موصوف پر لڑکپن ہی کے زمانہ سے سلطان عبدالحمید خان مرحوم کی نظر عنایت بہت زیادہ تھی اپنے بچوں کے ساتھ محل سرا میں ان کی تربیت فرمائی قرآن شریف حفظ کرایا اور جب قرآن شریف تمام ہوا تو اس روز خاص جشن کیا عمائد اور اکابر وغیرہ کی دعوت کی اور استاد کو خلعتیں دیں لکھنا پڑھنا سکھایا اور بڑے ہونے کے بعد مکاتب حربیہ وغیرہ میں داخل کیا۔

اشرف بیگ کی اخلاقی حالت:

چونکہ سرکش لوگ نہایت تندرست، قوی جنگجو بہادر عموماً ہوتے ہیں اور ان میں سے یہ خاندان نہایت سر برآوردہ تھا اس لیے فطرتی طور پر اشرف بیگ نہایت مستقل مزاج، نہایت صابر، جفاکش ابتداء عمر سے واقع ہوا تھا۔ اس کی ابتدائی عمر کی جفاکشی اور مستقل مزاجی کے نہایت دلچسپ واقعات ہیں جن کو اس نے خود اپنی سوانح عمری میں دکھلایا ہے ہم ان کی طرف ناظرین کو طول کی وجہ سے توجہ دلانا نہیں چاہتے وہ اگرچہ سلطان عبدالحمید مرحوم کا پروردہ تھا مگر وہ اپنے سینہ میں دردوالا دل رکھتا تھا اپنے سر میں حقیقت شناس دماغ رکھتا تھا اس کی نظر قومی مفاد اور اسلامی قوت پر زیادہ رہتی تھی اس نے لڑکپن کے زمانہ سے سلطان عبدالحمید خان مرحوم کے اندرونی اور بیرونی احوال پر بخوبی اطلاع حاصل کر لی تھی وہ خود بارہا مجالس میں اقرار کرتا تھا کہ لوگ سلطان عبدالحمید خان مرحوم کی دیانت اور تقویٰ میں گفتگو کرتے ہیں مجھ سے زیادہ کوئی اس کے احوال سے واقف نہیں میری طبعی شرارت کی وجہ سے بارہا مجھ کو سلطان مرحوم نے محل سرائے میں اپنے ہاتھ سے مارا بھی ہے۔ سلطان مرحوم اعلیٰ درجہ کا متدین (دین دار) عابد وزاہد تھا عبادات اور شرعی منہیات (جن چیزوں کا شریعت کی

روے کر تا منع ہے ان) کی رعایت میں نہایت اعلیٰ پیمانہ رکھتا تھا فقط اس کے اردگرد ایسے خودغرض لوگ جمع ہو گئے تھے جنہوں نے اس کو عام قوم کی طرف سے بدظن کر دیا تھا اس کے دل میں اپنی جان کا خوف بٹھا دیا تھا وہ لوگ اپنے شخصی منافع پر قوم کو اور قومی اسلامی مفاد کو قربان کرتے رہتے تھے مدت تک ہم نے اصلاح کی ہر قسم کی کوششیں کیں مگر کامیاب نہ ہو سکے وہ نہایت زیرک اور عقل مند تھا اس کو تجربے بھی حکومت کرتے کرتے بہت حاصل ہو گئے تھے خود اشرف بیگ کو جلاوطن کر کے اڈریا نوپل میں تقریباً دو برس رکھا اس کے بعد معافی ہوئی پھر حجاز میں مدینہ منورہ میں نظر بند کیا۔

اشرف بیگ نے ابتدائی تعلیم حاصل کر کے حربی کالج میں بھی تعلیم حاصل کی تھی مدینہ منورہ کی نظر بندی کے زمانہ میں معافی ایک مرتبہ ہو جانے کے بعد جب پھر عثمان پاشا والی مدینہ منورہ نے اس کو پکڑنا چاہا تو وہ بھاگ گیا اور بدؤوں سے مل کر انہی میں بود و باش اختیار کر لی چونکہ فنون جنگ سے پورا واقف تھا طبیعت نہایت جری (بہت جرأت والی) واقع ہوئی تھی اس لیے اس نے ان کے ساتھ مل کر لوٹ مار شروع کر دی خصوصاً جب کوئی قافلہ گورنمنٹ کے مال و اسباب کا سن لیتا تھا اس کو ضرور لوٹتا تھا اور جو کچھ لوٹ مار میں حاصل کرتا تھا وہ سب بدؤوں کو کھلا دیتا اس لیے اس نے اپنی حسن تدبیر اور واقفیت سے تھوڑی سی مدت میں حجاز یمن تھامہ نجد عراق عسیرہ وغیرہ کے قبائل اور مشائخ سے واقفیت پیدا کر لی اور ان کو اپنا حلیف بنا لیا جو لوگ مخالفت کرتے ان پر غارت ڈالتا اور فنون حرب اور جنگی حسن تدبیر کی بنا پر سب پر غالب آتا اس لیے بہت جلد اس کا سکہ تمام سرزمین عرب پر جم گیا عثمان پاشا وغیرہ نے بہت کوششیں کیں شرفاء اور مشائخ قیام کے واسطے سے پکڑنا چاہا مگر ممکن نہ ہوا کچھ عرصہ جس کی مقدار تقریباً ڈیڑھ دو برس ہوئی ہے حجاز میں قبائل عربان میں مقیم رہا نجد میں ابن رشید کے یہاں بھی اس کا پورا رسوخ ہوا فنون سپہ گری قوت جسمی قلبی بہادری کی بنا پر امیر نے اس کی بہت زیادہ خاطر داری کی اور شادی کرنے کی

خواہش کی مگر یہ راضی نہ ہوا۔ امیر سے اس کے وکلاء کے نام پروانہ راہ داری لے کر بصورت تاجر نجدی ہندوستان آیا اس وقت اس کی صورت وشکل بالکل نجدی عربوں کی تھی ہندوستان میں عرصہ تک پھرتا رہا چنانچہ بنارس وغیرہ میں اپنے وقائع کو اس نے اب تک محفوظ کر رکھا ہے اس کے بعد یہاں سے چین گیا اور چین سے نجارا روس وغیرہ ہوتا ہوا ترکی ممالک میں پہنچا۔ اسی طرح ایک مرتبہ اس کو افریقہ کے ملکوں میں چکر کھانا پڑتا ہے اور اپنے ملکوں یعنی البانیہ' مقدونیہ' تراکیا (تھریس) بلغاریہ' سرویہ اناطولیہ' سوریہ' مصر وغیرہ میں تو بارہا پیدل پہاڑوں' جنگلوں میں عمر گزارنی پڑی ہے جس میں وہ اکثر روپوش رہ کر پھرتا تھا اس کو عربی' ترکی فرانسیسی زبانیں اچھی آتی ہیں۔ زمانہ انقلاب ترکی میں انور پاشا اور اس کی جماعت البانیہ اور مقدونیہ میں زور شور کیے ہوئے تھی اور اناطولیہ کی سرزمین میں زور شور کرنے والی جماعت اشرف بیگ کی تھی یہ کئی مرتبہ قید بھی ہوا ہے مگر اپنے عزم پر نہایت قائم اور استوار رہنے والا شخص ہے۔ انور پاشا کا واقع میں نہایت قوی بازو ہے عموماً مخفی حرکات فوجی اس کے ذریعہ سے ہوا کرتی تھیں اس نے زمانہ انقلاب میں اور اس کے بعد جنگ طرابلس' جنگ بلقان .... جنگ عمومی میں نہایت بڑے اور پرزور کارنامے کیے ہیں۔ جس جگہ سرفروشی کا موقع پیش آتا تھا پہنچ جاتا تھا انقلاب ہونے کے بعد ہی اس نے فوجی نوکری چھوڑ دی اور قصبہ صالحتی ضلع ازمیر (سمرنا) میں ایک قطعہ زمین خرید کر کے زراعت میں مشغول ہو گیا مگر باطنی تعلقات رؤسا جمیعت اتحاد وترقی سے رہا اس نے بارہا کہا کہ میں پارٹی بندی کو ہرگز دوست نہیں رکھتا ہوں اور نہ کسی خاص حزب اور جماعت سے ہونا چاہتا ہوں میں نے جماعت ائتلاف الحریہ اور جماعت اتحاد والترقی دونوں میں شامل ہو کر تحقیقات کی اور ہر فریق کے اعتراضات اور خیالات کا اندازہ کیا مجھ کو تحقیق ہو گیا کہ جماعت ائتلافیہ کے مقاصد محض شخصی منافع اور حسد پر مبنی ہیں۔

ان دونوں پارٹیوں کی مختصر کیفیت

جب تک ترکی ممالک میں شخصی حکومت سلطان عبد الحمید خان مرحوم کی تھی اس وقت تک جمہوریت کے چاہنے والے دستوری قوانین کی پیروی کرنے والے سب ایک ہی پروگرام پر حرکت کر رہے تھے۔ آپس میں اتفاق تھا اور ایک دوسرے پر جان نثاری کرتا ہوا نیم جمہوریت کا خواہش مند تھا نیم جمہوریت سے مراد یہ ہے کہ خاندان شاہی کو بالکل لغو نہ کیا جائے بلکہ اس کو برسر اقتدار قائم رکھا جائے مگر استقلال محض اور اس کی شخصیت مطلقہ سلب کر لی جائے اس کے احکام بمشورہ جماعت خاصہ جس کو ترکی میں مجلس اعیان کہتے ہیں جاری ہوں یہ مجلس اعیان بمنزلہ دارالخواص (لارڈ کا منشن انگلستان) کے ہے جمہوریت قائم ہونے کے بعد ان لوگوں میں آپس میں تفرقہ پڑ گیا اور دو جماعتیں قائم ہو گئیں ایک جماعت ائتلاف والحریۃ اور دوسری جماعت اتحاد والترقی دونوں نے اپنی تحریکات کے پروگرام علیحدہ علیحدہ بنائے۔ جماعت اتحاد والترقی کا مقصد اعلیٰ تمام مسلمانان عالم میں اتحاد قائم کر کے ترقی کرنا اور مغربی غیر مسلم قوموں کا مقابلہ کرتے ہوئے ان کو شکست دینا مشرق کو ان کے پنجہ ہائے ستم سے بچانا ہے وہ عدالت کو قائم کرنا چاہتے ہیں مگر حسب حیثیت وہ حریت کی کوشش کرتے ہیں مگر حسب نظام وہ مساوات کے خواستگار ہیں مگر حکومت کو اسلامی مانتے ہوئے اس میں شک نہیں کہ دونوں جماعتوں کے سربرآوردہ اکثر ممبر یورپ کی زہریلی بددینی کی روشنی سے پورے متاثر ہیں اپنے آپ کو متنور کہتے ہیں مگر حقیقت میں وہ مظلم ہو گئے ہیں یورپ نے اپنی سالہا سال کی کوششوں سے ان کے عقائد کی زندگی، عملی لائف پر نہایت بدنما تاریک تر اثر ڈالا ہے تاہم جمعیۃ اتحاد و ترقی میں مذہب کے پابند اور

www.shiahaq.org

اس کا خیال رکھنے والے لوگ بہت ہیں اور مع اس کے ان کا اولین پروگرام مسلمانان عالم کو متحیر کر لینا اور پھر مشرقی اقوام کو ایک رشتہ میں جوڑ لینا ہے بخلاف جمعیۃ ائتلاف والحریۃ کے ان لوگوں میں دیانت کا شائبہ تو کم ہے ہی مگر اسلامی درد بھی نہیں ان کا پروگرام یہ ہے کہ یہ بادشاہت خالص اسلامی نہیں بلکہ عیسائی، یہودی، مسلم، ارمنی وغیرہ وغیرہ سے مرکب ایک حکومت ہے اس میں عیسائی اور ارمنی کے حقوق ہیں جو کہ ایک مسلمان کے ہیں بڑے سے چھوٹے عہدوں تک بلاتمیز ہر شخص اور ہر ملت کو ملنے چاہئیں ان کو بیرون احاطہ ممالک عثمانیہ سے کوئی علاقہ نہیں ان کو یورپ سے بہت زیادہ تعلق ہے ان کی پالیسی فرانس اور انگلستان کی سیاست سے بہت زیادہ البتہ ہے ان میں دینی جرات اور بہادری بھی نہیں راحت طلبی شخصی وجاہت اور منافع کے بہت زیادہ گرویدہ میں ابتدائی جنگ طرابلس وبلقان میں کامل پاشا اور اس کی تمام کابینہ جمعیت ائتلاف والحریۃ کی تھی دوسری جمعیت والے گرے ہوئے تھا ائتلافی جماعت کی سوء انتظامی سے طرابلس میں جنگ ہوئی اور اٹلی نے قزاقانہ حملہ کر کے اس پر غاصبانہ قبضہ کر لیا جب ائتلافیوں کے بنائے کچھ نہ ہو سکا تو اتحادی جماعت کے سربر آوردہ لوگ شہید نیازی بیگ مرحوم، انور بیگ، اشرف بیگ اور دیگر بڑے بڑے سردار چھپ چھپ کر کوئی خشکی سے اور کوئی آگبوٹوں میں خلاصی بن کر کوئی بادبانی کشتیوں وغیرہ میں میدان میں پہنچا اور عربوں کو جمع اور شیخ سنوسی سے اتحاد کر کے وہ سخت جنگ کی کہ اٹالیہ کے چھکے چھوٹ گئے طویل زمانہ تک کوشش کرنے پر بھی سوائے ان مقامات کے جن کی حفاظت بحری ڈریڈناٹ کرتے تھے دوسرے دوز کے مقامات پر قبضہ کرنے کی طاقت نہ ہو سکی نہایت زیادہ نقصان اٹھانا پڑا اور مقصد اصلی حاصل نہ ہوا اس مدت میں اس تمام سرزمین کے عرب قواعد جنگ سے بخوبی واقف ہو گئے انور پاشا نے ان میں مدارس اور زراعت وغیرہ کی مختلف تعلیم گاہیں قائم کر دیں جن کی بنا پر ان میں اچھے اور مستعد (چست) لوگ ایسے پیدا ہو گئے جن کو اپنے جنگی اور ملکی کاروبار میں بہت زیادہ ضرورت دوسرے کمانداروں کی نہیں رہ

گئی مگر بدقسمتی سے اسی زمانہ میں جنگ بلقان چھڑ گئی اور اس میں بجائے فتح یابی کے کامل پاشا اور اس کی کابینہ کی سوء انتظامی نے مغلوبیت نمودار کی جس کی وجہ سے خود دار الخلافت زد میں آ گئی اور بہت زیادہ نقصان نمودار ہوا ان اتحادی سرفروشوں کو خیال تھا کہ ترکی کی فوجیں اور سامان جنگ کافی موجود ہے اس لیے یہ چھوٹی حکومتیں یونان' سرویہ' بلغاریہ' مانٹی نگرو پسپا ہوں گی کچھ فکر کی بات نہیں مگر بات الٹی ہوئی ناظم پاشا کماندار جنگ کی آرام طلبی اور فوجوں کی بدنظمی نے وہ دن دکھایا جو ترکی کو تمام حکومت میں نہ دیکھنا پڑا تھا آخر کار یہ سب سر برآوردہ افسر وہاں سے کچھ کچا پکا انتظام کر کے بھاگے مگر ادھر مصر میں ان پر پوری نگرانی تھی آخر کار انور پاشا جرمنی لباس میں جرمنی بولتا ہوا آ گبوٹ میں اسکندریہ سے سوار ہو کر قسطنطنیہ پہنچا برٹش کو اس کی خبر وہاں اترنے کے بعد ہوئی اشرف بیگ خشکی کے راستہ سے صحرا زتبہ قطع کر کے وہاں پہنچا غرضیکہ اسی طرح سب آہستہ آہستہ پہنچ گئے۔

اشرف بیگ کی فوج اور اڈریانوپل:

اشرف بیگ نے چونکہ استعداد اور شخصیت کے زمانہ میں عرصہ تک کام کیا تھا اس لیے اس نے ہر شہر میں اپنی ایک خفیہ پارٹی قائم کر لی تھی اس کی بہادری اور انسانیت' مروت' دریادلی نے ہر جگہ تسخیر کا کام کر رکھا تھا اس نے اپنی پارٹی میں ایسے ہی لوگوں کو ہمیشہ رکھا جو نہ کہ پورے جان نثار اور جفاکش ہوں۔ علاوہ اس کے جو مہاجرین سرکش ممالک عثمانیہ میں موجود تھے ان کا بہت بڑا حصہ اس سے تعلق رکھتا تھا اس نے اپنے ایسے لوگوں کو بہت جلد جمع کیا اور نہایت سرعت (بہت جلدی) کے ساتھ استنبول پہنچا۔ ادھر انور پاشا نے ائتلافیوں کی وزارت ساقط کر کے اتحادی وزارت قائم کر دی تھی اور صلح کے کاغذات کو دستخط ہونے سے روک دیا تھا اس نے اشرف بیگ اور دوسرے اپنے لوگوں کو حکم دیا کہ نہایت زور شور سے حملے کریں۔ بلغاری جو کہ چتالجہ پر پہنچ چکے تھے ان سرفروشوں نے ان پر ایسی زور شور کی

ماردی کہ ان کو پسپا ہونا پڑا اور نہایت سرعت کے ساتھ ان کا تعاقب شروع ہوا خود اشرف بیگ اگلی فوجوں کا کمانڈر تھا انور پاشا جملہ فوجوں کی خبر گیری کر رہا تھا اشرف بیگ نے کئی دن کی لڑائی کی وجہ سے درمیان میں راحت لینا چاہا مگر انور پاشا نے راحت نہ لینے دی انور پاشا بخار کی حالت میں تھا مگر اسی حالت میں گھوڑے پر سوار برابر چلتا رہا۔ خلاصہ یہ کہ اشرف بیگ مع اپنی فوجوں کے آگے بڑھتا رہا جس زمانہ میں اشرف بیگ اڈریانوپل میں نظر بند تھا اس زمانہ میں اس کو وہاں کے اطراف وجوانب میں پھرنے کا اتفاق ہوا تھا وہ وہاں کے خفیہ اور ظاہر راستوں اور گھاٹیوں سے پوری طرح واقف ہو گیا تھا اور چونکہ فوجی آدمی تھا ادھر اس کو ہمیشہ خفیہ حرکات کا سامنا رہتا تھا اس لیے وہ جہاں جاتا تھا اپنے مرض کی دوا کی فکر کرتا تھا ہر مقام کو فوجی نقطہ نظر سے دیکھا کرتا تھا اڈریانوپل میں بلغاری قوت موجود تھی اور اگر کچھ دیر وہاں پہنچنے میں ہو جاتی تو اور بھی قوت بڑھ جاتی اور وہ شہر کی حفاظت کا پورا اور کامل انتظام کر لیتے مگر چونکہ برابر تعاقب ہو رہا تھا اس لیے پورا اجتماع نہ ہو سکا اور معمولی استحکام سے زیادہ وہاں مورچہ بندی بھی نہ ہو سکی فقط ان راستوں پر جو کہ عام تھے انہوں نے انتظام کیا تھا اشرف بیگ نہایت سرعت سے مخفی اور غیر مشہور گھاٹیوں سے داخل ہو گیا جس کی وجہ سے بہت جلد شہر پر قبضہ ہو گیا اور زیادہ تلفیات کی بھی نوبت نہ آئی۔

اشرف بیگ اور اس کے بھائی سامی بیگ اور دیگر کمانداروں نے اپنی اپنی فوجیں بلغاریہ وغیرہ پر چڑھائیں اور پے در پے شکستیں دیں مگر زار روس، فرانس، برٹش ملکہ ترکی کے سامنے آ گئیں زار نے صاف طور سے کہہ دیا کہ اگر حدود اڈریانوپل سے تم آگے بڑھے تو میں اعلان جنگ دے دوں گا۔ ترکی کی حکومت کو اس وقت اتنی طاقت نہ تھی کہ روس سے لڑنے پر تیار ہو جاتا لاچار ہو کر اس کو رکنا پڑا مگر اشرف بیگ نے اعلان نافرمانی کر دیا وہ اور اس کے بھائی وغیرہ نے ریاستہائے متحدہ بلقان سے برابر جنگ جاری رکھی اور فتح یاب ہوتا رہا ترکی نے اپنی نظامی فوج ہٹالی۔ اشرف بیگ نے اس مدت میں تقریباً چار ہزار

گھرانوں کو جو کہ بلغاریوں کے مظالم اور شدائد (سختیوں) کی وجہ سے مرتد بنا لئے گئے تھے پھر مسلمان کیا مفتوح زمین میں امن قائم کیا سکہ اور ٹکٹ بھی اس کا علیحدہ جاری کیا اور تقریباً چھ مہینے یا اس سے کچھ زائد تک ایک علیحدہ ریاست وہاں جمی رہی اس کے پاس ہر طرف سے غیرتمند افسر اور سپاہی خفیہ طور پر پہنچتے رہے مگر پھر دول یورپ نے ترکی کو مجبور کیا کہ اشرف بیگ کو جس طرح ہو وہاں سے مٹایا جائے چنانچہ بہت زیادہ مجبور کرنے پر بعض بعض مفید اسلام شرائط بلغاریہ سے کر کے جملہ غنائم (تمام مال غنیمت) جو کہ بارہ ریلوے گاڑیوں میں آتے تھے جن کو بلغاریوں سے اس نے چھینا تھا اور نقود وغیرہ ساتھ لے کر واپس آ گیا ان غنائم میں سے اکثر کو ان مہاجرین پر تقسیم کر دیا جو کہ بلقانی زمینوں سے ہجرت کر کے ترکی ممالک میں آ گئے تھے۔

اشرف بیگ ترکی میں غیر منتظم فوج اور مجاہدین کا کمانڈار تھا اور جس جگہ حکومت کو ضرورت پڑتی تھی پہنچتا تھا اس کی خفیہ کام کرنیوالی پارٹی ہر جگہ موجود رہتی تھی ضروری کاموں کو بطور حال الغیب پورا کرتی رہتی تھی جس پر حکومت ترکی قانوناً کوئی مقدمہ نہیں چلا سکتی تھی قبل اعلان ترکی ابتدائی جنگ عمومی میں وہ اور اس کا بھائی سامی بیگ کاشغر کو ہندوستان کے راستہ سے بھیجے گئے تھے ان کے ساتھ اور بھی چند افسر تھے مگر جب جہاز بمبئی میں تاجرانہ طریق پر پہنچا تو انگریزوں نے آگبوٹ کو گرفتار کر لیا۔ اشرف بیگ خفیہ طور سے بھاگ کر مسقط اور وہاں سے جدہ وغیرہ پہنچا اس کا بھائی سامی بیگ گرفتار ہو گیا اور بمبئی سے کہیں دوسری جگہ ریل میں بھیجا گیا وہاں سے راستہ میں بھاگ گیا اور پھر بمبئی واپس آیا اور وہاں سے اپنے ایجنٹوں کے ذریعہ سے نقود ضروریہ حاصل کر کے پشاور اور وہاں سے کاشغر پہنچا بعض دوسرے افسر بھی روپوش ہو کر پھرتے پھرتے اس طرف پہنچ گئے۔ سامی بیگ نے کاشغر میں حکومت چینی کا انقلاب کر دیا اور اسلامی حکومت وہاں قائم کرا دی چنانچہ بالفعل وہاں اسلامی حکومت ہے۔ سامی بیگ کی خبریں مالٹا میں آیا کرتی تھیں۔ سامی بیگ اشرف نے

بیگ سے چھوٹا ہے اس قدر توانا اور قوی نہیں مگر استقلال اور صبر وتحمل بے حد رکھتا ہے۔ غیرت اسلامی اور ہمدردی مذہب انسانیت مروت بے حد رکھتا ہے اشرف بیگ میں غصہ زیادہ ہے مگر وہ حلیم ہے (بردبار) جنگی جفاکشی میں اپنا آپ ہی نظیر (مثال) ہے۔ ذہن نہایت تیز اور رائے بہت صائب (درست) رکھتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ انور پاشا کی پارٹی میں بہت سے ایسے بلند ہمت جفاکش ہمدرد اسلام اشخاص تھے اور ہیں جن کی نظیر (مثال) اس وقت دوسری قوموں میں موجود نہیں اگر جنگ بلقان کے بعد دس پندرہ برس بھی سلامتی اور امن کے ساتھ گزر جاتے تو یہ پارٹی جمعیت اتحاد والترقی کی اس قدر قوت بہم پہنچالیتی کہ بڑی سے بڑی قوت مغربی اس کا سامنا نہ کرسکتی مگر بدقسمتی سے سنبھلنے بھی نہ پائے تھے کہ اس جنگ عمومی کا سامنا پڑ گیا پھر بھی وہ جفاکشیاں اور انتظامات کیے نظیریں گزشتہ ایام میں ترکی کے لیے نہیں پائی جاتیں۔ ابتداء جنگ میں اپنے حسن انتظام سے پندرہ لاکھ فوج میدان جنگ کے لے زیر ہتھیار نکالی اس قدر فوج تھی ترکی میدان جنگ میں نہیں لایا پھر ان کے لیے ہر میدان میں جملہ اقسام کی ضرورت کو مہیا کیا میں نے خود سپاہیوں اور افسروں سے سنا ہے کہ میدان جنگ میں سپاہیوں کے لیے علاوہ عمدہ خوراک کے سنگترے انگور سیب وغیرہ تازے میوے بکثرت پہنچائے جاتے تھے پھر فقط ایک دو میدان پر لڑائی نہ تھی تقریباً بارہ یا تیرہ میدان پر ترکی فوجیں برابر جنگ کرتی رہیں۔

(۱۔) میدان عراق (۲۔)۔ میدان عدن (۳۔)۔ میدان حجاز (۴۔)۔ میدان سویز (۵۔)۔ درہ دانیال (۶)۔ سالونیکا (۷۔)۔ ارض روم (۸)۔ طرابزون (۹۔) غالیچیا۔ (ممالک اسٹریا میں) (۱۰۔) رومانیہ (۱۱۔) حدود ایٹالیہ (۱۲۔)۔ حدود۔ روس بجانب وارشو حدود (۱۳۔) ایران بجانب دان کرکوک۔ ان سب میدانوں میں بڑے طویل عریض خط میں جنگ قائم رہی حالانکہ آلات رسدرسانی کی

نہایت وقت تھی ریلوے لائنیں تمام ملک میں زار روس اور دیگر یورپین قوموں کے تشددات اور مظالم کی بنا پر نہ بنا سکے تھے جب کبھی بنانے کا قصد کیا ان مہذب مرذودوں نے سخت مخالفت کر کے جنگ کی دھمکی دی کسی ایک قوت سے مقابلہ نہ تھا بلکہ بہت سی قوتوں سے پیکار تھی پھر یہی نہیں کہ خارجی دشمنوں ہی سے مقابلہ ہوا اندرونی دشمن بھی کھڑے ہو کر سخت پریشانیوں میں ڈالتے رہے آرمینیوں نے جو نقصان ایام جنگ میں پہنچایا ہے اور جو مظالم انہوں نے کیے ہیں۔ وہی فقط ایک بڑی سلطنت کے برباد کرنے کے لیے کافی تھے انہوں نے ہزاروں سپاہیوں اور باشندوں کو تہ تیغ کر دیا تھا گھروں کو جلا دیا ہر قسم کے سامان جنگ ڈائنا منٹ کے گولے بندوقیں ہوائی تار وغیرہ وغیرہ سامان بہت بڑی مقدار میں روس، فرانس امریکہ برٹش وغیرہ مختلف مقامات سے خفیہ خفیہ جمع کر کے بہم پہنچائے چنانچہ تفتیش پر تہ خانے کے تہ خانے بھرے ہوئے ان چیزوں سے پائے گئے اور جن کا انہوں نے استعمال کر لیا تھا وہ علیحدہ رہے۔

انہوں نے روسی افواج کو حدود وان میں داخل کر ہی لیا تھا وان روم کی طرف سے ان کو اعانت پہنچا ہی رہے تھے پھر اس پر بھی اگر ان کے ساتھ کوئی معاملہ ترکی نے کیا ہے تو تمام یورپ ترکی کو خطاوار اور سفاک ظالم ٹھہراتا ہے اگر ان کے مظالم کی میں تفصیل لکھوں تو بڑے دفتر کی ضرورت پڑے نہ میرے پاس اس کی کافی وسعت ہے اور نہ ہی میں اس کو بخوف ضبط کتاب لکھ سکتا ہوں مگر دو ایک باتیں ضروری طور سے جس کو میں نے خود متعدد لوگوں سے سنا ہے عرض کرتا ہوں۔

ابتداء اعلان جنگ میں جب کہ ترکی نے لشکر جمع کرنے شروع کیے تو جو لوگ لشکر میں بھرتی ہونے کی صلاحیت آرمینیوں میں سے رکھتے تھے یا تو پہاڑوں اور جنگلوں میں چھپ گئے یا روس کے ممالک میں بھاگ گئے عورتیں بچے اور پینتالیس برس سے زائد عمر والے ظاہری طور پر باقی رہ گئے مگر انہوں نے سردی اور برف باری کے زمانوں میں رستہ والے

گاؤں وغیرہ میں مسلمان لشکریوں کو اپنے اپنے گھروں میں شب کو آرام کے واسطے دعوت دی۔ بے چارے عساکر (لشکروں) یا پولیس کے جوان یا منتظمہ فوجی جماعت جو کہ رسدٗ لکڑی اور دیگر ضروریات کے واسطے گاؤں گاؤں جاتے تھے وہ جب مکان میں پہنچے اور سو گئے یا کم عدد پر ہوئے تو ان کو قتل کر ڈالا کبھی مکان میں آگ لگادی کبھی ڈائنامیٹ سے اڑا دیا۔ اسی طرح قبل از ظہور بغاوت ہزاروں آدمیوں کو انہوں نے قتل کر ڈالا جس کا پتہ کچھ عرصہ کے بعد پوری طرح سے چلا ارمنی عیسائی مسلمانوں کو قتل کر کے تین تین چار چار سر جمع کرتا تھا اور اس کو پانی میں جوش دے کر اس پانی سے نہاتا تھا اور اس کو باعث نجات آخرت سمجھتا تھا وان میں ارمنی لوگوں نے روسی فوجوں کو داخل کر کے سخت قتل عام مسلمانوں کا کیا ان کی عورتوں کی عصمت دری اور مال وغیرہ کی غارت گری نہایت بیدردی کے ساتھ کی کیونکہ وان کی حدود پر فوج نہ تھی اور نہ یہ محاذ جنگ اول سے تھا۔ ارمنوں نے راستہ بتا کر روسی فوجوں کو داخل کر دیا تھا مفتی وان کی دوشیزہ لڑکی کو ساٹھ ستر ارمنی اٹھا کر پہاڑوں میں لے گئے اور اس کو زنا کرتے کرتے مار ڈالا اس قسم کی سینکڑوں بے حرمتیاں اور شدائد واقع ہوئی تھیں جن کی بنا پر ترکوں نے ان کی صفائی کی طرف توجہ کی۔ جن باتوں کو دیکھ کر خود جرمنی افسروں اور غیر جانبدار اسپینی سویڈی سفیروں وغیرہ نے حق ترکوں ہی کو دیا تھا اور ہر طرح ارمنوں کو ظالم قرار دیا تھا افسوس تو یہ ہے کہ ایام جنگ میں جب کہ ترکی حکومت بیرونی حکومت کے ساتھ مشغول تھی اس قدر مظالم کی ابتدا کرنے والی قوم باوجود ہتھیار وغیر پائے جانے کے اگر زیر قوانین مارشل لا لائی جائے تو وہ ظلم ہو مگر اگر ہندوستان کے نہتے غیر ایام جنگ میں ستیہ گرہ اور اس کے جلسے کریں تو ان پر قوانین مارشل لا جاری کرنا اور ان کو مشین گنوںٗ رائفلوں سے برباد کرنا جنرل ڈائر اور اڈوائر کا خالص عدل شمار کیا جائے ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔

ترکی کو ادھر تو ارمینوں سے سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اس سے کچھ فارغ ہی ہوا تھا کہ یورپ نے عربوں کو سامنے لا کھڑا کیا اور شریف حسینؔ۔ اہل سریہ اہل عراقؔ سے نہایت

ناجائز اور شنیع افعال کرائے جن کی بنا پر نہایت برا اور زہریلا اثر ترکی قوت پر پڑا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اگر عربوں کی خیانت نہ ہوتی تو ترکی کسی طرح بھی میدان جنگ میں شکست نہیں کھاسکتی تھی مگر اس کا مزا آج عرب چاروں طرف چکھ رہے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ اتحادیوں ہی کے حسن انتظام نے ترکی کو ایسی حالت میں چار برس برابر لڑائی پر قائم رکھا جس کی نسبت کسی کا وہم وگمان بھی نہ تھا اس میں شک نہیں کہ ایام جنگ میں بعض مقامات میں ماتحت حکام سے بہت سی فروگذاشتیں (کوتاہیاں) اور بہت سی بے عنوانیاں بھی ہوئیں۔ بہت سے بدنیت اور اغراض نفسانی والے لوگوں نے ایسے تنگ اور خراب اوقات میں نقصان بھی پہنچایا مگر بڑوں کے اخلاص اور حسن انتظام میں شک نہیں۔

اشرف بیگ کی گرفتاری:

اشرف بیگ چونکہ حجاز، یمن، نجد وغیرہ کے قبائل اور تمام زمینوں اور گھاٹیوں سے واقف تھا۔ عربی زبان بھی خوب سمجھتا تھا فنون جنگ کا ماہر تھا اس لیے امام یحیٰ نے صنعاء یمن سے اپنا آدمی استنبول انور پاشا کے پاس بھیجا کہ تم اشرف بیگ کو میرے پاس بھیج دو تو میں اپنی اور موجودہ ترکی فوج کو لے کر شریف حسین پر چڑھائی کروں اور جو کچھ اس نے ایسے وقت میں اسلام کو ضرر پہنچا کر کافروں کی مدد کی ہے اس کا دفعیہ کردوں۔ چنانچہ وہاں سے اشرف بیگ کو روانگی کا حکم ملا اور بیس ہزار پونڈ فوج کے مصاریف وغیرہ کے لیے اور کچھ ہدایا امام یحیٰ کے لیے اس کے ساتھ روانہ کیے گئے تقریباً پانچ ہزار پونڈ اس کے علاوہ خود اشرف بیگ کے تھے اور چالیس بہادر جانباز افسر بھی ساتھ کیے گئے اشرف بیگ اولاً مدینہ منورہ آیا وہاں پر سواری وغیرہ کا انتظام کیا اور اس لیے کہ کہیں شریف کے لوگوں پر جو اس کے ذریعہ سے یمن کا جانا معلوم نہ ہوجائے سیدھا راستہ یمن کا مدینہ منورہ سے اختیار نہ کیا بلکہ مدینہ منورہ سے اولاً خیبر کی طرف روانہ ہوا اور وہاں سے قصد یمن کی روانگی کا کیا۔ کل

مجموعہ تقریباً ستر آدمیوں کا تھا چالیس آدمی جنگی تھے اور باقی خدمت گار یا شتربان وغیرہ تھے خیبر کے قریب ان کو پانی کی غرض سے ایک کنوئیں پر اترنا پڑا وہاں تھوڑی دیر گزری تھی کہ عبد اللہ بیگ شریف کا منجھلا یا نجھلا بیٹا جو کہ طائف کی مہم پر تھا طائف فتح ہونے کے بعد بارہ ہزار سپاہی لے کے مدینہ منورہ کی محاصرہ کی غرض سے شام اور مدینہ منورہ کی ریلوے لائن کاٹنے کو جاتا تھا اسی کنوئیں پر آیا' نہ اس کو پہلے سے اشرف بیگ کی خبر تھی نہ اشرف کو اس کی۔ جب اس کے آدمی پانی لینے کو کنویں پر پہنچے تو اشرف بیگ کے لوگوں سے مقابلہ ہوا اور آخر کار جنگ شروع ہوگئی اشرف بیگ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ہمارا مقابل بارہ ہزار فوج رکھتا ہے اور ہم ہتھیار بند فوجی قوانین سے واقف فقط چالیس آدمی ہیں۔ اس لیے حسب قوانین عسکریہ میں تم کو تکلیف مقابلہ کی نہیں دے سکتا تمہارا جہاں جی چاہے چلے جاؤ۔ انہوں نے اس سے کہا کہ آپ کیا کریں گے اس نے جواب دیا کہ میں تو اسلام اور ملت پر قربان ہوں گا میں بھاگنا نہیں چاہتا انہوں نے بھی یہی جواب دیا اور آخر کار باقاعدہ نہایت جلد مورچہ بنا کر مقابلہ کیا پانچ گھنٹہ تک سخت مقابلہ رہا اور عبداللہ بیگ کے لوگوں کی ہزیمت فاش ہوئی مگر اس کے بعد ایک جماعت بدوؤں کی پیچھے کی پہاڑ پر چڑھ گئی اور وہاں سے انہوں نے اوپر سے گولیاں برسا کر اکثر لوگوں کو شہید اور باقی ماندہ کو سخت زخمی کر دیا۔ اشرف بیگ کی ٹانگ میں بھی گولی لگی جس کی وجہ سے وہ نقل و حرکت سے بالکل معذور ہو گیا تمام آدمیوں میں شام تک فقط تین چار زندہ باقی رہ گئے اور سب کے سب شہید ہو گئے جب مغرب ہو گئی تو گولی برسانی انہوں نے چھوڑ دی رات بھر زخمی وہیں پڑے رہے صبح کو آ کر تمام اسباب وغیرہ لوٹا اور زخمیوں کو لے گئے اشرف بیگ اپنے آپ کو تسلیم نہیں کرتا تھا مگر اس کو قسمیں دلائیں اور اطمینان دلایا کہ تیرے ساتھ معاملہ انسانیت کا کیا جائے گا۔

آخر کار اس کو اٹھا کر شریف عبداللہ کے خیمہ میں لائے اس نے نہایت انسانیت سے معاملہ کیا اسی وقت زخمیوں کو دھلوایا اور کمپوڈر وغیرہ کے ساتھ منبع البحر بھجوایا وہاں سے جدہ

بھیجا گیا اور پھر مکہ معظمہ بھیج دیا گیا اشرف بیگ کے اسیر ہونے پر شریف حسین نے بہت خوشیاں منائیں پھر اس کو مصر بھیج دیا گیا۔ مصر میں زیر اسارت اس کا ڈاکٹری علاج کیا گیا مگر اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوا کہ پھر بدوی جراح بلایا گیا اس کے علاج سے نفع ہوا اور چلنے پھرنے کی قوت آ گئی اس کو مصر میں خلاف قاعدہ بہت تنگ کیا گیا اور پھر اس کو ترغیب دی گئی کہ وہ اپنی قوم کے خلاف فوج لے جا کر جس کو برٹش گورنمنٹ دے گی ازمیر کے میدان میں اترے اور وہاں جنگ کرے جس شخص کے ذریعہ سے یہ ترغیب دی گئی تھی اور یہ وعدہ کیا گیا تھا کہ اگر وہ ایسا کرے گا تو تمام صوبہ ازمیر (سمرنا) کا اس کو دے دیا جائے گا اور ایام جنگ میں ہر قسم کی مدد بھی اس کو دی جائے گی اشرف بیگ نے اس کو مارا اور بہت گالیاں دیں جب عرصہ تک آزمائش کر لی گئی نہ سختی نے اس کو ڈرایا نہ لالچ نے اس کو رجھایا نہ وحدت اور تنہائی نے اس کو گھبرایا تو اس سے مایوس ہو گئے مصر کی اسارت گاہوں میں جہاں پر اور اسراء تھے اس کو نہ بھیجا گیا بلکہ سیدھے مالٹا بھیجا گیا یہاں اس سے آدمیت کا برتاؤ کیا گیا۔

اشرف بیگ کا حسن انتظام:

یہاں آ کر اس نے اولاً تمام عثمانی اسراء کو بھاپا لوگوں سے میل جول کیا ہر ایک کے احوال کی تحقیق کی بہت سے ایسے کمزور اور نادر آدمی پائے جن کی مالی حالت خراب اور اخلاقی کیفیت نہایت ضعیف تھی اس لیے اس نے اولاً افسروں کو چندہ ماہوار دینے پر آمادہ کیا اور ایک خاص انجمن عثمانی اسراء کی خبر گیری کے لیے بنائی ان کے لیے تعلیم کا نظام کیا تا کہ نو عمر قابل لوگ کچھ تعلیم حاصل کریں استنبول سے ان کے لیے کتابیں بذریعہ ہلال احمر منگائیں نیز ہلال احمر سے ان نادار لوگوں کے لیے نقد منگایا جس کو وہ بذریعہ انجمن جس کے ہاتھ میں ہر شخص کے لیے تعیین مقدار حسب مرتبہ تھی ایک نظام پر تقسیم ماہواری کرتا تھا روگیٹ کیمپ کے اسراء کے کھانے میں ایک بڑی مقدار خرچ کرتا رہا تا کہ عمدہ اور لذیذ کھانا ان کو ملا

کرے اس نے مختلف قہوہ خانے کھولے اور اس میں مسلمانوں کو رکھا کہ وہ طریق تجارت سیکھیں ان سے کہا کہ کماؤ اور جو کچھ میں نے خرچ کیا ہے مجھ کو نفع میں سے ادا کردو چنانچہ منتظم لوگوں نے اسکے مصاریف کو بھی ادا کر دیا اور خود بھی اچھی مقدار جمع کر لی اس کی فکر ہمیشہ مسلمانوں کی ترقی اور نفع کی تھی یہ ہمیشہ اتحاد اسلامی کا حامی رہتا تھا اس کو خصوصیت فرقہ یعنی ترکی اتحاد عربی اتحاد ایرانی اتحاد وغیرہ سے نفرت تھی وہ جملہ کلمہ گویوں کے اتحاد کا حامی تھا خواہ مشرقی ہو یا مغربی کالا ہو یا گورا اس کی ہمت نہایت بلند تھی۔ اس کی جسمانی قوت بہت زیادہ تھی مالٹا کے موجود لوگوں میں خواہ ترکی ہوں یا جرمنی آسٹرین کوئی اس سے زیادہ قوی نہ تھا اس کے جسم کی ہڈیاں نہایت قوی اور بڑی تھیں اس کے اخلاق اور اعمال میں نہایت سادگی اور سپاہیانہ پن تھا ترک عموماً سادی وضع رکھتے ہیں ہندوستانی امراء کی طرح تکلفات اور بناوٹ جملہ حرکات وسکنات لباس وطعام وغیرہ میں نہیں رکھتے اگرچہ اختلاط یورپ (یورپ کے ملاپ) کا بڑا اثر پڑ چکا ہے مگر اپنی جبلی (فطری) عادت سادگی کی ابھی تک بہت باقی ہے اس کو ہندوستان اور افغانستان سے بھی خاص ہمدردی تھی حضرت رحمۃ اللہ سے نہایت اخلاص اور محبت سے ملتا تھا اور حضرت مولانا جس قدر اس سے دل کھول کر ملتے تھے کسی سے نہ ملتے تھے اس کی سادگی اور عادات واطوار کو پسند کرتے تھے اور اس کو بھی ایک درجہ تک مولانا سے شغف تھا (بے حد محبت تھی) ہفتہ میں ایک دفعہ اس کے پاس ضرور جاتے تھے اور اس کو بھی جب کبھی اجازت ہوتی تو یہاں آتا تھا۔

ترکوں کا تدین (دین داری):

عام طور سے لوگوں کا خیال ترکوں کی طرف عدم تدین (لادینی) کا ہے مگر واقعیت اس کے خلاف ہے ترکوں کے تدین کو اگر ہندوستان یا دوسرے مقامات کے مسلمانوں سے مقابلہ کیا جائے تو ان کو ہی فوقیت دینا پڑتا ہے ترکوں کا عام اور متوسط طبقہ

نہایت متدین ہے یعنی فیصدی شاید اسی اور نوے تک نمازی اور عقائد صحیحہ والے لوگ ملیں گے اور مع اس کے جہاد کے شائق اسلام پر جان دینا ان کے نزدیک نہایت مبارک فعل ہے۔ طبقہ علیا (بلند مرتبہ) کے لوگ البتہ بددین ہیں ان میں اکثر جو لوگ یورپ میں رہ چکے ہیں وہ اکثر اپنے عقائد اور اعمال میں خراب ہیں ان میں غالبًا بیس فیصدی اچھے خیال اور اعمال کے ہوں گے اور فیصدی اسی آزاد خیال آزاد افعال ہیں جو لوگ یورپ نہیں گئے ہیں وہ فیصدی ساٹھ یا ستر متدین (دین دار) ہیں اور باقی ماندہ آزاد خیال ہیں۔ غرض کہ عام ملت ترکیہ ایسے نہیں ہیں جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے ہمارے یہاں ہندوستان میں عام طبقہ عمومًا غیر متدین ہے۔ فیصدی تیس بھی اس فرقہ میں سے متدین نکالنا مشکل ہوگا بلکہ بعض ملکوں میں تو فیصدی بیس یا پندرہ بھی نکالنا دشوار ہے ترکوں کے عقائد عمومًا بہت اچھے ہیں یورپ کے قرب اور ان کے اختلاط (ملاپ) نے بہت بڑا اثر ڈالا ہے جس سے عمومًا متاثر ہونے والے بھی نوجوان روپر کے لوگ ہیں یورپ نے قصدًا ان کے تدین کے احساس کو مختلف طریقوں سے کم کیا ہے ترکوں کے علماء نہایت ہی متدین ہیں اتباع سلف میں بہت زیادہ کوشاں اور حق گوئی میں بے نظیر ہوتے ہیں۔

اشرف بیگ کے عقائد بہت اچھے تھے البتہ عملی حالت امور دینیہ میں کمی پر تھی مگر منہیات سے سخت متنفر تھا جب کہ تمام ترکی لوگ مالٹا سے چھوٹے تو اشرف بیگ کے بھی چھوٹنے کا حکم آیا اس نے اول اول دوسروں کو تین چار دفعہ میں روانہ کیا اپنے آپ سب سے اخیر میں روانہ ہوا اور پھر استنبول پہنچ کر اس نے پوری قومی ہمدردی کی داد دی اور پھر جا کر مصطفیٰ کمال سے مل گیا جس پر مصطفیٰ کمال نے اخباروں میں مضمون دیا تھا اشرف بیگ کے آنے سے میری دونوں آنکھیں مجھ کو مل گئیں۔

علاوہ اشرف بیگ کے مولانا کا تعلق کپتان (یوزباشی) سید حسن آفندی بغدادی جو کہ بحری فوج کا افسر تھا اور کپتان (یوزباشی) نیازی آفندی میجر (بیکباشی) بہار بیگ جو کہ

پورٹ سعید میں فوجی انتظامات وغیرہ میں متعین تھا اور بہت سے دوسرے افسروں سے بھی تھا یہ سب لوگ نہایت اخلاص اور عقیدت مندی سے مولانا سے پیش آیا کرتے تھے اور بہت عظمت کی نگاہوں سے مولانا کو دیکھتے تھے جب اخیر میں وردالہ اور وال فرسٹ میں آنا ہوا تو وہاں پر خصوصیت سے التوا جنگ (جنگ ملتوی ہونے) کے بعد کے اسراء میں سے چند آدمیوں کے ساتھ تعارف اور تعلقات پیدا ہوئے یہ لوگ پہلے سے یہاں نہ تھے جناب شیخ الاسلام خیر الدین آفندی ان کے رفیق حبیب بیگ، احمد پاشا انور پاشا کے والد ماجد کرنیل (امیر الائی) جلال بیگ، کرنیل جواد بیگ فائق بیگ مفتی حسن فہمی آفندی وغیرہ شیخ الاسلام موصوف نے بیعت کی بھی درخواست کی تھی مگر مولانا نے انکار فرمایا پھر انہوں نے کتابوں اور اوراد کی اجازت مانگی اس کو مولانا نے قبول کیا اور اپنے دست مبارک سے لکھ کر ان کو عنایت فرمایا انہوں نے اپنی یادگار کے طور پر مولانا کو اپنی دلائل الخیرات جو کہ خط ثلث میں نہایت خوش قلم تھی مولانا کی خدمت میں پیش کی جس پر اخیر میں چند سطر اپنے ہاتھ سے لکھ کر بطور طلب دعا اور درخواست یادگاری دستخط بھی کر دیا تھا۔

کرنیل جلال بیگ نے بھی ایک حمائل (چھوٹی تقطیع کا قرآن شریف جسے گلے میں لٹکایا جاتا ہے) نہایت عمدہ اور خوبصورت چھاپہ کی مولانا کی نذر کی تھی مولانا مرحوم اس میں اس کے بعد پڑھا کرتے تھے انور پاشا کے والد احمد پاشا مُعَمَّر (بڑی عمر کے) اور نہایت سادہ آدمی ہیں ان کو بزرگوں سے نہایت خلوص و اعتقاد ہے وہ اکثر مولانا کے پاس آیا کرتے تھے علاوہ ان کے صدر اعظم سابق سعید حلیم پاشا اور ان کے بھائی عباس حلیم پاشا بھی کبھی کبھی آتے اور ملتے تھے۔ جرنیل محمود پاشا جرنیل فخری پاشا بھی کبھی کبھی خاص طور سے ملتے رہتے تھے جب خلافت کمیٹی قائم ہوئی اور ہندوستانیوں نے دوبارہ خلافت مطالبات شروع کئے ان لوگوں کی محبت ہندوستانی مسلمانوں سے بہت زیادہ بڑھ گئی تھی چونکہ لندن ٹائمز اور ریوٹر برابر آتا رہتا تھا اور اس میں تمام خبریں درج ہوتی تھیں اور بہت سے افسران

میں انگریزی زبان سے خوب واقف تھے اس لیے وہ لوگ عموماً اپنے ہندوستانی مسلمان بھائیوں کا شکریہ نہایت محبت بھرے الفاظ میں کیا کرتے تھے بلکہ چلتے وقت ان بڑے عمائد (معززین) نے شکریہ کا ایک محضر (کاغذ جس پر قاضی کی مہر تھی وہ) بھی بنا کر دیا تھا جو کہ مولانا مرحوم کی بیماری اور مشغولیت کی وجہ سے شائع نہ ہو سکا۔

اور بہت سے معزز عہدہ والے لوگ تھے جن کو مولانا سے خاص عقیدت اور تعلق تھا اس میں سے میجر (بیکباشی) احمد حیدر بیگ نے بہت زیادہ اصرار کر کے بیعت بھی کی تھی عموماً پنج وقتہ ہمارے ساتھ وہ اور قایم مقام (لفٹنٹ کرنیل) محمد توفیق بیگ نماز بھی باجماعت پڑھا کرتے تھے جب مالٹا سے روانگی ہونے لگی تو تمام افیسر صدر اعظم سے لے کر نیچے کے درجے تک سب جمع ہو گئے اور بہت ہی زیادہ محبت کا اظہار کیا شیخ الاسلام نے خاص طور سے دعا مانگی سب آمین کہتے رہے اور بہت تپاک اور محبت سے آبدیدہ ہو کر سبھوں نے رخصت کیا وہ مجمع اور وہ سماں بھی عجیب تھا کیونکہ بہت سے ذی وجاہت (معزز) دنیاوی لوگ وہاں سے روانہ ہوئے مگر ایسا بڑا مجمع ان کی رخصتی کے وقت اور ایسے ایسے بڑے رتبہ والوں کا اجتماع اس ہیئت دعا و آمین وغیرہ کے ساتھ کسی کے لیے نہیں ہوا تھا انگریزی افیسر وہاں موجود تھے اس حالت کو دیکھ کر نہایت تعجب کرتے تھے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست   گر نہ بخشد خدائے بخشندہ

ترجمہ:۔ یہ سعادت بازو کی طاقت سے حاصل نہیں ہوتی اگر خدا بخشنے والا اس کو عطا نہ کرے۔

یہ ہیبت اور دبدبہ حقانی تھا نفسانی نہ تھا وہ شخص جس کی کبھی صورت بھی عالمانہ زندگانی کا جامہ نہ پہنتی تھی وہ ہستی کہ جس نے کبھی اپنے آپ کو مسند علم کی صدر نشینی پر پیش نہ کیا ہو اس کی لباسی اور عملی کاروائی ظاہر میں ایک معمولی درجہ سے کبھی تجاوز نہ ہوتی تھی اس کو لوگوں کے اختلاط اور مناسب کے حاصل کرنے سے وحشت ہوا اس کی یہ عزت وتمکنت

(شان وشوکت) عام خلق خداوندی میں یہ قبولیت اگر اس کے تقویٰ اور للّٰہیت کا اثر نہ تھا تو کس کا تھا ہندوستان میں جو قبولیت مولانا مرحوم کو خداوند کریم نے عطا فرمائی اور جس وقعت سے لوگوں کے دل میں مولانا مرحوم نے جگہ پائی وہ آفتاب سے زیادہ ظاہر وباہر ہے فرحمۃ اللہ وارضاہ۔ آمین۔

اب میں اپنی اس ٹوٹی پھوٹی تحریر کو ختم کرتا ہوں اور دست بدعا ہوں کہ خداوند کریم اس ناکارہ کو بھی مولانا مرحوم اور ان کے اسلاف کرام کے طفیل اور اپنے فضل وکرم سے استقامت اور ایمان عطا فرما کر اپنی خاص معرفت سے نوازے اور اسلام اور مسلمانوں پر اور تمام امت محمدیہ پر دنیا اور آخرت میں اپنا خاص لطف وفضل بخشش فرمادے۔ آمین۔

﴿وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾

حسین احمد غفرلہ

تمت بالخیر